شیخ عبد القدوس گنگوہی

اور

اُن کی تعلیمات

از

اعجاز الحق قدوسی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی

بار اوّل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ستمبر ۱۹۶۱ء

تعداد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار

مطبوعہ ۔۔ ۔ ۔ ایجوکیشنل پریس۔ کراچی

قیمت

~~نو روپیہ (نئے ۹)~~

قیمت مجلد دس روپیہ

صبا بخاک مزارش سلام ما برسان
که چشم خفته ارباب هند را بکشاد
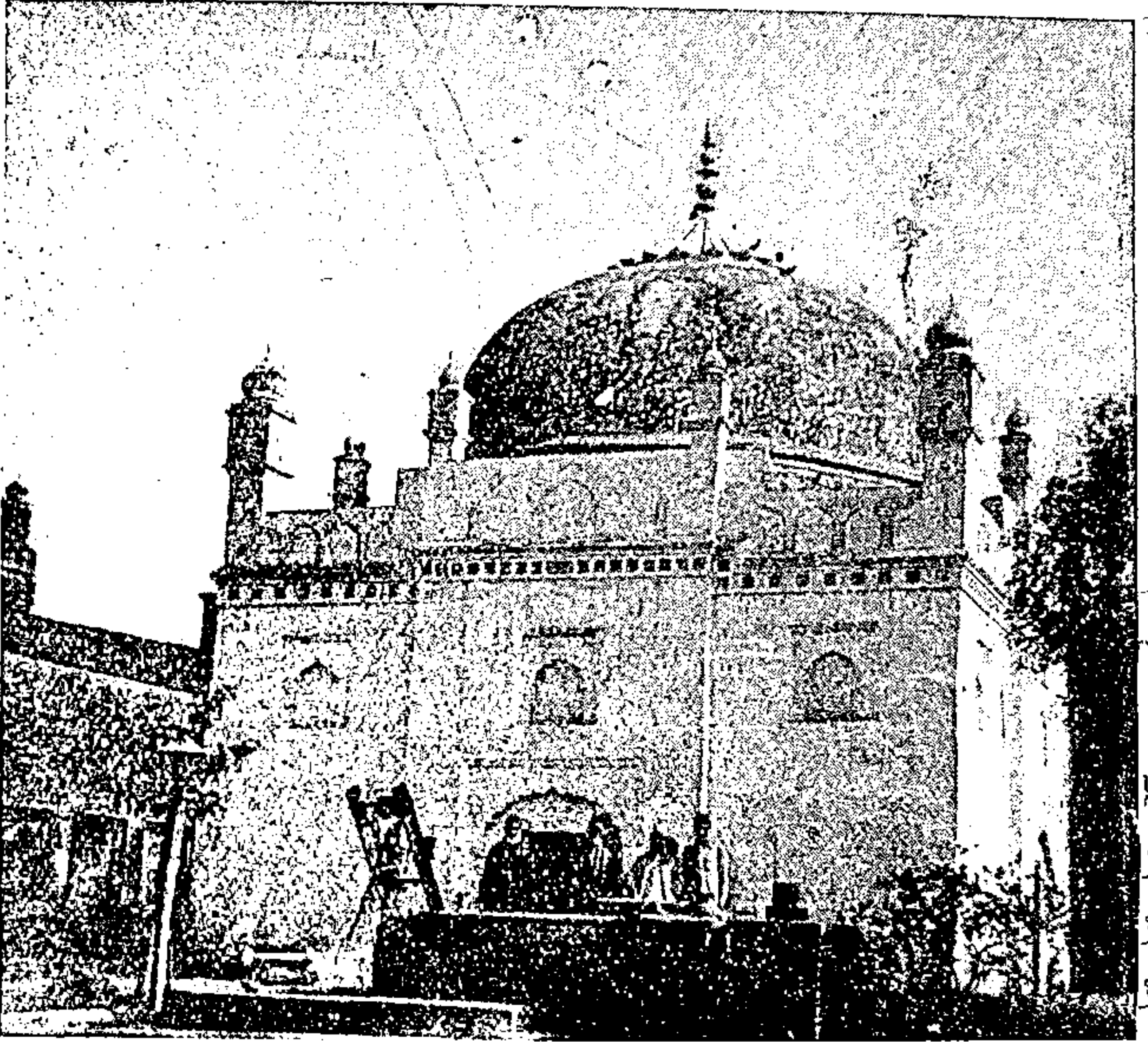
درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی
(بشکریہ شاہ اقبال جہاں صاحب قدوسی)

فہرست

فہرست مضامین کتاب

مولانا اعجاز الحق قدوسی

ایک تاثر

جناب سیّد الطاف علی بریلوی
سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی کو دیکھ کر بیساختہ بیدل کا یہ مصرع ذہن کے دریچوں سے جھانکنے لگتا ہے ع ہر چند عقل کل شدہ ای بے جنوں مباش

وہ دیوانہ وار صبح سے شام تک حصول علم میں لگے رہتے ہیں، کتابوں کے پلندے لئے شہر کے مختلف کتب خانوں میں آتے جاتے نظر آتے ہیں، ذرا سی بات ہو گی اس کے لئے تحقیق کا حق ادا کر دیں گے، وہ سچے آدمی ہیں، بات کریں گے تو پھول جھڑیں گے، چھوٹوں میں بیٹھ کر چھوٹے اور بڑوں کی صحبت میں بُردبار اور بڑے، اسی لئے وہ ہر جگہ رونقِ محفل بن جاتے ہیں، خوش خلقی، وضع داری اور شرافت ان کا چلن ہے، وہ پیدائش سے لے کر اب تک صرف طالب علم ہیں، اور اسی خصوصیت نے اُن کے ذہنی ارتقاء کو کسی منزل پر بھی آگے بڑھنے سے نہیں روکا، ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری، جیب خالی، پیٹ خالی، لیکن علم کی لگن میں ایسے مگن کہ کسی بات کا ہوش نہیں، قناعت مزاج اور توکل تکیہ، مجسم علم، جوڑ توڑ سے متنفر، سیاست کے ہتھکنڈوں سے دور۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور کے رہنے والے ہیں،

۱۹۰۵ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے، سلسلہ چشتیہ کے نامور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اُس زمانے کے رواج کے مطابق اپنی ننھیال قصبہ انبہٹہ ضلع سہارن پور میں مولانا شفیق احمد صاحب انبہٹوی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ مجددیہ سرہند میں تعلیم پاتے رہے، اور پھر علومِ مشرقیہ کی تکمیل ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ مظاہر العلوم سہارن پور سے کی، مولانا خلیل احمد محدثؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی۔ مولانا اسداللہ رام پوری، مولانا عبدالرحمان کیمبل پوری، مولانا ثابت علی مرحوم اور مولانا منظور احمد صاحب سہارن پوری جیسے یگانہ روزگار علماء سے نہ صرف تعلیم حاصل کی بلکہ ان بزرگوں کی خدمت میں رہ کر اپنے جوہرِ قابل کو نکھارا۔

۱۹۲۹ء میں حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں ۱۹۵۱ء تک محکمہ امور مذہبی سے وابستہ رہے یہیں ۱۹۳۲ء میں انھوں نے اپنی سب سے پہلی کتاب "مسلمان بیبیاں" کے نام سے لکھی، جسے مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیا، اس کتاب کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اس کتاب کی مقبولیت کے بعد انھوں نے اسی طرح کی کتابیں سراپائے رسولؐ، رسولِ پاک کی صاحبزادیاں، پاک بیبیاں، سیرتِ بتولؓ، عہدِ رسالت کے دو بچے، درس گاہِ رسول کے دو طالب علم، ہمارے نبی کے صحابہ، خلفائے راشدین کی صاحبزادیاں، رسول اللہ کے دو محبوب، سیرت امام حسنؓ جیسی مقبولِ عام کتابیں لکھیں، یہ سب کتابیں تاریخی اعتبار سے ایک خاص ندرت لئے ہوئے ہیں۔

جن مشاہیر کے تعلقات نے اُن میں لکھنے کا شعور پیدا کیا، ان میں الیاس احمد مجیبی، خواجہ حسن نظامی، حضرت جوش ملیح آبادی، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید حسام الدین راشدی ہیں، وہ کہا کرتے ہیں کہ الیاس احمد مجیبی مرحوم نے مجھے سب سے پہلے لکھنے کے ذوق سے آشنا کیا، میں نے ان کو کتابیں لکھتے ہوئے دیکھ کر خود کتابیں لکھنا شروع کیں۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم کی نیاز مندیوں نے مجھے کام کی لگن کا درس دیا،
حضرت جوش ملیح آبادی کی صحبتوں نے مجھے شعر کا صحیح عرفان بخشا، مولانا
عبداللہ العمادی کے تعلقات نے مجھے بتایا کہ انسان کو اپنی آخری عمر تک خود کو
طالب علم ہی سمجھنا چاہیے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کرم فرمائیوں نے
مجھے تحقیق کا ذوق عطا کیا، اور سب سے آخر میں سید حسام الدین راشدی کے
لطف و کرم نے مجھ پر لکھنے کی نئی راہیں کھولیں، میں ان سب کو اپنا اُستادِ
معنوی کہتا ہوں۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی اگرچہ علمی و ادبی حلقوں میں بحیثیت شاعر کے
بہت کم متعارف ہیں، لیکن وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں، اُن کی غزلوں اور نظموں
میں رنگینی، کیف اور ندرتِ خیال کا ایک دلکش اور حسین امتزاج ہوتا ہے۔
وہ اپنی شاعری میں جوش سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں، جب کبھی کوئی اِن سے
اُن کی غزل یا نظم چھاپنے کی فرمائش کرتا ہے تو وہ نیم تبسم کے ساتھ ہمیشہ
یہ جواب دیتے ہیں کہ میری بیج مچ بیانی تو صرف دوستوں کی گرمیِ محفل کے لئے
ہے، ورنہ میں تو تاریخ اور اسلامیات کے لئے بنا ہوں۔

زوالِ حیدر آباد کے بعد وہ پاکستان چلے آئے، اور سندھی ادبی بورڈ
کراچی کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہو گئے، اس ادارے سے وابستہ ہو کر سندھی
تہذیب و ادب کا ایسا چسکا پڑا کہ سندھ کی تاریخ و ادب کا مطالعہ شروع کر دیا
اور کچھ عرصہ بعد "سندھ کی تاریخی کہانیاں" کے نام سے ایک ایسی کتاب
تحریر کی جو نہ صرف حد درجہ مقبول ہوئی، بلکہ اس موضوع پر اُردو میں پہلی
کتاب ہے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد "تذکرہ صوفیائے سندھ" کے نام سے
ان تمام صوفیائے کرام کا تذکرہ قلم بند کیا جو سرزمینِ سندھ میں پیدا ہوئے۔
اور جن کے فیوض و انوار سے اسلام کی جڑیں یہاں گہری ہو گئیں، یہ تذکرہ بھی
اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، قدوسی صاحب کے اندازِ

بیان اور زاویۂ نظر نے اس میں اور جان ڈال دی۔

یہ کتاب سندھ میں تصوف کے ارتقاء کی ایک ایسی تاریخ ہے جو اہلِ علم اور شائقینِ تصوف کے لئے فکر و نظر کے نئے راستے کھولتی ہے "تذکرہ صوفیائے سندھ" بھی اُن کی اور کتابوں کی طرح بہت مقبول ہوئی۔

اس کے بعد اُنھوں نے اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش پر "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات" کے نام سے یہ کتاب پیش کی جو آپ کے سامنے ہے۔ یہ کتاب نہ صرف حضرت شیخ کی سوانح حیات ہے، بلکہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی عہد حاضر تک مستند تاریخ بھی ہے، حاشیوں نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کتاب تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور دسویں صدی ہجری کی ان تمام تحریکوں اور عوامل کو سامنے لاتی ہے، جن میں حضرت شیخ نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔

آج کل مولانا اعجاز الحق قدوسی برصغیر ہند و پاک کی تاریخ تصوف کے مختلف گوشوں پر کام کر رہے ہیں۔

اُن کی ہمت اور حوصلہ دیکھ کر آس بندھتی ہے کہ ابھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ باقی ہیں جو نامساعد حالات اور حوصلہ شکنی کے باوجود اپنے کاموں میں منہمک ہیں، خدا اُنھیں عمر خضر عطا فرمائے۔

؎ خزاں کے جور سے ہر چند خار ہیں یہ لوگ
مگر امانتِ فصلِ بہار ہیں یہ لوگ

۱۹ اگست ۱۹۶۱ء

سید الطاف علی بریلوی

تعارف

ڈاکٹر اینی میری شمیل

پروفیسر بون یونیورسٹی (مغربی جرمنی)

جرمنی کی مشہور مستشرق خاتون پروفیسر ڈاکٹر اینی میری شمیل ۷ راپریل ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئیں انھوں نے ۱۹۴۱ء میں برلن سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۴۶ء میں وہ ماربرگ یونیورسٹی (مغربی جرمنی) میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئیں ۱۹۵۱ء میں انھوں نے "ماربرگ" یونیورسٹی سے ڈی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۴ء میں وہ "انقرہ" یونیورسٹی اور اس کے بعد "فرینکفرٹ" یونیورسٹی میں علوم مشرقیہ کی پروفیسر رہیں پھر "ماربرگ" یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئیں اور آج کل "بون" یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

ڈاکٹر شمیل کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا کی ۱۷ سترہ زبانیں جانتی ہیں۔ پاکستانی زبانوں میں انھوں نے سندھی اور اردو کا مطالعہ کیا ہے، ان کا شمار دنیا کے مشہور ماہرین مستشرقین میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شمیل کا موضوع خاص تصوف ہے، وہ پاک و ہند میں تصوف کے رجحانات پر تحقیقی کام کر رہی ہیں۔

اُنھوں نے اہم اور متعدد علمی کتابوں کے جرمنی میں تراجم کیے ہیں، ان کے تراجم میں علامہ اقبال کی "پیامِ مشرق"، "جاوید نامہ" اور دوسری کتابوں میں "سیرۃ ابن خفیف"، "فہارس رسالہ اعجاز" اور "مقدمہ ابن خلدون" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آج کل وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست پر کام کر رہی ہیں۔

میں محترمہ ڈاکٹر اینی میری شمیل کا بیحد ممنون و شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے باوجود اپنی گوناگوں علمی مصروفیتوں کے اس کتاب پر ایک مختصر اور عمدہ تعارف لکھا، جس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس کا اصل متن بھی کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

(اعجاز الحق قدوسی)

تاریخ اسلام کے ایک باب کو یوروپین اہل علم نے ہمیشہ نظرانداز کیا ہے اور وہ ہے برصغیر ہند و پاک کے مختلف گوشوں میں اسلام کا ارتقاء۔ اس موضوع پر چند کتابیں اور کچھ مضامین ضرور موجود ہیں لیکن ان میں سے بیشتر عیسائی مشنریوں کے نقطۂ نگاہ سے لکھے گئے ہیں جو ہر اسلامی حد سے جو اُن کے سامنے آئی تھی نفرت کرتے تھے اُس کی ابتدا اور اُس کی حقیقت تک پہنچنے تک قاصر رہتے تھے۔ دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ برصغیر ہند و پاک جیسے ممالک میں جہاں اسلامی اثرات ۷۱۱ء سے جب کہ سندھ اسلامی ممالک میں شامل ہوا تھا، رونما ہونے شروع ہو گئے تھے، تاریخ اسلام خصوصاً شیعہ "تصوف" کے ماخذ اتنے زیادہ ہیں کہ کوئی ایک عالم بلکہ علماء کی کوئی ایک جماعت بھی مشکل سے اس تمام ضروری مواد کو جمع کر سکے گی جس کی ایک صوبے یا ایک جگہ کی

دینی و روحانی زندگی کی تاریخ مرتب کرنے میں اُنھیں ضرورت پیش آئے گی۔ مشہور اولیاء اللہ کی سوانح عمریوں کے متعلق یہ ہے کہ اُن میں غیر مستند روایات اتنی زیادہ شامل ہوگئی ہیں کہ ان سے کسی ایک کی زندگی کے متعلق بھی صاف اور تاریخی اعتبار سے صحیح حالات معلوم کرنا نہایت مشکل امر ہے اور غالباً اسی وجہ سے عظیم صوفیائے کرام کی سوانح عمریاں ابھی تک نہیں لکھی گئی ہیں۔ ایک اسلامی ولی اللہ کے حالات زندگی پر ایک کتاب ضرور موجود ہے جو ہر طرح کی تعریف و توصیف کی مستحق ہے۔ یہ سورلے (SORLEY) کی محتاط تصنیف ہے جو شاہ عبداللطیف بھٹائی رح کے حالات زندگی پر لکھی گئی ہے۔ اس میں سندھ کے اس عظیم صوفی کے سیاسی اور تاریخی ماحول کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ ادب میں اُن کا مرتبہ کیا ہے۔ لیکن اس قابلِ قدر کتاب میں بھی ایک بات کی کمی ہے یعنی اس میں اس مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی کہ شاہ عبداللطیف رح پر سابق صوفیوں کے کیا اثرات تھے۔ ہندو پاک کے کسی ایک گوشہ کا رہنے والا کوئی صوفی ہو میرے نزدیک جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ تصوّف کے سرچشمہ کی مختلف نہروں مثلاً خصوصاً مصنفہ ابن عربی یا مثنوی مولانا روم میں سے کس سے اس نے سیرابی حاصل کی اس صوفی کے مرتبہ کو سمجھنا بالکل ناممکن ہے کیونکہ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس نے اپنے عظیم مرشدوں کے ارشادات اور اشارات سے کیا کام لیا اور اُنھیں اپنے مزاج اور زمانے کے حالات کے مطابق کس طرح ڈھالا ہے۔

یہ بات ایک صوفی کے اپنے طریقہ کے ساتھ روابط کی نوعیت پر بھی صادق آتی ہے اور اسی باب میں بہت کچھ علمی تحقیق کی ضرورت ہے تیرھویں صدی سے ہمارے زمانے تک جتنے شاعر اور صوفی گزرے ہیں اُن کے حالات اُس وقت تک اچھی طرح نہیں لکھے جاسکتے جب تک کہ صوفیوں کے ان عظیم سلسلوں

کی ترقی وتوسیع کے متعلق معلومات حاصل نہ ہوں جو ہند و پاکستان میں اس زمانے میں فروغ پذیر ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی درگاہ شریف اجمیر میں میرے خیال میں روحانی عظمت کے اعتبار سے اعلیٰ ترین جگہ ہے جس کی نظیر میرے مشاہدے میں کبھی نہیں آئی جو حیرت انگیز کام انجام دیا ہے وہ اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ بہ نظر عمیق اس کی تحقیق و تفتیش کی جائے نہ صرف علمی حیثیت سے بلکہ یہ حقیقت نمایاں کرنے کے لئے کہ اُن کے مریدوں میں ان کے خیالات اور نصب العین کا کہاں تک عکس موجود ہے۔ یا اُن مریدوں نے جو صدی بہ صدی ان کے بعد پیدا ہوتے رہے ان میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کر لی ہیں، اسی طرح ہند و پاک کے مسلمانوں کے خیالات پر سہروردیوں اور قادریوں کے کاموں کا جو اثر پڑا ہے اس کا بھی ہوش مندی سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ صرف ایک ایسی کتاب جس میں ان مسلمانوں کا ذکر ہو جو لمبے سفر بلکہ اکثر تکلیف دہ سفر کے بعد بغداد پہنچے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف پر قیام کر کے اس پاک مقام کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کی، ایسی صرف ایک کتاب سے بہ نسبت دوسری کئی کتابوں کے یہ اچھی طرح ثابت ہو جائے گا۔ کہ اس بّرِصغیر کے مسلمانوں میں قادریہ سلسلے کا اقتدار اب تک مسلسل چلا آرہا ہے، اس کے بعد تقشف پسند اور زیادہ سنجیدہ نقشبندیہ سلسلہ قابل غور ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا اور بعد ازاں ہند و پاک میں پھیل گیا، پھر بہت سے اشخاص خصوصاً ٹھٹھے کے علماء اور شعراء میں سے اکثر بحیثیت پُر جوش معتقدین کے اس سلسلے سے وابستہ ہو گئے۔ یہ سب طریقے ہند و پاک میں فروغ پذیر ہوتے ہیں اور انھوں نے اس بّرِصغیر کے اسلام کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا ہے۔

اس لئے ہم ان پاکستانی اہل قلم کے نہایت شکر گزار ہیں جو ملک کی روحانی

۱۰۲۰۹

ترقی کی تاریخ کے مطالعہ میں دلچسپی لیتے ہیں اور زیر نظر کتاب کے مصنف جو اس سے پہلے صوفیائے سندھ پہ تذکرۂ صوفیائے سندھ کے نام سے ایک قابل قدر کتاب لکھ چکے ہیں۔ اب یہ اہم کتاب شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات پیش کر رہے ہیں۔

اپنی اس کتاب میں جناب قدوسی نے ہندوستانی صوفیوں میں سے ایک نہایت دلکش شخصیت کے حالات درج کئے ہیں یعنی اُن کے جدالاجدا شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ علامہ اقبال کی تصنیف "اسلام میں مذہبی تخیل کی تشکیل نو" کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس سے واقف ہے کہ اقبال نے اس مشہور ولی کے باطنی تجربات کو مثالی نمونہ قرار دیا ہے جس نے قادر مطلق سے متحد ہونے کی خواہش کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس اتحاد کے بعد وہ اس دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرے گا جبکہ پیغمبر علیہ السلام معراج کا عظیم تجربہ حاصل کرنے کے بعد اپنے دینوی فرائض انجام کے لئے واپس تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کو اس قادر مطلق کی حضوری کے تجربہ کی اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ اقبال نے اپنے بیان میں اس نفسیاتی فرق کو جو صوفیانہ اور پیغمبرانہ انداز میں ہوتا ہے۔ بڑی وضاحت سے ظاہر کیا ہے[1]۔ یہ فرق یورپ کے

[1] علامہ اقبال نے معراجِ نبوی کے متعلق حضرت شیخ کے اس قول پر "محمد مصطفٰے در فاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید۔ واللہ باز نہ گردیم" پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خطبات میں فرمایا ہے۔

یہ ایک بہت بڑے صوفی، مسلمان ولی اللہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے صوفیانہ ادب کے سارے سرمائے میں شاید ہی کوئی اور مثال مل سکے، جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبی اور ولی کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو (" اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید" ڈاکٹر اقبال کے چھ خطبات۔)

ڈاکٹر پروفیسر اینی۔ میری شمیل نے اپنے تعارف میں علامہ اقبال کے اسی قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (مؤلف)

کے مشہور اہلِ علم مثلاً سوڈر بلوم (SODER BLOM) اور ہیلر (HEILER) نے بھی سائنٹیفک طور پر ثابت کیا ہے۔ وہ صوفی جو الوہیت کے سمندر میں جذب ہونا چاہتا ہے یقیناً پیغمبر سے بالکل مختلف ہے جو خدا کی علیحدگی برقرار رکھنا چاہتا ہے اور بجائے اتحاد کے اطاعت کی توفیق کا متمنی ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ بات نہایت اہم سمجھی جائے گی کہ کتاب زیرِ نظر کی بدولت ناظرین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اقوال اور اعمالِ حسنہ سے پورے طور پر واقف ہو کر ان کی قدر و قیمت پہچان سکیں گے اور مجھے یقین ہے کہ اس کتاب سے ایک نہایت دلچسپ تحقیق کے لئے ایک بنیاد میسر آجائے گی، اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ مصنف نے غیر مطبوعہ مواد جس سے اب تک کوئی واقف نہ تھا، اس کتاب میں استعمال کیا ہے اور اس عظیم المرتبت صوفی کے تاریخی اور ثقافتی ماحول پر بھی روشنی ڈالی ہے اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی نقطۂ نظر سے بھی بہت کار آمد اور قیمتی ہو گئی ہے۔

میری دعا ہے کہ بتائیدِ ایزدی یہ کتاب اس جلیل القدر ولی کی اعلیٰ فہم و فراست کو سمجھنے میں ہماری مدد کرے اور ہماری تحقیقات کے مقصد کی طرف ایک قدم اور بڑھنے میں ہماری رہنمائی کرے۔ یعنی ہند و پاک میں اسلامی تصوف کی تاریخ کی تدوین!

(ڈاکٹر) این میری شمیل
(بون یونیورسٹی مغربی جرمنی)

پیش لفظ

جناب محترم جمیل جالبی صاحب

میرے محترم بزرگ جناب اعجاز الحق قدوسی کو میرے متعلق یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں تصوف پر گہری نظر رکھتا ہوں اور تصوف کے سلسلہ میں میرا مطالعہ وسیع ہے۔ اس سلسلے میں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نہ تو پیشہ ور صوفی ہوں اور نہ پیشہ ور ادیب، جو کچھ پڑھتا ہوں اپنے شوق کے لئے پڑھتا ہوں اور جو کچھ لکھتا ہوں وہ اپنی تسکین کے لئے لکھتا ہوں، تصوف پر گہری نظر تو کجا اگر اس علم بے پایاں کے ساحل سے چند خذف ریزے چُننے کی صلاحیت بھی مجھ میں ہوتی تو خدا کی قسم میں فرش پر رہتے ہوئے بھی اب تک عرش کی بلندیوں کو کبھی کا چھو لیتا، لیکن تصوف کے سلسلے میں میرا ایمان ہے کہ تصوف کی تاریخ میں مسلمانوں کے وہ کارنامے پوشیدہ ہیں جو انھوں نے رُوحانی سطح پر انسان اور انسانیت کی خدمت کے سلسلے میں انجام دیئے اور اسلام کو ساری دُنیا میں پھیلا کر اُسے عالمگیر مذہب کی شکل دی۔ اسلام ایک سیدھا سادا مذہب ہے جو عام آدمی کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا ہے اور جس پر وہ آسانی کے ساتھ عمل کر کے اپنی زندگی کو سنوار بھی سکتا ہے اور دوسروں کے اخلاق کو متاثر بھی کر سکتا ہے۔ اہلِ علم نے اس مذہب کے ذریعہ جب صداقتِ مطلق کی تلاش کی اور اُسے عرفان ذات کا وسیلہ بنایا تو اس سے نئے نئے مذہبی تجربات سامنے آئے،

صداقت مطلق کی تلاش وجستجو اور عرفانِ ذات کے سلسلے میں پیدا ہونے والے انسانی تجربات کو ہم تصوف کا نام دیتے ہیں۔ یہ میں نے کوئی جامع و مانع تعریف نہیں کی اور نہ یہ میرا مقصد ہے، میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صداقتِ مطلق کی تلاش وجستجو کے باعث اس ارضِ خاکی پر سینکڑوں نبی وقتاً فوقتاً آئے اور انھوں نے فلاحِ انسانیت کے لئے مختلف مذاہب کی بنیاد رکھی اور انہی عقائد و مذاہب نے صداقت خیال و افکار کے ایسے مضبوط قلعے تعمیر کئے کہ ایک طرف یہ زمین ان کے زیرِ نگیں ہوگئی اور دوسری طرف وہ روحانی اعتبار سے اعلیٰ ترین شخصیت کے مالک بن گئے۔ جب انھوں نے بات چیت کی تو پھول جھڑے۔ جب انھوں نے انسان سے اپنے معاملات کئے تو حسنِ اخلاق و ایمان کی خوشبو نے مشامِ جاں کو معطر کر دیا۔ اور ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ ہزاروں صدیاں گزرنے کے باوجود یہ خیالات و عقائد اب بھی زمان و مکان کے ہر ریلے اور طوفان باد و باران کا مقابلہ اسی مردانگی اور ثابت قدمی سے کر رہے ہیں۔ ابتدا سے لے کر اب تک اسلام پر طرح طرح کی آفتیں آئیں، نئے نئے فتنے پیدا ہوئے لیکن ہر آفت اور ہر فتنے کو مغلوب کر کے اسلام کی سچی قوتیں ہمیشہ کی طرح فتحیاب ہوئیں۔ اس کامیابی و کامرانی کا سہرا ان لوگوں کے سر رہا جنھوں نے عرفانِ ذات کے ذریعہ دین اور دنیا دونوں کو پہچانا اور جنھیں ہم آج عرفِ عام میں صوفیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، عرفانِ ذات کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر مذہب نے نہ صرف اس پر زور دیا ہے بلکہ اسے اپنے مذہب کے بنیادی عناصر میں جگہ دی ہے۔ عرفانِ ذات کا مسئلہ اگر ایک طرف عام اخلاقی مسائل سے جا ملتا ہے اور انسان کے جملہ مادی و روحانی مسائل کا احاطہ کرتا ہے تو دوسری طرف انسان، کائنات اور خدا کے رشتوں کا ہر دم نیا جائزہ لینے کے لئے آمادہ نظر آتا ہے، عرفانِ ذات کے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیں خود تصوف کے اندر نت نئے رنگ

اور گوناگوں جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں۔ عرفانِ ذات ہی کے ذریعہ زندگی کی وحشیانہ اور اعلیٰ اقدار میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو سارے تصوف کی روح اسی میں مضمر ہے، مذہب یا تصوف کی کوئی سی کتاب پڑھ جائیے آپ کو "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (خود شناسی خدا شناسی ہے) جس نے خود کو جتنا جانا اتنا ہی اپنے کو جانا یا وفی انفسکم افلا تبصرون جیسے حوالے نظر آئیں گے۔

یہ ہمارا ایمان ہے اور اس بات سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ آدم کی پیدائش سے قبل سب کچھ موجود تھا، انسان کبیر تھا، عالم تھے، ملائک تھے مگر ان میں روح نہ تھی۔ یہ عالم بغیر آدم کے وجود کے ایک آئینہ بے جلا تھا، اسی لئے خدا نے انسان کو شانِ الوہیت کا مظہرِ تام بنا کر بھیجا اور اس کی فطرت میں ایسے عناصر شامل کر دئے کہ خود انسان کے لئے عالم بن جانا ممکن ہو گیا۔ اس طرح انسان کے اندر خدا کی دی ہوئی ایسی قوت موجود ہے کہ وہ عرفانِ ذات یا معرفتِ نفس کے ذریعہ ملکوت، جبروت ولاہوت کے تعینات کو دیکھ سکتا ہے اور یہاں تک کہ ہاہوت جو ماورائے تعین ہے کا بھی جزو بن سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کہ جب ہم نے حق کو دیکھا تو خود کو دیکھا اور جب اس نے اپنے آپ کو دیکھا تو ہم کو دیکھا۔ یہ بات مبہم رہ جائے گی اگر میں دیکھنے کے لفظ کی ذرا سی تشریح نہ کر دوں۔ دیکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جیسا ہم اپنے آپ کو اور اپنے ظاہر کو آئینہ میں دیکھ لیں بلکہ دیکھنے کا سارا زور معرفتِ نفس اور عرفانِ ذات پر ہے، جس نے خود کو جتنا جانا اتنا ہی اپنے رب کو جانا، کا مطلب بھی یہی ہے۔

عرفانِ ذات کے مسئلے کو سامنے رکھ کر جب میں تصوف پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے تصوف کے اندر نئی نئی گہرائیاں، فکر و خیال کی نئی وسعتیں نظر آتی ہیں اور مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تصوف کے اندر وہ ساری قوتیں موجود ہیں جو بیسویں صدی کے انسان کے ذہنی بحران، اکیلے پن اور روحانی دیوالیہ پن کو دور کر سکتی ہیں۔ اور عصرِ حاضر کا

گرتا ہوا انسان جو خلاؤں میں پرواز کرنے کی تیاریاں کررہا ہے، اس ارض خاکی پر صبر و آشتی کے ساتھ پھر سے قدم جما سکتا ہے۔ لیکن یہ کام صرف ان لوگوں کے ذریعہ انجام پاسکتا ہے جن کے پاس علم بھی ہو اور عمل بھی۔ علم و عمل ہی کے ذریعہ تصوف نے ماضی میں عوامی تحریک کی شکل اختیار کی تھی اور آج بھی ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ یہ ایک نئی تحریک کی شکل اختیار کرسکتا ہے جس کے ذریعہ عصر حاضر کے انسان کے دل و دماغ کے خلاؤں کو پُر کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ شرافت، امن، انسانیت اور سالمیت کا درس دیا جاسکتا ہے اور جس کے ذریعہ روزمرہ کی زندگی میں خوش خلقی و نیکی کا چلن سکھایا جاسکتا ہے۔ تصوف کے ذریعہ رنگ و نسل کے بت کو پاش پاش کرکے آج کے مہذب انسان کو مساوات کے نئے معنی سکھائے جاسکتے ہیں اور ان کی مادی و روحانی زندگی میں ایک عظیم توازن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ تصوف کی تاریخ شاہد ہے کہ صوفیہ کا عوام سے گہرا تعلق رہا ہے۔ اُنھوں نے ہر دور میں ان کے رجحانات، ان کے داخلی و خارجی مسائل، اندازِ فکر اور رویوں کو اچھی طرح سمجھ کر روحانیت ہی کی سطح پر ان کا حل بھی پیش کیا ہے، یہی وجہ تھی کہ ہر دور میں سچے صوفیہ ایک طاقتور شخصیت بن کر حکمرانِ وقت سے زیادہ اثر و نفوذ کے حامل رہے ہیں۔ سلطان وقت ہارون الرشید اپنے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ رَقّہ میں مقیم تھا کہ مشہور امام حدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک کی آمد ہوئی، شہر کی ساری آبادی ان کے استقبال کے لئے نکل پڑی خلیفہ تنہا رہ گیا، ہارون کی ایک کنیز بالاخانہ سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ہارون نے پوچھا کیا ماجرا ہے، کنیز نے کہا کہ خراسان کے عالم عبد اللہ بن مبارک آئے ہیں اور پھر ہارون سے کہا کہ یہ ہے بادشاہی نہ کہ ہارون کی بادشاہی کہ بغیر پولیس اور اہل کاروں کے لوگ جمع ہی نہیں ہوتے۔

(دعوت و عزیمت حصہ اوّل ص۵۷)

لیکن یہ سب کچھ اس وقت تک باقی رہا جب تک صوفیہ خلوصِ نیت اور علم و عمل

کے ساتھ اپنے مشرب پر قائم رہے، نہ حکومت ان کو کسی قیمت پر خرید سکتی تھی اور نہ دنیا کی کوئی ترغیب ان کو اپنے کام سے ہٹا سکتی تھی، مادیت کے پُرتلاطم سمندر میں وہ انسانی جزیرے تھے جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے اور جب شاہی مراعات کے خنک سایہ میں وقت کاٹنا ان کا مطمح نظر ہو گیا اور اس نے ایک پیشہ کی شکل اختیار کر لی جس کا مقصد حصول زر و جاہ رہ گیا اور صوفیہ حکامِ وقت کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچنے لگے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے مکتوبات میں انہی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"ہیہات ہیہات امروز از بدر رفتہ ماست کہ جہاں از پیر و مریدی پُر شد و ہیچ خبر از مسلمانی نیست۔"

(آنہا کہ) علم را دسیلت دنیا کردہ اند و تصانیف و قصائد بر اہل دنیا می پردازند و از ایشان طلب دنیا و طمع دنیا می دارند ایں طائفہ نزدِ اہل حق دشمن حق تعالےٰ اند۔"

جن حالات کی طرف حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اشارہ کیا تھا، انہی حالات سے آج ہمارا معاشرہ بھی دوچار ہے۔ ہم آج ہر محلّے، ہر علاقے اور ہر مقام پر ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ڈھیلے ڈھالے کرتے پہنے، لمبی لمبی بارعب ریش دراز رکھے اور ریشمی چادروں کو شانوں پر ڈالے، چند مریدوں کے ساتھ نظر آتے ہیں مذہب و تصوف اُن کے لئے مال تجارت ہے اور اُن کے کردار و گفتار میں زمین و آسمان کا بُعد ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں خود نہیں کرتے اور جو کچھ کرتے ہیں اُسے نہیں کہتے اسی لئے آج ہم دیکھتے ہیں کہ تصوف کے ذریعہ وہ کام بند ہو گیا ہے جو ان عظیم صوفیائے کرام نے انجام دیا تھا جن کی بدولت آج بھی ہم اپنے ضمیر کی آواز سن سکتے ہیں

آج تصوف یا تو دنیا کمانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ یا وہ کرامات کا کھیل ہے جن کا مظاہرہ کر کے صوفیہ حضرات مالدار طبقہ پر اپنا اثر قایم کرتے ہیں، ہم آئے دن صوفیوں کی کرامات کا ذکر سنتے رہتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ان ساری کرامات میں زور صرف اس بات پر ہوتا ہے کہ فلاں شخص کا الجھا ہوا کام ظالم حاکم نے خود ہی اپنے ہاتھ سے ہنسی خوشی کر دیا قتل کے الزام میں خدا کا شکر ہے کہ پیر صاحب کی دعا سے میرا لڑکا بری ہو گیا۔ پیر صاحب کی دعا سے میری بانجھ بیوی کے ہاں ایک چاند سا بیٹا پیدا ہو گیا۔ جن پیر صاحب کی اس قسم کی جتنی کرامات زبان زدِ خاص وعام ہوں گی وہ اسی اعتبار سے نہ صرف عظمت کے حامل ہوں گے بلکہ دولت وثروت میں بھی خدا کا فضل ان پر ہوگا، بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا مجھ جیسے گنہگار، حقیر فقیر پُر تقصیر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس سلسلہ میں لب کشائی کروں، جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صوفیہ کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ آنحضرت کی اس حدیث کو کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں مشعلِ راہ بنا کر اپنا مشن پورا کرتے۔ عبادت پر بھی اسی لئے زور دیا گیا تھا کہ اس سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ دل میں عجز وانکسار پیدا ہوتا ہے اور عجز وانکسار کے ذریعہ احترام آدمیت پیدا ہوتا ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ خلیق احمد نظامی نے سیر الاولیاء سے حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے:۔

"بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا۔ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف رہنا یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گزاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے

لیکن مردانِ خدا کا کام کچھ اور ہی ہے"

امام غزالی نے اسی خیال کے دوسرے پہلو کو یوں پیش کیا ہے :-

اللہ کے نزدیک نہ سونے چاندی کی قدر ہے اور نہ اُن اینٹوں کی قدر جو تم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں، بلکہ ان کے نزدیک سب سے محبوب چیزیں "نیک بخت دل" ہیں۔ ان سے اللہ تعالےٰ زمین کو آباد کرتا ہے اور جب وہ نیک بخت نہیں رہتے تو انہی کی شامت سے زمین کو ویران کر دیتا ہے"

(جلد سوم ص ۲۸۸ احیاء العلوم)

"کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا اور مظلوم کی فریاد کو پہنچنا اور ضرر کو ٹالنا اور کمزور کی مدد کرنا فرض حج کے بعد سو حجوں سے افضل ہے"

(ص ۲۸۹ جلد سوم)

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی تصوف کے اسی ایک اور مماثل پہلو کو یوں بیان کرتے ہیں کہ :-

"ہر کہ غربا و فقراء را دوست دارد، دلہائے ایشاں را دریابد خدا و ندرا دریابد"

(مکاتیب قدسی ص ۳۵)

اتنے بہت سارے حوالے پیش کرنے سے میرا مطلب صرف یہ تھا کہ میں یہ بات واضح کروں کہ تصوف کا زور ہمیشہ ان مسائل پر رہا ہے جن کے ذریعہ انسان اور انسانیت روحانی سطح پر ترقی کر سکیں۔ تصوف مادی ترقی کے راستے میں روڑے نہیں اٹکاتا۔ بلکہ اس میں روحانیت کا خمیر اٹھا کر انسان کی نیت ارادہ اور اخلاق میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ انسان کا رویہ اور اندازِ

نظر ہی بدل جاتا ہے۔

ممکن ہے ان سطور کو پڑھ کر آپ سوچنے لگے ہوں کہ میں تبلیغ پر اُتر آیا ہوں۔ ویسے میری دعا بھی یہی ہے کہ خدا مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے لیکن یہاں میں تصوف کے مختلف پہلو دکھا کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت خاص طور پر ہمارے معاشرے کو اور بالعموم افریقہ و ایشیاء کو تصوف کی ضرورت ہے۔ ایسا تصوف جو انسان میں زندہ رہنے کا نیا عزم اور نیا حوصلہ پیدا کرے اور جس کے ذریعہ آج کے انسان کے ذہنی بحران اور روحانی انتشار کو دور کیا جا سکے۔ اور یہ کام صرف اجتہاد کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم یافتہ طبقہ شریعت و طریقت کے فلسفہ اور لائحہ عمل کو لے کر ہمارے نظامِ اخلاق کو از سرِ نو مرتب کر سکے تو اسلام اسی قوت کے ذریعہ اس دورِ ابتلاء کو دورِ مسرت میں بدل سکتا ہے اور اسی لئے آج ہمیں ایک امام ابو حنیفہ، ایک غزالی اور ایک شیخ عبد القدوس کی ضرورت ہے کہ جو دین کے اس بے روح ڈھانچے میں جو صرف رسم و رواج اور معمولات میں مقید ہو کر رہ گیا ہے، زندگی کا نیا صور پھونک سکے۔

"کسی سماج کو مستقل طور پر ایسے قانون سے باندھ دینا جو بہر حال انسانی اجتہاد کی پیداوار ہو ٹھیک نہیں ہے۔ انسانی سماج کے بدلتے ہوئے رجحانات اور تقاضے نئے اجتہاد کی طلب کرتے ہیں۔"

(مشائخ چشت ص۸۸)

یہی وجہ ہے کہ جب تک اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا اسلام ترقی کرتا اور پھیلتا رہا، نئے نئے مفکرین ذہن انسانی کو متاثر کرتے رہے اور اس جذبۂ اجتہاد کے بند ہوتے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ صدیوں سے ہمارے ہاں مفکرین کی پیدائش کا سلسلہ بند ہے اور فکر کی روایت کا تسلسل پارہ پارہ ہو چکا ہے

صوفیہ ایک طرف اہلِ علم ہوتے تھے تو دوسری طرف اہلِ دل بھی۔ ان کا عمل فکر کے ساتھ چلتا تھا، ان میں مکمل اتباعِ سُنت و شریعت کے باوجود رسم پرستی نہ تھی۔ بابا فرید گنج شکر فرمایا کرتے تھے جاہل پیسر شیطان ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت و سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا اب تک کوئی اہم صوفی ایسا نہیں گزرا جو علم کی دولت سے بے بہرہ ہو، صوفیا کا ذہن فکر کے نئے نئے راستے تلاش کرتا تھا اور حالاتِ زمانہ اور روحِ عصر کے مکمل ادراک کے بعد وہ اپنے فکر کے ذریعہ شریعت کو آگے بڑھاتا اور پھیلاتا تھا، اس کے خیالات ہی دراصل مسائلِ حاضرہ کا حل ہوتے تھے جن سے نئے نئے راستے نکلتے تھے۔ آج اسلام کا یہ عظیم ادارہ زوال پذیر ہو گیا ہے اور اسی لئے اسلام بھی چاروں طرف ایک بار پھر خطروں سے گھرا ہوا ہے۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان عظیم بزرگانِ دین و انسانیت کے حالات زندگی کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے ان کو از سرِ نو مرتب کیا جائے اور خاص طور پر یہ دیکھیں کہ انھوں نے اجتہادِ فکر و نظر میں کہاں تک کامیابی حاصل کی، اپنے زمانے کے مسائل اور مختلف فتنوں کا حل شریعت و طریقت کی رو سے کس طرح کیا۔ انسانیت کی بکھری ہوئی کاکلوں کو کس طرح سنوارا اور دین و دنیا، مادیت و روحانیت میں کس طرح توازن پیدا کیا، ایسے میں اہلِ علم اور تذکرہ نویسوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر تذکرہ نویسی بھی مروجہ تصوف کی طرح رسمی سی بات بن کر رہ جائے تو اس سے کیا حاصل اور اگر اس کے ذریعہ علم و عمل اور فکر و نظر کی نئی راہیں کھلتی دکھائی دیں تو ایسے تذکروں کے مطالعہ سے وہ کام انجام پا سکے گا جو بڑے

بڑے مبلغ دین انجام نہ دے سکے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ برسوں کی محنت مطالعہ اور کاوش کے بعد یہ تذکرہ تحریر کیا ہے۔ حضرت شیخ کی ایسی مبسوط اور جامع سوانح حیات اب تک جبکہ ان کی وفات کو سوا چار سو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں، نہ لکھی گئی تھی جس میں اُن کے حالاتِ زندگی، سیرت خیالات، افکار و فلسفہ اور تعلیمات پر اس طور پر اور اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہو۔

فاضل مصنف نے حضرت شیخ کے ہر ہر پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ فٹ نوٹس نے اس کتاب کی اہمیت وافادیت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور یہ ایک مستند تصنیف بن گئی ہے جس میں ایک طرف علم الرجال ساتھ ساتھ چلتا ہے تو دوسری طرف تاریخ و واقعات کے کثیر حوالے ملتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ کتاب سلسلہ چشتیہ صابریہ کی ایک مستند تاریخی دستاویز بن گئی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (متوفی ۹۴۵ھ؍۱۵۳۷ء) وحدت الوجود کے پرستار تھے۔ وحدت الوجود اسلامی تصوف کا وہ فلسفہ ہے جس نے شیخ اکبر ابن العربی (۱۱۶۵ء - ۱۲۴۰ء) کے ہاں جامع شکل و صورت اختیار کر کے ابتک متعدد اعلیٰ دماغوں کو متاثر کیا ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ سب خدا ہے۔" اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے "دھاگے میں جو گرہیں لگائی جاتی ہیں، ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے ممتاز نظر آتا ہے، لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا کوئی زائد چیز نہیں ہے۔"

(فصوص الحکم ابن العربی)

ہمہ اوست کہہ کر کائنات کو خدا اور خدا کو کائنات سے وابستہ کر دیا

جاتا ہے۔خدا ایک عظیم، دائمی، ابدی، اور لامحدود حقیقت ہے۔اس کائنات کی ہر محدود اور عارضی شے اسی ابدی اور لامحدود شے کا ایک حصہ ہے۔ نہ خدا کائنات سے الگ ہے اور نہ کائنات خدا سے۔اس تصور کی جھلک ہمیں ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں نظر آتی ہے۔ہندو مذہب کے برہمنیت فرقہ میں برہمہ کو اعلیٰ ترین وحدت سمجھا جاتا ہے۔رواقی فلسفیوں نے خدا اور دنیا کو ایک دوسرے کا حصہ کہہ کر اور اُسے ایک دوسرے سے مماثل سمجھ کر اسی خیال کے ایک اور پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔نوافلاطونی فلسفیوں کے خیالات میں بھی ہمیں اسی تصور کے اثرات نظر آتے ہیں۔اسی تصور کو عیسائی فلسفی اسپینوزا نے مکمل شکل میں پیش کیا، اس کی رو سے خدا لامحدود ہے، ایک ایسا جوہر ہے جس میں کائنات کی ہر شے شامل ہے۔خدا کائنات کی پیدائش کا پہلا سبب ہے، جس میں لاتعداد اسماء وصفات موجود ہیں۔

عیسائی فلسفیوں نے اس خیال کو بہت بعد میں پیش کیا اور عین ممکن ہے کہ اسپین کے اثرات کے بعد یہ خیال بھی نشاۃ الثانیہ کے ساتھ مغربی یورپ چلا آیا ہو، لیکن نہ تو میرا یہ موضوع ہے اور نہ اس وقت اس بات پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مجھے تو مختصراً یہ کہنا ہے کہ وحدت الوجود کے پرستار اس کائنات کی ہر شے کو اللہ کے ارادے کا مظہر جانتے ہیں۔

"محال ہے کہ صفات بغیر ذات کے قائم رہیں۔پس پہلے ذات کا مرتبہ ہے پھر صفات کا۔صفات میں پہلے حیات ہے پھر علم، پھر ارادہ پھر قدرت و کلام۔اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام چیزیں ارادۂ الٰہی سے ہیں۔خواہ طاعت ہو

خواہ عصیان، خواہ فائدہ ہو خواہ نقصان۔ بندہ ہو یا آزاد، حیات ہو یا ممات، بر ہو یا بحر۔ جفت ہو یا طاق، جوہر ہو یا عرض، صحت ہو یا مرض، روح ہو یا جسد، روشنی ہو یا تاریکی، زمین ہو یا آسمان۔ یہ نسبتیں جو متضاد بھی ہیں، مختلف بھی، مماثل بھی۔ سب تحت ارادۂ حق جل وعلیٰ ہیں۔ یہ تحت ارادۂ الٰہی کیوں کر نہ ہوگی۔ بغیر اللہ کے ارادے کے کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ سب کچھ اس کی مشیت و حکمت و ارادت سے ہیں۔ خدائے تعالےٰ کا ارادہ ازلی ہے۔ عالم بالذات معدوم ہے۔ غیر موجود فی الخارج ہے۔ وہ خود فرماتا ہے کہ۔ " وما تشاؤن إلّا ان یشاء اللہ " (فصوص الحکم ابن العربیؒ)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے اشعار، مکتوبات اور مختلف تصانیف میں ان خیالات کو نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کے سلسلے میں یہاں صرف ایک اور عرض کرتا چلوں کہ نظریہ وحدت الوجود میں اعتقاد کا اثر عملی زندگی پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنے والا بلند نظر۔ اس کی ہمدردیاں وسیع اور اس کے مقاصد اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ رواداری اس کا مزاج بن جاتی ہے۔ اور وہ ہر نظریہ، ہر خیال اور ہر تصوّر کو ہمدردانہ طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ اس لئے کہ اس نظر میں حقیقت تو ایک ہی ہے۔ یہ نظریہ بالخصوص ایسے ممالک کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی موجود ہوں۔ اس نظریہ کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت بہت سلیقہ اور صحیح طور پر ہو سکتی ہے۔

۷۵ پیر الٰہی بخش کالونی ۲
کراچی ۵

جمیل جالبی
۸ اپریل ۱۹۶۱ء

مقدمہ

اعجاز الحق قدوسی

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ان جلیل القدر اکابر اور نامور صوفیہ میں ہیں کہ جن کا اسمِ گرامی سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی تاریخ کا ایک جلی عنوان ہے، اُنھوں نے اس سلسلے کے فروغ و ترقی میں جو جد و جہد کی اور اس سلسلے کو جس طرح حیات نو بخشی، اس کو داستان تو اس کتاب کے آئندہ اوراق میں آئے گی، لیکن اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے کے مجدد تھے، خود اُنھوں نے اپنے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ :-

"من ایں سلسلہ را رنگے دیگر بخشیدم"

اُن کی خانقاہ تقریباً چہتر[۷۶] سال تک رشد و ہدایت کا وہ گہوارہ رہی کہ جس سے ہزاروں انسان سلوک و معرفت کی تربیت حاصل کر کے نکلے، اور اُنھوں نے ہند و پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل کر عالمِ انسانیت کو سربلند کیا، وہ اپنی تبلیغی جد و جہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے اور بگڑے ہوئے انسانوں کو صلاح و تقویٰ سے آراستہ کر کے معرفتِ الٰہی اور محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نئی لگن اُن میں پیدا کی۔

حضرت شیخ کی پُرعظمت زندگی کا تقاضا تھا کہ آپ کا ایک مفصّل

اور جامع تذکرہ لکھا جائے اور اس فرض کے تقاضے مجھ پر اس لئے بھی شدید تھے کہ بحیثیت خاندان قدوسیہ کے ایک فرد ہونے کے میں ایک طویل عرصے سے اپنے خاندان کی اس کمی کو محسوس کرتا تھا کہ باوجود اس کے کہ ہر دور میں اس خانوادے میں بڑے بڑے صاحبِ علم وفضل اور اہلِ کمال گذرے ہیں، لیکن سوائے حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ رُکن الدین کے کہ جنھوں نے آپ کی زندگی ہی میں ایک مختصر سوانحِ حیات ترتیب دی تھی، پھر اس ۴۳۷ سال کے طویل عرصے میں کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ حالانکہ ان میں کوئی بزرگ بھی اس موضوع پر قلم اُٹھاتا تو وہ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر طریقے پر اس فرض کو انجام دے سکتا تھا۔

لیکن میری راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ شیخ کی سوانحِ حیات کے لئے جن کتابوں اور مآخذ کی ضرورت تھی، وہ میرے پاس نہ تھے، اس لئے جب بھی اس تذکرے کا خیال آتا، میں خاموش بیٹھ جاتا مگر سنہ ۱۹۵۸ء میں تذکرہ صوفیائے سندھ کی تالیف کے وقت ذہنی طور پر اس تذکرے کی تالیف کا تقاضا اس شدت سے بڑھا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ تذکرۂ صوفیائے سندھ کے بعد میں اس فرض کی تکمیل کروں گا۔ خواہ اس راہ میں مجھے کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، چنانچہ تذکرۂ صوفیائے سندھ کے ختم کرنے کے بعد سنہ ۱۹۵۹ء کے اوائل میں خدا کا نام لے کر میں نے اس مہتم بالشان کام کو شروع کیا اور تقریباً دو سال کی لگاتار شب و روز کی محنت کے بعد یہ تذکرہ پایۂ تکمیل کو پہنچا، اس محنت شاقہ سے متعلق جو اس راہ میں مجھے برداشت کرنی پڑی، صرف اس قدر

عرض کر دینا کافی ہے ؎

سامنے جھلسی ہوئی راتوں کا ایک انبار ہے
کس قدر جاگا ہوں میں دانشوری کے واسطے

بہرحال اب یہ تذکرہ قارئین کے سامنے ہے، اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس کی تکمیل کی سعادت بخشی۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ماخذ کی کمیابی، حالات کی نامساعدت اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے مجھ سے اس کتاب کا صحیح حق ادا نہ ہو سکا، لیکن ان حالات میں جو کچھ مجھ سے ممکن تھا میں نے اس میں کوتاہی نہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی تاریخ بھی پیش کر دی جائے، چنانچہ یہ تذکرہ جہاں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات زندگی اور ان کی علمی وعملی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا آئینہ دار ہے۔ وہیں سلسلہ چشتیہ صابریہ کی ایک اجمالی تاریخ بھی ہے، جو اس سلسلے کے نامور شیوخ کے حالات زندگی اُن کی اصلاحی اور تبلیغی جدوجہد اور ہندو پاکستان میں ابتدا سے اس سلسلے کے فروغ و ترقی کی پوری داستان کو بیسویں صدی کے نصف تک سامنے لاتا ہے، افادیت اور استناد کے لحاظ سے ماخذ کے حوالے ہر جگہ حواشی میں دیدیئے گئے ہیں اور ضروری فٹ نوٹس کا اضافہ کتاب کے مناسب اور ضروری مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے اُن احباء و اعزہ کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ جنھوں نے اس تذکرے کی تالیف میں نہایت خلوص سے میری مدد فرمائی ہیں اس سلسلے میں محترمہ ڈاکٹر اینی میری شمیل پروفیسر

بون یونی ورسٹی (مغربی جرمنی) کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے میری گزارش پر اس کتاب پر ایک عالمانہ تعارف لکھا، جس کا ترجمہ تعارف کے عنوان سے ابتدا میں اور اصل متن انگریزی میں کتاب کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

میں اپنے مخلص اور نوجوان دوست، پاکستان کے مشہور ادیب اور نامور انشاء پرداز جمیل جالبی کا بھی بے حد متشکر و ممنون ہوں کہ انھوں نے تذکرۂ صوفیائے سندھ کی طرح اس کتاب پر بھی ایک جامع اور بسیط مقدمہ لکھ کر مجھے اپنا رہینِ منت بنا لیا۔

میں اپنے عزیز ترین دوست حضرت حفیظ ہوشیار پوری، ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل ریڈیو پاکستان کراچی کا بھی خصوصیت سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے ضخیم مسودے کو بالاستیعاب پڑھ کر مجھے نہایت گراں مایہ اور قیمتی مشورے دئیے اور ان کے زرّیں مشوروں نے اس کتاب کے معنوی حسن میں اضافہ کر دیا۔

میں اپنے محترم دوست مولانا عبدالرشید محمود گنگوہیؒ کا بھی بصمیمِ قلب شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نہ صرف اس مواد کے روانہ کرنے کی زحمت فرمائی جو مجھے مطلوب تھا، بلکہ اس سلسلے میں ان کا ایک اہم مکتوب اِس کتاب میں شطحیات کے ضمن میں شریک ہے، جو ان کے خلوص و محبت کا آئینہ دار ہے۔

میں صوفی شاہ بشیر احمد قدوسی، سجادہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (کراچی) کے لطف و کرم کا بھی بے حد متشکر ہوں کہ انھوں نے وہ تمام قلمی مواد اور مخطوطے جو حضرت شیخؒ کے متعلق اُن کے پاس تھے اور جنھیں سالہا سال سے وہ حرزِ جاں بنائے ہوئے تھے، یہ کہہ کر میرے حوالے کر دئیے کہ اِن مخطوطوں کا مصرف

اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا کہ جن کے لئے آپ یہ مواد مجھ سے طلب فرما رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر صوفی بشیر احمد صاحب قدوسی کے عطا کردہ مسودے میرے پاس نہ ہوتے تو اس کتاب میں بڑی کمی رہتی۔

میں شاہ منظور احمد صاحب قدوسی کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انھوں نے گنگوہ سے باوجود اپنی علالت و بیماری کے شیخ کا وہ خاندانی شجرہ جسے وہ از سر نو ترتیب دے رہے ہیں، اس کا وہ حصہ روانہ فرمایا جو مجھے مطلوب تھا۔

میں جناب محترم پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی حیدر آباد دکن کا بھی رہین منت ہوں کہ موصوف نے کتب خانہ آصفیہ اور سالار جنگ میوزیم سے اس کتاب کے سلسلے میں بعض معلومات میرے لئے فراہم فرمائیں۔

میں الحاج جناب مقتدیٰ خاں شروانی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے یہ سُن کر کہ میں شیخ پر کتاب لکھ رہا ہوں تو ایک کتاب "شروانی نامہ" روانہ فرمائی، جس سے مجھے لودھی عہد کے بعض اشخاص و رجال کے حالات میں بڑی مدد ملی۔

میں اپنے مخلص ترین دوست سید حسام الدین راشدی کا بھی رہین کرم ہوں کہ اگرچہ جس وقت میں یہ کتاب لکھ رہا تھا وہ اپنی بیماری کی وجہ سے منیلا میں تھے، لیکن وہ اس سلسلے میں اپنے خطوط کے ذریعہ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔

میں اپنے عزیز اور مخلص ترین دوست مبین الحق صدیقی کو بھی

فراموش نہیں کرسکتا کہ اُنھوں نے ہمیشہ میری ذہنی پریشانیوں کو دور کرکے مجھے اس کتاب کے مکمل کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ کبھی کبھی سکوت ہی اعتراف کا سب سے بہترین ذریعہ ہوتا ہے، ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعۂ اظہارِ تشکر میرے پاس نہیں۔

میں اپنے عزیز دوست **ضمیر حسن صاحب انصاری سول ایجنٹ شیفر زپین** کراچی (پاکستان) کا بھی ممنون ہوں کہ اُنھوں نے اس کتاب کے لیے شیفر کا ایک خوبصورت اور بیش قیمت قلم روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت شیخ کی وہ محفل جو آپ اپنے قلم سے آراستہ کر رہے ہیں۔ میری انتہائی خوش بختی ہوگی اگر یہ تذکرہ آپ اس قلم سے لکھیں۔

میں پاکستان کے دانشور اور اپنے عزیز دوست **محمد ایوب قادری** کی قدر افزائیوں کا بھی ممنون ہوں کہ وہ اس کتاب کے مسودے کو پڑھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھوں نے اپنی کتاب "البدایونی" (سوانح عمری ملا عبدالقادر بدایونی) کو اس کتاب کی اشاعت کے بعد پر مؤخر رکھا، درآنحالیکہ میری رائے میں وہ خود اتنے اچھے اسکالر اور محقق ہیں اور اپنی تصنیف و تالیف میں اس قدر محنت و کاوش کرتے ہیں کہ تلاش و تحقیق کا مشکل ہی سے کوئی پہلو چھوٹنے پاتا ہے، میں اُن کے اس خیال کو اُن کے خلوص و محبت پر محمول کرتا ہوں اور اُن کی اس عنایت کے لئے سراپا شکر و سپاس ہوں۔

میں آخر میں جناب محترم **سید الطاف علی صاحب بریلوی سکریٹری** آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کا بھی بصمیم قلب شکر گزار ہوں کہ ان کی نگاہِ دور رس نے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کو محسوس کیا اور اُنھیں کی بدولت یہ تذکرہ پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

اعجاز الحق قدوسی
۲۵ ستمبر ۱۹۶۱ء

۵/۴۵۷ لیاقت آباد کراچی ۱۹
(پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلا باب

سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا تعلق چونکہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے ہے، اس لئے آپ کے حالات لکھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس باب میں سلسلۂ چشتیہ کی ابتداء، اُس کے نشوونما، اُس کی وجہ تسمیہ، اُس کی ہندوستان میں آمد، اُس کی تاریخ اُس کے نظامِ اصلاح وتربیت، اُس کے طریقِ تبلیغ و اشاعت، اور اُس کے بنیادی اُصول اور اُس کے فروع کو

شیخ کے کارناموں اور اُن کی تبلیغی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

وجہ تسمیہ افغانستان کے ضلع ہرات میں ایک قصبہ ہے، چشت، یہاں کچھ بزرگانِ دین نے مل کر تزکیۂ نفس اور تربیتِ باطن کا ایک مرکز قائم کیا تھا، جسے آئندہ چل کر بڑی شہرت ہوئی، اس مقام کی نسبت کی وجہ سے اس نظام کو بھی سلسلۂ چشتیہ کہنے لگے، شجرۃ الانوار میں تحریر ہے۔

"و آں دو مقام اند، یکے شہریست درمیان ولایت خراسان قریبِ ہرات، و چشت دویم دیہ ست در ولایتِ ہندوستان درمیان اُچھ و ملتان، و خواجگانِ چشت از چشتِ خُراسان بودہ اند"

چشت نام کے دو مقام ہیں، ایک شہر ہے خراسان میں ہرات کے قریب، دوسرا چشت ہندوستان میں اُچھ اور ملتان کے درمیان واقع ہے، خواجگانِ چشت خراسان کے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

خواجہ ابواسحاق شامی (المتوفی ۳۲۹ھ ۹۴۰ء) پہلے بزرگ ہیں [illegible]ن کے نام کے ساتھ تذکروں میں لفظ چشتی ملتا ہے خواجہ [illegible] اسحاق شام کے باشندے تھے، وہ اپنے وطن سے بغداد [illegible] علو دینوری کی خدمت میں حاضر

[illegible] ۱۳۱ [illegible] (پاکستان)

ہوئے، خواجہ ممشاد دینوری (متوفی ۲۹۸ھ / ۹۱۰ء) اپنے دور کے ممتاز بزرگوں میں تھے۔ خواجہ فریدالدینؒ[1] عطار نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عام طور پر بند رکھتے تھے۔ جب کوئی خانقاہ کے دروازے پر آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم، اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ، اگر مسافر ہو تو اِس میں تمہارے لیئے کوئی جگہ نہیں ہے، کیونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے تو مجھے تمھاری جدائی سے تکلیف ہوگی، اور اب مجھ میں فراق کی طاقت نہیں، جب خواجہ ابواسحاق اُن کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمھارا کیا نام ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا ابواسحاق شامی، فرمایا۔

ازامروز ترا ابواسحاق چشتی	آج سے لوگ تمھیں ابواسحاق
خوانند کہ خلائقِ چشت و دیار	چشتی کہہ کر پکاریں گے، اور
آن از تو ہدایت یابند وہرکہ	چشت اور اُس کے اطراف
ازسلسلۂ ارادت تو درآید	کے لوگ تم سے ہدایت پائیں گے

---

[1] شیخ فریدالدین محمد عطار کا اصل وطن قریہ کوکن ہے جو مضافاتِ نیشاپور میں واقع ہے۔ وہ ماہ شعبان ۵۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۵ سال تک نیشاپور میں رہے، ابتداءً شیخ رکن الدین آکاف کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سے مشائخ کبار کی صحبت میں رہے، بعض کہتے ہیں کہ ان کا سلسلہ اُویسی ہے، وہ صاحبِ وجد و سماع صوفیہ میں تھے، مولانا عبدالرحمان

آنہار اسیر تا قیام قیامت چشتی خوانند[1] — اور ہر وہ شخص جو تمہارے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگا اُس کو بھی قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔

اس کے بعد خواجہ دینوری نے اُن کو چشت روانہ کردیا۔ جہاں اُن کی کوششوں سے ایک عظیم الشان سلسلۂ چشتیہ کی داغ بیل پڑی اور اُن کی وجہ سے چشت ایک عظیم الشان روحانی مرکز بن گیا، خواجہ ابو اسحاق نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی اور اس پر نہ صرف شاکر رہے بلکہ فخر کرتے تھے، ایک دفعہ اُنھوں نے اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی سے فرمایا۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) جامی نے فرمایا کہ فریدالدین عطار کی مثنویات و غزلیات میں اسرار و توحید کے جو معارف و حقائق ملتے ہیں، اس گروہ کے کسی شخص کے کلام میں نہیں ملتے، شیخ فریدالدین عطار نے ۶۲۷ھ میں شہادت پائی اور نیشاپور میں شاد باغ میں مدفون ہوئے۔ اُن کی تصانیف میں مصیبت نامہ، الٰہی نامہ، خسرو نامہ، پند نامہ، اسرار نامہ، جواہر نامہ، شرح القلب مختار نامہ، دیوان، منطق الطیر اور تذکرۃ الاولیاء مشہور ہیں۔

(سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ فریدالدین عطار، و فٹ نوٹ، مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۶)

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۸ بحوالہ لطائف اشرفی و مراۃ الاسرار و شجرۃ الانوار۔

اے ابو احمد! درویشی بالاتر ست از بادشاہیِ عرب وعجم، واللہ اگر ابو اسحاق را ملکِ سلیمان دہند ہم قبول نکنند[1]	اے ابو احمد! درویشی عرب وعجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے، خدا کی قسم اگر ابو اسحاق کو ملکِ سلیمان بھی دیں تو وہ قبول نہ کرے گا۔

شجرۂ طریقت چشتیہ سلسلۂ چشتیہ بھی اور متعدد صوفیانہ خانوادوں کی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ سے شروع ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری تک کے شجرۂ طریقت کو جو صوفیائے چشتیہ کے نزدیک مسلّم ومقبول ہے، ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہٗ۔

(۲) حضرت خواجہ حسن بصری

(۳) حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن زید۔

(۴) حضرت خواجہ ابو الفیض فُضیل بن عیاض۔

(۵) حضرت خواجہ ابراہیم ادہم البلخی

(۶) خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی

(۷) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہُبیرۃ البصری

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۹ بحوالہ رسالہ احوال پیران چشت (قلمی)

(۸) حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری
(۹) حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی
(۱۰) حضرت خواجہ ابو احمد ابن فرسنافہ الچشتی
(۱۱) حضرت خواجہ ابو محمد ابن احمد چشتی
(۱۲) حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی
(۱۳) حضرت خواجہ مودود چشتی۔
(۱۴) حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی۔
(۱۵) حضرت خواجہ عثمان ہرونی۔
(۱۶) حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی[۱]

فتوح السلاطین میں یہ شجرہ منظوم پہلی مرتبہ اس طرح ملتا ہے۔

علی چوں ازیں کارواں رخت برد ۔۔۔ یکے خرقہ بر پیرِ بصری سپرد
حسن چوں سفر کرد ازیں کوچگاہ ۔۔۔ شرف یافت از و عبد واحد کلاہ
رسیدہ از و بر فضیل عیاض ۔۔۔ کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض
وزو خرقہ بر پور ادہم رسید ۔۔۔ ملک دار آں حلّہ در برکشید
از و یافت آں خواجۂ مرعشی ۔۔۔ حذیفہ بہ صد فرحت و دلخوشی
پس آنگہ بصدقِ ارادت ربود ۔۔۔ ہبیرہ کہ تعریفش از بصرہ بود
از آں پس بخواجہ علوش عرب ۔۔۔ بہ دینور نسبت کند در نسب
وزو خواجہ اسحٰق چشتی نژاد ۔۔۔ ببر در کشید آں لباسِ مُراد

---

[۱] بزم صوفیہ ص ۳۷

پس آں خرقہ بو احمد چشت یافت — کہ حورش برشت و ملائک ببافت
محمد کہ او نیز از چشت بود — زسودائے خوش کرد از آں مایہ سود
وزو یوسف آں پیر چشتی گرفت — چو روحش ہوائے بہشتی گرفت
وزو یافت آں قطبِ چشتی سرشت — کہ بودست مودود و مقبولِ چشت
وزو یافت آں اشرف الدین شریف — کہ شد زندنی نسبتِ آں حریف
وزو یافت ہارونی عثماں بہر — درآور داں خلعتِ خوش ببر

وزو در بر آں خرقہ عہد بعید
معین الدینِ آں پیر سجزی کشید[1]

سلسلۂ چشتیہ کی ہندوستان میں آمد

نفحات الانس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی سلطان محمود غزنوی[2] کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے[2]، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے پہلے اس سلسلے کے یہ بزرگ ہندوستان تشریف لا چکے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں

---

[1] تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۴۰ و ۱۴۱ بحوالۂ سوح السلاطین ص ۷ - ۸

[2] تاریخ مشائخ چشت بحوالۂ نفحات الانس ص ۲۰۷ [3] تیسری صدی ہجری کے اواخر میں خلافتِ عباسیہ کے سیاسی زوال کے بعد ترکستان میں سامانی خاندان کے ترک سلطنت قائم ہوئی۔ خراسان، کابل، غزنی وغیرہ اِس حکومت کے تحت تھے، اور بخارا سامانیوں کا دارالسلطنت تھا، ان ہی بادشاہوں کے ایک ترک

سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت اور اُس کا فروغ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی کی بدولت ہوا۔

سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی پندرہ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آپ کے والد نے ایک باغ اور ایک پن چکی ورثے میں چھوڑی جس کی آمدنی سے آپ گذر اوقات کرتے تھے۔

ایک روز آپ اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک قلندر ابراہیم قندوزی آپ کے باغ میں آئے، حضرت نے نہایت اچھی طرح اُن کا خیر مقدم کیا، ایک سایہ دار درخت کے نیچے انھیں بٹھایا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) غلام امیر الپتگین نے چوتھی صدی ہجری میں ایک نیم آزاد حکومت غزنی میں قائم کی، اس خاندان کا پانچواں بادشاہ محمود غزنوی تھا جو ۹ محرم ۳۶۱ھ کو پیدا ہوا اور ۳۸۷ھ / ۹۹۷ء میں اپنے باپ سبکتگین کی جگہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب عطا کیا۔ اس کا پہلا معرکہ راجہ جے پال سے پشاور کے قریب ۳۹۲ھ / ۱۰۰۱ء میں ہوا۔ اُس کے بعد اُس نے ہندوستان پر کئی حملے کئے، اور متھرا، قنوج اور سومنات سے بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس ہوا، محمود نے ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں وفات پائی، خیال ہے کہ انھیں حملوں کے دوران میں کسی وقت خواجہ ابو محمد بن ابی احمد سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے ہوں گے۔

اور انگوروں کا ایک خوشہ اُن کے سامنے رکھا، ابراہیم قندوزی نے کچھ انگور کھائے، اور آپ کی مہمان نوازی سے خوش ہو کر کھلی کا ایک ٹکڑا اپنی بغل میں سے نکالا اُسے چبا کر ایک ٹکڑا خواجہ صاحبؒ کے مُنھ میں دے دیا، آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اس کے کھاتے ہی دل زہد و اتقاء کی طرف مائل ہو گیا، اور تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ فروخت کر کے اُس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دی اور خود سمرقند کی راہ لی۔ ایک طویل عرصہ تک آپ سمرقند میں حفظ قرآن اور تحصیلِ علم کرتے رہے، اس کے بعد عراق روانہ ہوئے، راستہ میں قصبہ ہارون میں جو نیشاپور کے نواح میں ہے آپ خواجہ عثمان ہارونیؒ [1] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک اُن کی خدمت میں رہے، اور اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور مختلف مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حضرت شیخ عثمان ہارونی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، صاحبِ سیر العارفین کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب

---

[1] شیخ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندنی کے مرید ہیں، اپنے زمانے کے یکتا اور قطب تھے، وہ بہت سے اکابر مشائخ کی صحبت میں رہے، فرمایا کرتے تھے کہ جس میں سخاوت دریا کی مانند ہو، تواضع و انکسار زمین کی مانند ہو، سمجھ لو کہ خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ شیخ عثمان ہارونی نے ۶ رشوال ۶۱۷ھ کو وفات پائی آپ کا مزار مکۂ معظمہ میں واقع ہے، مفتی غلام سرور صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اِس

شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں زندگی بسر کی، سیر الاولیاء، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح اور سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے، اس عرصے میں دس سال اپنے پیر و مرشد کے ساتھ سیاحت میں بسر کیئے، سفر میں مرشد کی خدمت کا اس قدر اہتمام تھا کہ مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے تھے۔ اپنے مرشد کے ساتھ سیوستان (سندھ) بھی پہنچے۔ یہاں ایک خانقاہ میں آپ کی ملاقات شیخ صدر الدین محمد احمد سیوستانی سے ہوئی، پھر اپنے مرشد کے ساتھ ہی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی بھی زیارت کی، آپ کے پیر و مرشد نے آپ کے لئے اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں تو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ) قطعہ میں آپ کی تاریخِ وفات نکالی ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں
شیخ عثمان مقتدائے اولیا
سالِ وصلش "قطب وقت" آمد عیاں
۶۱۷ھ
جلوہ گر شد نیز "تاج الاولیا"
۶۱۷ھ

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ عثمان ہارونی کے چار خلفاء مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔
خواجہ معین الدین چشتی، شیخ سعدی لنگوی، خواجہ نجم الدین صغریٰ اور خواجہ محمد ترک۔
(سفینۃ الاولیا۔ تالیف دارا شکوہ قادری تذکرہ حضرت شیخ عثمانی ہارونی و خزینۃ الاصفیا جلد اوّل۔ تالیف مفتی غلام سرور ص ۲۵۵/۲۵۶)

غیب سے آواز آئی۔

"معین الدین دوست ماست، اورا قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت سے حضرت خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔

حضرت شیخ عثمان ہارونی کو اپنے مرید سے غیر معمولی محبّت اور شیفتگی تھی، فرمایا کرتے تھے۔

معین الدین محبوب الٰہی ست، مرا از مریدی	ہمارا معین الدین خدا کا محبوب ہے،
او واز مریدانش او فخرِ تمام ست[1]	اور مجھے اس کی مریدی پر فخر ہے

ہندوستان کے ارادے سے جب خواجہ معین الدین اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے، تو آپ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو یہ جدائی گوارا نہ ہوئی اس لئے وہ بغداد کے سفر میں خود بھی اپنے مرید کے ساتھ رہے۔

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰؒ[2] کی خدمت میں ڈھائی سال قیام فرمایا، وہاں سے

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۳

[2] شیخ نجم الدین کبریٰ کا نام احمد بن عمر الجنوتی، کنیت ابو الجناب، اور لقب نجم الدین کبریٰ ہے۔ کبریٰ آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ آپ زمانۂ طالب علمی جب کسی سے مناظرہ یا مباحثہ کرتے تو اس پر غالب آجاتے، اس لئے لوگ آپ کو طامۃ الکبریٰ کہنے لگے۔ پھر کثرتِ استعمال سے لفظ طامہ حذف ہو کر صرف کبریٰ باقی رہ گیا، آپ کو نسبتِ ارادت دو طرف سے حاصل ہے، ایک شیخ عمّار یاسر سے، یہ

"جیل" پہنچے اور حضرت شیخ محی الدین محمد عبدالقادر جیلانیؒ سے شرف نیاز

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) سلسلہ شیخ ابوالقاسم گرگانی پر منتہی ہوتا ہے، اور دوسرا سلسلہ شیخ اسماعیل حصری سے جو آخر میں کمیل بن زیاد سے کے توسط سے حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔

جب ہلاکو خوارزم پہنچا، اُس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی، شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے مرید شیخ سعد الدین حموی اور شیخ رضی الدین وغیرہ کو بلا کر فرمایا، صبح سویرے اُٹھ کر اپنے ملکوں کو چلے جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک آگ اُٹھے گی جو مغرب تک سب کو جلا دے گی، اور مجھ کو یہیں رہنا ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۰ر جمادی الاول ۶۱۸ھ کو کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی، آپ کے مریدین و خلفاء میں شیخ مجدالدین بغدادی، شیخ سعد الدین حموی، باباکمال خجندی، شیخ رضی الدین علی لالا شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین کیلی وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلہ، سلسلۂ کبرویہ کہلاتا ہے۔

(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء تصنیف دارا شکوہ قادری)

تذکرۂ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ

[1] آپ کا اسم گرامی عبدالقادر، لقب محی الدین، کنیت ابومحمد اور عرف غوث اعظم تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان کو ۴۷۱ھ میں قصبہ جیل میں ہوئی جس کو جیلان اور گیلان بھی کہتے ہیں، آپ کے والد کا اسم گرامی سیّد ابوصالح موسیٰ جنگی دوست اور والدہ کا نام اُمّ الخیر امۃ الجبار فاطمہ تھا، آپ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت امام حسنؓ سے اور والدہ کی طرف سے

حاصل کیا، اور اُن کے ساتھ بغداد آئے، بغداد میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مستفید ہوئے، اور یہیں خواجہ اوحدالدین کرمانی قدس سرہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ) حضرت امام حسینؓ سے جا ملتا ہے، اس طرح آپ نسباً حسنی و حسینی سید ہیں ۴۸۸ھ میں آپ بغداد پہنچے اور وہاں کے اکابر علماء و شیوخ سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی، اور علوم ظاہری میں بھی وہ شہرت و ناموری حاصل کی کہ علمائے زمانہ سے سبقت لے گئے، پھر آپ علمِ طریقت کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک طویل عرصے تک مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے، فرمایا کرتے تھے کہ میں پچیس سال تک عراق کے بیابانوں، ویرانوں میں پھرتا رہا نہ میں لوگوں کو جانتا تھا نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے، ایک دفعہ شیخ ابوالعباس بن یحییٰ بغدادی سے فرمایا کہ چالیس سال مجھ پر ایسے بھی گزرے ہیں کہ میں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتا تھا، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ نے حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخرمی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور شیخ ابوسعید نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا، پھر آپ بغداد میں درس و تدریس افتاء و وعظ میں مصروف ہوگئے، آپ کی تبلیغ سے پانچ ہزار سے زیادہ عیسائی اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زائد فساق و فجار، چور و رہزن اور بداعتقاد لوگوں نے آپ کے وعظ و نصائح سے متاثر ہوکر توبہ کی، ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو جب آپ کی عمر ۹۱ سال کی تھی آپ واصل الی اللہ ہوئے، بغداد میں حضرت غوث الاعظم کا روضۂ مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے، آپ کی تصانیف میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، فتح ربانی، قصیدۂ غوثیہ، مکتوبات اور آپ کا دیوان مشہور ہیں (اخبار الاخیار، قلائد الجواہر، بہجۃ الاسرار)

سے فیضیاب ہوکر، اُن سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

بغداد سے ہمدان تشریف لائے، یہاں خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز تشریف لائے، یہاں شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابوسعید تبریزی کی زیارت کی، اور اُن کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ وہاں سے اصفہان آئے، جہاں شیخ محمود اصفہانی سے کسبِ فیض کیا، اصفہان سے استرآباد تشریف لائے یہاں شیخ ناصرالدین استرآبادی کی صحبت سے مستفید ہوئے جو بایزید بسطامی کی اولاد میں سے تھے۔ اس وقت شیخ ناصرالدین کا سن ۱۲۷ سال کا تھا۔ استرآباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہنچے، وہاں سے حصار میں رونق افروز ہوئے، حصار سے بلخ تشریف لائے اور ایک عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے، بلخ سے آپ غزنی کی طرف روانہ ہوئے یہاں شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی کی زیارت کی، غزنی سے آپ نے ہندوستان کا قصد کیا، یہ تمام تفصیلات سیرالعارفین سیرالاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء وغیرہ سے لی گئی ہیں، لیکن خواجہ صاحب کے ملفوظات دلیل العارفین میں صرف اس قدر ہے کہ آپ مجلس یازدہم میں عارف کی صفات بیان فرمار ہے تھے کہ یکایک آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ میں اب اس مقام کو سفر کرتا ہوں جہاں میرا مدفن ہے یعنی اجمیر، پھر ہر شخص کو رخصت کیا، لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ چلنے کا

حکم دیا، پہلے آپ لاہور پہنچے، مشہور ہے کہ یہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخش[1] کے مزار پر چلّہ کشی کی، لاہور سے آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے طویل قیام کر کے ہندوستانی زبانوں میں مہارت تامہ حاصل کی، اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے

---

[1] حضرت داتا گنج بخش کا اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن ہے، ابتداء میں آپ کا قیام غزنین کے دو گاؤں، ہجویر اور جلاب میں رہا، اس لئے آپ ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آپ کی ولادت سنہ ۴۰۰ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں ابوالعباس بن محمد الاشقانی، ابوجعفر محمد صیدلانی، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اور شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی مشہور ہیں، باطنی اور روحانی تعلیم آپ نے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، روحانی کسب کمال کے لئے آپ نے اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، کرمان، خراسان، ماوراءالنہر اور ترکستان کا سفر کیا، اور وہاں کے صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفید ہوئے، منازل سلوک طے کرنے کے لئے، آپ نے جو ریاضتیں اور مجاہدے کیے، ان کا تفصیلی تذکرہ آپ کی تصنیف کشف المحجوب میں ملتا ہے۔

لاہور میں آپ کے تشریف لانے کا واقعہ فوائد الفواد میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی زبان سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:—

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر سے بیعت تھے، اور اُن کے پیر اپنے زمانے کے قطب تھے، حسین زنجانی

دہلی میں کچھ دن قیام کرکے آپ نے اجمیر کا رُخ کیا، اور ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو آپ اجمیر پہنچے جو اُس وقت دہلی اور اجمیر کے چوہان خاندان کے مشہور راجپوت راجہ پتھورا کی راجدھانی تھا، اور دہلی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا تھا، راجہ پتھورا نے آپ کے قیام میں بڑی بڑی زحمتیں پیدا کیں، اور جب وہ خود آپ کے مقابلے میں بے بس اور لاچار رہا تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے مغلوب کرنے کے لئے مقرر کیا، چنانچہ جیپال جوگی سے آپ کے سخت معرکے رہے، آخر آپ کی روحانی قوتوں سے متاثر ہوکر جیپال جوگی نے آپ کے دست حق پرست پر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

عرصے سے لہاور (لاہور) میں مقیم تھے، کچھ زمانے کے بعد شیخ علی ہجویری سے آپ کے پیر نے ارشاد فرمایا کہ لہاور (لاہور) میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں تو شیخ حسین زنجانی موجود ہیں، شیخ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ وہیں جاکر قیام کرو۔ جب شیخ علی ہجویری لاہور پہنچے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا (فوائد الفواد ص ۳۵)

آخر زندگی تک شیخ علی ہجویری لاہور ہی میں مقیم رہے، اور وہیں ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان کسی سن میں وفات پائی، آپ کی تصانیف میں کشف المحجوب، کتاب فنا و بقا، اسرار الخرق والمئونات، الرعایۃ لحقوق اللہ، نحو القلوب، منہاج الدین، ایمان در کتاب البیان لاہل العیان وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ (ماخوذ از بزم صوفیا، و کشف المحجوب)

اسلام قبول کیا، خواجہ صاحب نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

اس کے بعد خواجہ صاحب کے رُشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، آپ کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف باسلام ہونے لگے، راجہ نے یہ دیکھ کر کہ آپ کی کوششوں سے اسلام تیزی سے اس مملکت میں پھیلتا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، آپ نے اُس دھمکی پر ارشاد فرمایا:۔

پتھورا را زندہ بمسلمان دادیم ہم نے پتھورا کو زندہ مسلمانوں کے حوالے کیا۔

ان ہی دنوں سلطان شہاب الدین کا لشکر دوسری مرتبہ غزنی سے ہندوستان پہنچا رائے پتھورا نے اُس کا مقابلہ کیا اور زندہ گرفتار ہوا۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا اُس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ خدائے تعالےٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت فرمانے والا ہے تم اِس ملک کی طرف توجہ کرو، اِس خواب کے بعد اس نے ہندوستان پر فوج کشی کی۔

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے

نور سے منور ہوگیا، سیر الاولیاء میں ہے کہ

بوصولِ قدم مبارک آں آفتاب اہلِ یقیں کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت

مشہور ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستے میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے۔

ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بشرف اسلام و ارادت آں حضرت شدند، بحدیکہ چراغِ اسلام در ہند بطفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت۔

چھٹی صدی ہجری میں جب حضرت خواجہ اجمیر تشریف لائے اُس وقت ہندوستان کی حالت نہایت ابتر تھی، تمام ہندوستان میں بت پرستی کا زور تھا، اخلاقی قدریں بالکل گر چکی تھیں، انسانیت اُونچ و نیچ اور ذات پات میں بٹی ہوئی تھی۔ غریبوں کے لئے زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی تھی، ایسے تاریک زمانے میں آپ نے ہندوستان میں نظریۂ توحید پیش کیا، اور آپ نے لوگوں کو بتایا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ذات پات، اُونچ نیچ کی تفریق کو ختم کر کے ساری انسانیت کو مساوات اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے، اور بزرگی اور شرافت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرار

دیتا ہے، حضرت خواجہ کی رُشد و ہدایت سے لوگ جُوق در جُوق
اسلام میں داخل ہونے لگے، اور وہ اپنی افسردہ اور مضمحل زندگی
میں اسلامی تعلیمات سے ایک نیا کیف محسوس کرنے لگے، صاحبِ
سیر الاولیاءؒ نے اُس زمانے کے ہندوستان کی تاریکی کا نقشہ اور
حضرت خواجہ کی تبلیغی جدوجہد کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

وکرامت دیگر آنکہ مملکتِ
ہندوستان تا حد برآمدنِ
آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری
و بُت پرستی بود، و متمردانِ
ہند ہر یکی دعویٰ انا ربکم
الاعلیٰ می کردند و خدائے
را جلّ و علیٰ شریک می گفتند،
و سنگ و کلوخ و دار و
درخت و ستور گاؤ و سرگین
ایشاں را سجدہ می کردند،
و بظلمتِ کفر قفلِ دِل
ایشاں مظلم و محکم بود،
بوصول قدمِ مبارک آں
آفتابِ اہل یقیں کہ بحقیقت

اور آپ کی دوسری کرامت
یہ ہے کہ آپ کے تشریف
لانے سے پہلے سارے
ہندوستان میں کفر و بُت
پرستی کا رواج تھا، اور
ہندوستان کا ہر سرکش
"انا ربکم الاعلیٰ" کا دعویٰ
کرتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو
خدائے عز و جل کا شریک
ٹھیراتے تھے، اور وہ
سب پتھر ڈھیلے، درخت،
چوپایوں، گائے اور اُن
کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے،
اور کفر کی تاریکی سے اُن کے

معین الدین بود ظلمت
ایں دیار بنور اسلام روشن و
منور گشت ۔[1]

دلوں کے قفل اور بھی
مضبوط ہو رہے تھے، اس
آفتابِ اہل یقین کے تشریف
لانے پر کہ جو حقیقت میں
معین الدین تھے، اس
ملک کی تاریکی نورِ اسلام سے
روشن اور منور ہوئی۔

سیر العارفین میں ہے کہ

بیشترے کفار نامدار از آں
دیار بہ برکت آثار آں
زبدۃ الابرار بہ تشریف
ایماں مشرف شدند، و
بیشترےکہ ایماں نیاوردند
نذر و فتوح بے حد و عد
بحضرتِ ایشاں می فرستادند
کہ ہنوز آں کفار بداں نمط
معتقدند، ہر سالے می آیند
و سر بہ خاکِ آں آستانہ

اس ملک کے بہت سے
مشہور کافر، حضرت خواجہ
کی برکت سے ایمان سے
مشرف ہوئے، اور جو
ایمان نہ لائے (اُن کی بھی
عقیدت کا یہ عالم تھا) وہ
کثرت سے نذر اور تحفے
آپ کی خدمت میں بھیجتے
تھے، اور آج بھی وہ کفار
آپ کے اس طریقے پر

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۷

عظیم القدر وآں بدر سپہر	معتقد ہیں کہ ہر سال آپ
مشیخت می نہند، و مبلغہائی	کے مزارِ مبارک پر حاضر
کلی بمجاورانِ روضۂ مطہرہ	ہوتے ہیں، اور آپ کے
ایشاں می رسانند و خدمتے	آستانے کی خاک کو اپنے
بجائے می آرند۔	سر پر رکھتے ہیں، اور آپ
(سیر العارفین ص ۱۳)	کے روضۂ مطہرہ کے
	مجاوروں کو (بطور نذر)
	کچھ نقد پیش کرتے ہیں،
	اور خدمت بجالاتے ہیں۔

اس علوئے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود اسلام کے یہ عظیم المرتبت مبلّغ شان و شکوہ سے بے نیاز، انکسار اور سادگی کو اپنا شعار بنائے ہوئے، ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں،، ایک پھٹی ہوئی دوتہی اوڑھے ہوئے بیٹھے رہتے، فقر و فاقے کا یہ عالم تھا کہ افطار میں پانچ مثقال سے زیادہ جَو کی روٹی کبھی میسر نہ آئی، لیکن اللہ نے آپ کی نظر کیمیا اثر میں یہ تاثیر بخشی تھی کہ جس پر نظر پڑ جاتی وہ گناہوں سے تائب ہو کر نیکی اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بناتا رسالۂ "احوال پیران چشت" میں ہے کہ

نظر شیخ معین الدین بر	شیخ معین الدین کی نظر جس
ہر فاسقے کہ اُفتادے در	فاسق پر پڑ جاتی، وہ اُسی

زماں تائب شدے، باز گرد   وقت تائب ہو جاتا، اور پھر کبھی
معصیت نگشتے لہ   گناہ کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین ورودِ اجمیر کے بعد ہمیشہ اجمیر ہی میں مقیم رہے، صرف ایک مرتبہ دہلی تشریف لے گئے سیر الاولیاء میں اس سفر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اجمیر کے گرد و نواح میں ایک گاؤں بطور جاگیر آپ کے پاس تھا، مقامی حاکموں نے آپ پر تقاضا کیا کہ اس کے لئے شاہی سند حاصل کی جائے، خواجہ صاحب کے صاحبزادوں نے آپ کو مجبور کیا کہ وہ دہلی تشریف لے جائیں، اور شاہی سند حاصل کریں، چنانچہ خواجہ صاحب اس مجبوری سے دہلی پہنچے، دہلی میں اپنے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پاس قیام فرمایا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سارا واقعہ سُن کر کہا، آپ کو بادشاہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، میں جاتا ہوں اور یہ سند لے آتا ہوں' چنانچہ وہ سلطان شمس الدین التمش کے پاس پہنچے، بادشاہ انھیں دیکھ کر حیران ہو گیا، کیونکہ وہ اس سے قبل کبھی بادشاہ کے پاس نہ گئے تھے بلکہ خود بادشاہ نے اُن سے ملنے کی تمنا کا اظہار کیا تھا لیکن آپ نے اُسے قبول نہیں کیا تھا، بادشاہ نے اُسی وقت مع اشرفیوں کے توڑے کے شاہی سند عطا فرمائی، خواجہ قطب الدین نے یہ چیزیں لا کر خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیں، خواجہ صاحب نے حضرت

لہ یہ تمام تفصیل تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد صاحب ص ۱۴۶ سے ماخوذ ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گرد ہر وقت خلقت کے ہجوم کو دیکھ کر فرمایا، تم نے یہ کیا تماشا کر رکھا ہے عزلت میں پوشیدہ رہنا تمہارے لیئے بہتر ہے، خواجہ قطب الدین نے عرض کیا بندے کا اس بارے میں کوئی قصور نہیں۔

اسی سفر میں آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین اور شیخ نجم الدین صغریٰ کے اختلافات معلوم ہوئے جو اُس وقت دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ شیخ نجم الدین صغریٰ اور خواجہ معین الدین اجمیری میں پُرانی دوستی تھی، خواجہ صاحب اُن سے ملنے کے لیئے گئے، شیخ نجم الدین اُس وقت اپنے مکان میں چبوترہ بنوا رہے تھے۔ جب آپ کو دیکھا تو تپاک سے نہ ملے، خواجہ صاحب نے اُن کی سرد مہری کو دیکھ کر فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے، شیخ نجم الدین نے کہا میں تو آپ کا وہی قدیم نیاز مند اور معتقد ہوں، لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑ رکھا ہے کہ جو میری شیخ الاسلامی کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا، خواجہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا، اگر یہ بات ہے تو تم فکر مت کرو میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ جب آپ مکان پر تشریف لائے تو آپ نے خواجہ قطب الدین سے فرمایا بابا بختیار تم، اس درجہ مشہور ہو گئے کہ خلقت تمہارے متعلق شکایت کرتی ہے، مناسب یہ ہے کہ اب تم میرے ساتھ اجمیر چلو اور وہیں رہو، پیر کے ارشاد

سے کیسے انکار ہو سکتا تھا، دونوں پیر و مرید دہلی سے اجمیر کے لئے روانہ ہوئے، لیکن خواجہ قطب الدین کی روانگی کی خبر مشہور ہوتے ہی سارا شہر اُمنڈ آیا، اور تمام شہر والے سلطان شمس الدین ایلتمش کو لے کر آپ کے پیچھے روانہ ہوئے، خواجہ صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو فرمایا بابا بختیار تم یہیں قیام کرو، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہارے جانے سے اتنے لوگوں کی دل شکنی ہو، چنانچہ سلطان شمس الدین حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے بعد خواجہ قطب الدین کے ساتھ خوشی خوشی دہلی کی طرف واپس پھرا، اور حضرت خواجہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے [۱]

روز دوشنبہ ۶ر رجب ۶۳۲ھ کو آپ اجمیر میں واصل الی اللہ ہوئے اور اُسی حجرے میں دفن کئے گئے جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے، وفات کے وقت آپ کا سن شریف ۹۷ سال کا تھا [۲]۔ اجمیر کے قیام کے زمانے میں دو شادیاں کیں، جن میں ایک تو سید وجیہہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر عصمت اللہ بی بی تھیں، اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی امتہ اللہ تھیں جو مشرف باسلام ہو گئیں تھیں، حضرت خواجہ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید اور حضرت سید حسام الدین تھے، اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ

---

[۱] سیر الاولیا ص ۵۴ [۲] سیر العارفین ص ۱۶

جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں [1]

آپ کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (دہلی) (۲) خواجہ فخر الدین فرزند حضرت خواجہ (قصبہ سرداد) (۳) شیخ حمید الدین ناگوری (دہلی) (۴) شیخ وجیہہ الدین (۵) شیخ حمید الدین صوفی (ناگور) (۶) خواجہ برہان الدین عرف بدو (۷) شیخ احمد (۸) شیخ محسن (۹) خواجہ سلیمان غازی (۱۰) شیخ شمس الدین (۱۱) خواجہ حسن خیاط (۱۲) جیپال جوگی معروف بہ عبداللہ (اجمیر) (۱۳) شیخ صدر الدین کرمانی (۱۴) بی بی حافظہ جمال صبیہ حضرت خواجہ (اجمیر) (۱۵) شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی) (۱۶) شیخ علی سجزی (۱۷) خواجہ یادگار سبزواری (۱۸) خواجہ عبداللہ بیابانی (۱۹) شیخ متا (۲۰) شیخ وحید برادر شیخ احمد (۲۱) شیخ مسعود غازی (اجمیر) [2]

یہ بزرگانِ دین مختلف مقامات پر مامور تھے کہ وہ رشد و ہدایت سے ہندوستان کے ظلمت کدے کو نورِ اسلام سے منور کریں، حقیقت یہ ہے کہ انھیں بزرگوں نے اپنی تبلیغی جدوجہد ہندوستان میں اسلامی عظمت اور شوکت قائم کی۔

حضرت خواجہ اجمیری کے خلفاء کبار میں سے دو بزرگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ایک صوفی حمید الدین ناگوری، دوسرے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کے ان دونوں خلفاء نے اس شمع معرفت کو

---

[1] خزینتہ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۶۴ [2] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۲۶۴

جس کو آپ نے اجمیر میں روشن کیا تھا، روشن رکھنے اور سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں وسیع کرنے کی انتہائی جدوجہد کی، اور ان دونوں بزرگوں کی مساعی اور کوششوں سے سلسلہ چشتیہ خوب پھلا اور پھیلا۔

شیخ حمید الدین ناگوری

شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوری کا لقب سلطان التارکین اور آپ کی کنیت ابو احمد تھی۔ آپ حضرت خواجہ اجمیری کے خلفائے کبار میں ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار نے سلطان التارکین کے لقب کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ اجمیری ؒ نے خوش ہو کر فرمایا کہ آج اجابت و قبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جس کو جو مانگنا ہو مانگے، آپ کے اس ارشاد پر کوئی دنیا کا طالب ہوا اور کوئی عقبیٰ کا، پھر حضرت خواجہ نے شیخ حمید الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ دنیا اور عقبیٰ میں معزز اور مکرم ہو، شیخ حمید الدین نے عرض کیا کہ بندہ کچھ نہیں چاہتا ہیں تو اپنے لئے اُسے پسند کرتا ہوں جسے مولیٰ تعالےٰ میرے لئے پسند کرتا ہے پھر حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی طرف متوجہ ہوئے، اور آن سے بھی وہی ارشاد فرمایا جو شیخ حمید الدین سے ارشاد فرمایا تھا، اُنھوں نے عرض کیا کہ میری پسند تو کوئی پسند نہیں، مجھے تو وہ پسند ہے جسے آپ میرے لئے پسند فرماتے ہیں حضرت خواجہ اجمیری نے اس موقع پر شیخ حمید الدین کے لئے فرمایا التارک الدنیا والفارغ عن العقبیٰ

سلطان التارکین حمید الدین صوفی، اُس وقت سے آپ سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہوئے۔[1]

شیخ حمید الدین نے ناگور میں قیام فرما لیا تھا، ناگور کے قرب وجوار میں ایک موضع سولے نامی تھا، اس موضع میں آپ کے پاس ایک بیگہ زمین تھی جسے آپ کاشت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے، فقر کی یہ کیفیت تھی کہ ایک چادر کمر سے باندھتے اور ایک چادر جسم پر رہتی تھی، آپ کی بیوی کا یہ عالم تھا کہ ڈوپٹہ نہ ہونے کی وجہ سے پیراہن کا کچھ حصّہ سر پر ڈالے رکھتیں، لیکن اس فقر کے باوجود استغنا و بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ناگور کے حاکم نے شاہی حکم کی بنا پر کچھ روپیہ اور زمین آپ کو نذر کرنی چاہی، آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہمارے پیروں میں کسی نے کوئی ایسی چیز قبول نہیں کی، میرے پاس ایک بیگہ ہے جو میرے لئے کافی۔

شیخ حمید الدین متعدد کتابوں کے مصنّف تھے، آپ کی مشہور تصنیف اصول الطریقہ ہے، جس کے جستہ جستہ اقتباس اخبار الاخیار میں ملتے ہیں، آپ کے ملفوظات سرور الصدور کے نام سے آپ کے پوتے اور خلیفہ شیخ فرید الدین نے جمع کئے تھے، یہ ملفوظات خاص اہمیت رکھتے ہیں، عربی، فارسی، اور ہندی تینوں زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

اپنے مریدین کو کیمیائے سعادت کے مطالعہ کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتے تھے۔ تعلیم حدیث سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، ایک مرتبہ اپنے ایک مرید سے فرمایا۔

مرا ایں جا مشغولی است	مجھے یہاں مشغولیت ہے کہ
کہ خلقِ ناگور دریں وقت	آج کل ناگور کے لوگ مجھ سے
از من علم احادیث می شنوند	علم حدیث سنتے ہیں اور مجھے
و مرا فرصت نیست کہ دریں	فرصت نہیں کہ میں اس درمیان
میاں ترا علم تصوف بیاموزم	میں تجھ کو تصوف سکھاؤں۔

علوم دینیہ میں بھی شیخ حمید الدین کمال رکھتے تھے، آپ کے تبحر علمی کی بنا پر سلطان ایلتمش نے آپ کو اس مجلس میں بلایا تھا، جو شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف ایک جھوٹے الزام کی تحقیق کے لئے منعقد کی گئی تھی، اس مجلس میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بھی موجود تھے، اس موقع پر ان دونوں بزرگوں کے درمیان فقر و غنا پر ایک دلچسپ گفتگو ہوئی [1]

---

[1] حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے مرشد کے حکم کی بناء پر ملتان واپس تشریف لائے، اور آپ نے ملتان میں قیام فرما کر اپنے فیوض و برکات سے نہ صرف ملتان کو بلکہ سارے ہندوستان کو منور و روشن فرمادیا، آپ نے ۶۶۱ھ میں وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک ملتان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (بزم صوفیاء صفحہ ۱۰۴)

شیخ حمیدالدین ناگوری نے طویل عمر پاکر ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء میں وفات پائی، آپ کے سجادہ وجانشین آپ کے پوتے شیخ فریدالدین ہوئے، کیونکہ آپ کے صاحبزادے شیخ عزیز کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ شیخ فریدالدین کے خلفاء میں مولانا ضیاءالدین نخشبی[۲] مشہور ہیں۔

---

[۱] یہ تمام تفصیل تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۰ سے ماخوذ ہے۔

[۲] مولانا خواجہ ضیاءالدین نخشبی بدایوں کے رہنے والے تھے نخشبی تخلص فرماتے تھے، اگرچہ آپ نے ساری عمر گوشۂ تنہائی میں بسر کی، لیکن اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور تصانیف کی وجہ سے عظیم شہرت حاصل کی، آپ سلطان التارکین شیخ حمید ناگوری کے پوتے شیخ فریدالدین کے مرید تھے، آپ کی تصانیف میں (۱) سلک السلوک (۲) عشرۂ مبشرہ (۳) کلیات وجزئیات (۴) شرح دعائے سریانی، (۵) طوطی نامہ (۶) گلریز مشہور ہیں، شاعری میں بلند پایہ رکھتے تھے، ہم آپ کا ایک قطعہ بطور نمونۂ کلام یہاں درج کرتے ہیں۔

نخشبی خیز با زمانہ بساز ورنہ خود را نشانہ ساختن ست

عاقلانِ زمانہ می گویند عاقلی با زمانہ ساختن ست

مولانا ضیاء نخشبی نے ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔

(اخبار الاخیار ص ۱۰۵ و بزم صوفیاء ص ۳۰۴)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ اجمیری ہی کی زندگی میں دہلی میں مقیم تھے اور انھوں نے دہلی کو سلسلۂ چشتیہ کا مرکز بنا کر رشد و ہدایت، ارشاد و تلقین کا کام جاری رکھا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبہ، اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال الدین تھا، آپ کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے بتوسط حضرت امام حسینؑ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جا ملتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابوحفص سے حاصل کی، اور ریاضتوں و مجاہدوں میں مشغول رہنے لگے جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اوش تشریف لائے تو آپ نے اُن سے بیعت کی اور سترہ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت حاصل کیا[1]

دلیل العارفین میں ہے کہ آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ اجمیری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، پھر آپ کو حضرت خواجہ اجمیری نے دہلی جانے کا حکم دیا، آپ ملتان ہوتے ہوئے دہلی پہنچے، سلطان شمس الدین التمش نے جو اُس وقت دہلی کا بادشاہ تھا آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا، وہ چاہتا تھا کہ آپ اندرونِ شہر قیام فرمائیں، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے شہر سے باہر کیلوکھری میں سکونت اختیار

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۴۲ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۷

فرمائی، سلطان التمش ہفتہ میں دو بار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت میں جاتا اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا، پھر کچھ دن کے بعد آپ سلطان التمش کے اصرار پر دہلی میں منتقل ہو گئے اور ملک اعز الدین کی مسجد کے قریب قیام فرمایا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دہلی علماء، شعراء، صوفیاء اور ادباء کا مرکز بن رہی تھی، اور منگولوں کی غارت گری کی وجہ سے اہلِ علم و کمال ہر جگہ سے سمٹ کر دہلی آرہے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین نے جب دہلی میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی تو دہلی کے عوام خاص پروانہ وار آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے لگے، آپ پر عموماً استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی[1]، اخبار الاخیار میں ہے۔

و نہایت استغراق داشت	(حضرت خواجہ قطب الدین)
در یاد مولیٰ، چوں کسے	یاد الٰہی میں نہایت استغراق
بزیارت آمدے زمانے	رکھتے تھے، جب کوئی آپ
بایستے تا بخود باز آمدے	کی ملاقات کے لئے آتا تو

---

[1] سیر العارفین ص ۲۱، سیر الاولیاء ص ۴۸ پر ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوش سے بغداد آئے، اور بغداد میں ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دست حق پرست پر بیعت کی، بیعت کے وقت اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احد الدین کرمانی شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی موجود تھے۔

آنگاہ باآیندہ مشغول شدے	اُسے بہت دیر تک ٹھہرنا
اگر از حالِ خود یا حالِ آیندہ	پڑتا، یہاں تک کہ آپ
چیزے بگفتندے، بعدہٗ	ہوش میں آجاتے، اُس
گفتے مرا معذور دارید،	وقت آپ آنے والے سے
باز بحق مشغول شدے[۱]	کچھ دیر بات چیت کرتے
	پھر فرماتے مجھے معذور جانو
	(پھر آپ پر استغراق کی
	کیفیت طاری ہوجاتی)
	اور آپ یادِ حق میں مشغول
	ہوجاتے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین کا چھوٹا لڑکا وفات پاگیا، جب لوگ اس کو دفن کرکے واپس آئے، تو آپ کی بیوی نے رونا شروع کیا، رونے کی آواز سُن کر حضرت خواجہ قطب الدین نے شیخ بدرالدین غزنوی سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے، اُنھوں نے آپ کو صاحبزادے کی وفات کی اطلاع دی اور بتایا کہ بچے کی والدہ اُس کے غم میں رو رہی ہیں، یہ سُن کر آپ افسوس کرتے رہے، پھر فرمایا۔ اگر مجھے اُس کی بیماری کا حال معلوم ہوتا تو میں اُس کی زندگی کے لئے حق تعالے سے دعا کرتا[۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۵   [۲] سیر الاولیاء ص ۴۹

شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی کی وفات کے بعد، شیخ الاسلامی کے عُہدے پر ایلتمش نے حضرت خواجہ قطب الدین کا تقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار فرمادیا، آخر اُس عُہدے پر شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہوا، جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید، اور حضرت خواجہ اجمیری کے دوست تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کو جو شہرت اور حسنِ قبول عوام و خواص میں حاصل تھا، اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ بھی ایک قسم کا رشک وحسد رکھتے تھے، چنانچہ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی سے اپنے پیرومرشد کی خدمت میں خط لکھا، اور اشتیاقِ قدمبوسی کی آرزو ظاہر کر کے اجمیر میں حاضری کی اجازت چاہی حضرت خواجہ اجمیری خود اُن کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر دہلی کے تمام عوام وخواص، علماء اور مشائخ آپ کی زیارت کے لئے آئے لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ نہ آئے، حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کے نہ آنے کو محسوس کیا، اور خود آپ اُن کی ملاقات کے لئے اُن کے گھر پر تشریف لے گئے۔ اِس موقع پر شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نے آپ سے شکایت کی کہ خواجہ قطب الدین کی قبولیت اور شہرت کی وجہ سے میرا اقتدار خطرے میں پڑ گیا ہے، آپ نے فرمایا اچھا تو میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لئے جاتا ہوں، چنانچہ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، جیسے ہی یہ خبر دہلی

دہلی میں مشہور ہوئی ، دہلی کے لوگ آپ کی جدائی کے خطرے سے بیتاب ہو گئے ، میر خورد نے لوگوں کی اُس وقت کی بیتابی و بےچینی کا نقشہ اِن الفاظ میں بیان کھینچا ہے :-

"پس دراں مرتبہ شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانۂ اجمیر گردید ، ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد و ہمہ اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین دنبال برآمدند ، و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت ، خلائق خاک آں زمین بہ تبرک برمی داشت ، و نہایت اضطراب و زاری می نمودند ، شیخ معین الدین ایں حال را معائنہ کرد ، فرمود بابا بختیار ! ہم دریں مقام باش کہ خلائق از بیروں آمدنِ تو در اضطراب و خراب است ، روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب باشند ، برو ایں شہر در پناہِ تو گذاشتیم ، پس سلطان شمس الدین سعادتِ قدم بوسیِ شیخ را دریافتہ ہمراہِ شیخ قطب الدین بشادیِ تمام متوجہ شہر گردید ، و شیخ معین الدین بطرفِ اجمیر روانہ گشتند[1]

دلیل العارفین میں ہے کہ آپ حضرت خواجہ اجمیری کی وفات سے کچھ دن پہلے اُن کی زیارت کو اجمیر تشریف لائے ، اور پھر دہلی لوٹ گئے ، اِسی موقع پر حضرت خواجہ اجمیری نے آپ کو خلافت اور سجادہ

[1] سیر الاولیاء ص ۵۴ و ۵۵ نکتہ سوم

خواجگان عطا کیا۔

صاحبِ اخبارالاخیار نے بحوالہ دلیل العارفین خود حضرت خواجہ قطب الدین کی زبانی اِس ملاقات کی تفصیل اِس طرح بیان کی ہے۔

جمعرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پابوسی کی دولت حاصل کی، اس موقع پر بہت سے درویش عزیز، اور آپ کے مرید حاضر تھے، اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا تذکرہ چلا، فرمایا دنیا موت کے مقابلے میں ایک دانے کے برابر قیمت نہیں رکھتی، لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ موت تو ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں جو تمام عالم کو روشن بنائے ہوئے ہیں اور ساری دنیا اُن کے انوار سے روشن ہے، پھر فرمایا اے درویشو! مجھے اِس جگہ اس لئے لائے ہیں کہ میرا دفن یہی جگہ ہو گی۔ اب میں چند روز میں اِس دنیا سے سفر کروں گا، پھر آپ نے اپنے (کاتب) شیخ علی سجزی سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں، میں نے اُن کو خلافت اور سجادہ عطا کیا ہے، اس کے بعد مجھ سے (یعنی خواجہ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے، جب

تحریر مکمل ہوگئی تو وہ تحریر آپ نے مجھے دی، اور فرمایا آگے آؤ، میں آپ کے پاس گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے دستار اور ٹوپی میرے سر پہ رکھی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا عصا میرے ہاتھ میں دیا، اور مجھے خرقہ پہنایا، اور مصحف و مصلیٰ اور نعلین مجھے بخشے، اور فرمایا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت تھی جو خواجگانِ چشت سے مجھ کو ملی تھی، میں نے تم کو سونپی تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو، جیسا ہمارے خواجگان ادا کرتے رہے ہیں، تاکہ قیامت کے دن میں اپنے خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ میں قدم بوس ہوا اور دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک اٹھا کر فرمایا جاؤ میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا، اور تم کو منزل پر پہنچا دیا[1]

حضرت خواجہ قطب الدین کا بیان ہے کہ اس ملاقات کے بعد میں دہلی آیا، اور وہیں رہنے لگا، ابھی چالیس روز ہی گزرے تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ تمھارے روانہ ہونے کے بعد آپ تین روز تک زندہ رہے، اور پھر وفات پا گئے، مجھے اس خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔

---

[1] یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۲۶ سے ماخوذ ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کا دوسرا مرکز دہلی میں قائم ہوا، اور اُس کی ضیا باریوں نے آہستہ آہستہ تمام ہندوستان کو منور کر دیا۔

قطب صاحب کو سماع کی طرف بہت رغبت تھی، آپ نے سماع ہی میں وصال فرمایا۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ علی سجزی[۹۱] کے مکان پر محفلِ سماع برپا تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام[۹۲] قدس سرہ

---

[۹۱] شیخ علی سجزی صاحبِ حال درویش اور حضرت خواجہ اجمیری کے عزیزوں میں تھے، خواجہ قطب الدین کے پڑوس میں رہتے تھے، اُن کی قبر بھی حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کے متصل ہے (اخبار الاخیار ص ۲۵)

[۹۲] شیخ احمد جام کی کنیت ابو نصر، اُن کے والد کا نام ابوالحسن ہے، اُن کا اصل وطن موضع نامق تھا جو مضافاتِ جام میں ایک موضع ہے۔ شیخ احمد جام کی کی ولادت ۴۴۱ھ میں ہوئی اپنے وقت کے مقتدائے اہلِ طریقت، قطب اور غوث تھے، جریر بن عبداللہ بجلی کی اولاد میں سے تھے جن کو حضرت عمر بن خطابؓ اس اُمّت کا یوسف کہا کرتے تھے، شیخ احمد ابتداءً اُمّی تھے، جب اُن کی عمر بائیس سال کی تھی تو توفیقِ حق اُن کے شاملِ حال ہوئی، اور پہاڑوں پر جا کر ریاضتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے، چالیس سال کی عمر میں وہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے فارغ ہو کر آبادی میں آئے، اِس عرصے میں علم لدنّی کے دروازے اُن پر مکشوف ہو گئے، اور اُنھوں نے تین سو سے زیادہ کتابیں علمِ توحید و معرفت و حکمت میں تصنیف فرمائیں، جب اُن کی عمر ساٹھ سال کی تھی تو اُس وقت وہ

کی غزل شروع کی، جب یہ شعر گایا؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانی دیگر ست

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور تڑپنے لگے۔ اسی حالت میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر تک لائے یہ حالت چار شبانہ روز تک

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) فرمایا کرتے تھے کہ اب تک میرے ہاتھ پر ایک لاکھ اسّی ہزار آدمیوں نے توبہ کی ہے، سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ جو میرے دادا ہیں اُن کی والدہ شیخ احمد جام کی اولاد میں ہیں، شیخ ظہیر الدین عیسٰی نے جو شیخ احمد جام کے صاحبزادے ہیں اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھا ہے کہ آخر عمر تک میرے والد کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی کا وہ خرقہ جو شیخ ابوسعید ابوالخیر کو پہنچا تھا، اُن کے صاحبزادے شیخ طاہر نے اپنے والد کی خواب میں بشارت کی بنا پر شیخ احمد جام کو پہنایا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے اس خرقے کو بائیس اولیاء زیب تن کر چکے تھے، شیخ احمد جام کو شیخ طاہر سے شرفِ صحبت حاصل تھا، اور خواجہ مودود چشتی کو بھی حضرت شیخ احمد جام کے ساتھ نسبتِ ارادت تھی، شیخ احمد جام نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار جام میں واقع ہے۔ شیخ احمد جام کی اس غزل کے باقی شعر یہ ہیں:-

منزلِ عشق از مکانی دیگر ست مردِ معنی را نشانی دیگر ست

بر سر بازار جانبازانِ عشق زیرِ ہر داری جوانی دیگر ست

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانی دیگر ست

جاری رہی آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء کو آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی خود بھی شعر کہتے تھے، اُن کی ایک غزل ہم تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں ؎

اے بکردہ شمع رویت عالمی پروانہ ای
وز لبِ شیرینِ تو شوریست در ہر خانہ ای

ماہِ من گرمی توانی رحم کن بر بیدلاں
کز تو ماند ایں حکایت در جہاں افسانہ ای

من بچندیں آشنائی می خورم خونِ جگر
آشنا را حال ایں ست وای بر بیگانہ ای

قطبِ مسکیں گر گناہی می کند عیبش مکن
عیب نبود گر گناہی می کند دیوانہ ای[1]

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

دل خورد زخمی ز دیدہ خوں چکد ایں چنیں زخم از کمانی دیگر ست
احمدا تا گم نگردی ہوشدار کیں جرس از کاروانی دیگر ست

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۳ تا ۲۴۴ و سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ الاسلام احمد جام)

[1] بیاض فارسی شعرا (مخطوطہ) مملوکہ سندھی ادبی بورڈ

آپ کے خلفاء میں شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ بدرالدین[۱]

۱؎ شیخ بدرالدین غزنوی غزنی کے رہنے والے تھے، طلبِ حق میں غزنی سے لاہور آئے، وہاں سے دھلی پہنچے، اور خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے مرید ہوکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے، اُس زمانے کے اکابرِ شیوخ اُن کی بزرگی کے معترف تھے، وہ اکثر وعظ فرماتے، اُن کے مواعظ قلوب پر بے حد اثر انداز ہوتے تھے، وعظ میں اُن کا موضوعِ سخن زیادہ تر محبّت ہوتا تھا، بابا فرید گنج شکر اکثر اُن کے وعظ کی مجلس میں حاضر ہوتے سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، عمر کافی ہوچکی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ کسی نے اُن کو وجد میں دیکھ کر کہا، شیخ بدرالدین اگرچہ بوڑھے ہوچکے ہیں، لیکن عجیب رقص کرتے ہیں، آپ نے فرمایا شیخ رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے، اور جہاں کہیں بھی عشق ہے، اس کے لئے رقص لازمی ہے، حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی فرمایا کہ پیری کی وجہ سے اگرچہ شیخ بدرالدین اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے، لیکن جب سماع سُنتے تو اِس طرح رقص کرتے، جس طرح دس سالہ بچہ رقص کرتا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ بدرالدین سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ یہ رُباعی اکثر پڑھتے تھے

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست	ہرجا کہ حدیثِ تُست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت آں خویشِ من ست	خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

شیخ بدرالدین اگرچہ بہت بڑے بزرگ تھے، لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے بعد اُن کا وقت دعوتوں اور اُمرا کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا، سلطان المشائخ

شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی کی وفات کے بعد، شیخ الاسلامی کے عہدے پر ایلتمش نے حضرت خواجہ قطب الدین کا تقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار فرمادیا، آخر اُس عہدے پر شیخ نجم الدین صغریٰ کا تقرر ہوا، جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید، اور حضرت خواجہ اجمیری کے دوست تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کو جو شہرت اور حسنِ قبول عوام و خواص میں حاصل تھا، اُسے دیکھ کر شیخ نجم الدین صغریٰ بھی ایک قسم کا رشک و حسد رکھتے تھے، چنانچہ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے دہلی سے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں خط لکھا، اور اشتیاقِ قدمبوسی کی آرزو ظاہر کرکے اجمیر میں حاضری کی اجازت چاہی حضرت خواجہ اجمیری خود اُن کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر دہلی کے تمام عوام و خواص، علماء اور مشائخ آپ کی زیارت کے لئے آئے، لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ نہ آئے، حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کے نہ آنے کو محسوس کیا، اور خود آپ اُن کی ملاقات کے لئے اُن کے گھر پر تشریف لے گئے۔ اِس موقع پر شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ نے آپ سے شکایت کی کہ خواجہ قطب الدین کی قبولیت اور شہرت کی وجہ سے میرا اقتدار خطرے میں پڑ گیا ہے، آپ نے فرمایا اچھا تو میں قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر لئے جاتا ہوں، چنانچہ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین کو اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، جیسے ہی یہ خبر دہلی

دہلی میں مشہور ہوئی ، دہلی کے لوگ آپ کی جدائی کے خطرے سے بیتاب ہوگئے ، سیر خورد نے لوگوں کی اُس وقت کی بیتابی و بےچینی کا نقشہ اِن الفاظ میں بیان کھینچا ہے :—

"پس درآں مرتبہ شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانۂ اجمیر گردید، ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد و ہمہ اہلِ شہر معہ سلطان شمس الدین دنبال برآمدند، و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت، خلائق خاک آں زمین بہ تبرک برمی داشت، و نہایت اضطراب و زاری می نمودند، شیخ معین الدین ایں حال را معائنہ کرد، فرمود بابا بختیار ! ہم دریں مقام باش کہ خلائق از بیروں آمدنِ تو در اضطراب و خراب است ، روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب باشند، برو ایں شہر در پناہِ تو گذاشتیم، پس سلطان شمس الدین سعادتِ قدم بوسیِ شیخ را دریافتہ ہمراہِ شیخ قطب الدین بشادیِ تمام متوجہ شہر گردید و شیخ معین الدین بطرفِ اجمیر روانہ گشتند[۱]"

دلیل العارفین میں ہے کہ آپ حضرت خواجہ اجمیری کی وفات سے کچھ دن پہلے اُن کی زیارت کو اجمیر تشریف لائے، اور پھر دہلی لوٹ گئے، اِسی موقع پر حضرت خواجہ اجمیری نے آپ کو خلافت اور سجادہ

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۵۴ و ۵۵ نکتہ سوم

خواجگان عطا کیا۔

صاحبِ اخبارالاخیار نے بحوالہ دلیل العارفین خود حضرت خواجہ قطب الدین کی زبانی اِس ملاقات کی تفصیل اِس طرح بیان کی ہے۔

جمعرات کے دن میں نے جامع مسجد اجمیر میں آپ کی پابوسی کی دولت حاصل کی، اس موقع پر بہت سے درویش عزیز، اور آپ کے مرید حاضر تھے، اتفاق سے اس مجلس میں ملک الموت کا تذکرہ چلا، فرمایا دنیا موت کے مقابلے میں ایک دانے کے برابر قیمت نہیں رکھتی، لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ موت تو ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے، پھر فرمایا کہ عارفین آفتاب کی طرح ہیں جو تمام عالم کو روشن بنائے ہوئے ہیں اور ساری دنیا اُن کے انوار سے روشن ہے، پھر فرمایا اے درویشو! مجھے اِس جگہ اس لئے لائے ہیں کہ میرا مدفن یہی جگہ ہو گی. اب میں چند روز میں اِس دنیا سے سفر کروں گا، پھر آپ نے اپنے (کاتب) شیخ علی سجزی سے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں، میں نے اُن کو خلافت اور سجادہ عطا کیا ہے، اس کے بعد مجھ سے (یعنی خواجہ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے، جب

تحریر مکمل ہوگئی تو وہ تحریر آپ نے مجھے دی، اور فرمایا
آگے آؤ، میں آپ کے پاس گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ
سے دستار اور ٹوپی میرے سر پر رکھی اور حضرت خواجہ
عثمان ہارونی کا عصا میرے ہاتھ میں دیا، اور مجھے خرقہ
پہنایا، اور مصحف و مصلیٰ اور نعلین مجھے بخشے، اور فرمایا،
یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت تھی جو
خواجگانِ چشت سے مجھ کو ملی تھی، میں نے تم کو سونپی،
تم اس کا ویسا ہی حق ادا کرو، جیسا ہمارے خواجگان
ادا کرتے رہے ہیں، تاکہ قیامت کے دن میں اپنے
خواجگان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ میں قدم بوس ہوا
اور دو رکعت نماز ادا کی اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ
پکڑا اور آسمان کی طرف روئے مبارک اُٹھا کر فرمایا جاؤ
میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا، اور تم کو منزل پر پہنچا دیا[1]
حضرت خواجہ قطب الدین کا بیان ہے کہ اس ملاقات کے
بعد میں دہلی آیا، اور وہیں رہنے لگا، ابھی چالیس روز ہی گزرے
تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ تمھارے روانہ ہونے کے
بعد آپ تین روز تک زندہ رہے، اور پھر وفات پا گئے، مجھے اس
خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔

---

[1] یہ تمام تفصیل اخبار الاخیار ص ۲۶ سے ماخوذ ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کا دوسرا مرکز دہلی میں قائم ہوا، اور اُس کی ضیا باریوں نے آہستہ آہستہ تمام ہندوستان کو منور کر دیا۔

قطب صاحب کو سماع کی طرف بہت رغبت تھی، آپ نے سماع ہی میں وصال فرمایا۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ علی سجزی[۵۱] کے مکان پر محفلِ سماع برپا تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام[۵۲] قدس سرہٗ

[۵۱] شیخ علی سجزی صاحبِ حال درویش اور حضرت خواجہ اجمیری کے عزیزوں میں تھے، خواجہ قطب الدین کے پڑوس میں رہتے تھے، اُن کی قبر بھی حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کے متصل ہے (اخبار الاخیار ص ۲۵)

[۵۲] شیخ احمد جام کی کنیت ابو نصر، اُن کے والد کا نام ابوالحسن ہے، اُن کا اصل وطن موضع نامق تھا جو مضافاتِ جام میں ایک موضع ہے۔ شیخ احمد جام کی ولادت ۴۴۱ھ میں ہوئی اپنے وقت کے مقتدائے اہلِ طریقت، قطب اور غوث تھے، جریر بن عبداللہ بجلی کی اولاد میں سے تھے جن کو حضرت عمر بن خطابؓ اس اُمت کا یوسف کہا کرتے تھے، شیخ احمد ابتداءً اُمّی تھے، جب اُن کی عمر بائیس سال کی تھی تو توفیقِ حق اُن کے شاملِ حال ہوئی، اور پہاڑوں پر جا کر ریاضتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے، چالیس سال کی عمر میں وہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے فارغ ہو کر آبادی میں آئے، اِس عرصے میں علمِ لدنّی کے دروازے اُن پر مکشوف ہو گئے، اور اُنھوں نے تین سو سے زیادہ کتابیں علمِ توحید و معرفت و حکمت میں تصنیف فرمائیں، جب اُن کی عمر ساٹھ سال کی تھی تو اُس وقت وہ

کی غزل شروع کی، جب یہ شعر گایا ـــ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانی دیگرست

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور تڑپنے لگے۔ اِسی حالت میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر تک لائے یہ حالت چار شبانہ روز تک

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) فرمایا کرتے تھے کہ اب تک میرے ہاتھ پر ایک لاکھ اسی ہزار آدمیوں نے توبہ کی ہے، سفینۃ الاولیاء میں دارا شکوہ کا بیان ہے کہ اکبر بادشاہ جو میرے دادا ہیں اُن کی والدہ شیخ احمد جام کی اولاد میں ہیں، شیخ ظہیر الدین عیسٰی نے جو شیخ احمد جام کے صاحبزادے ہیں اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھا ہے کہ آخر عمر تک میرے والد کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی تائب ہوئے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا وہ خرقہ جو شیخ ابو سعید ابو الخیر کو پہنچا تھا، اُن کے صاحبزادے شیخ طاہر نے اپنے والد کی خواب میں بشارت کی بنا پر شیخ احمد جام کو پہنایا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے اس خرقے کو بائیس اولیاء زیب تن کر چکے تھے، شیخ احمد جام کو شیخ طاہر سے شرفِ صحبت حاصل تھا، اور خواجہ مودود چشتی کو بھی حضرت شیخ احمد جام کے ساتھ نسبتِ ارادت تھی، شیخ احمد جام نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار جام میں واقع ہے۔ شیخ احمد جام کی اس غزل کے باقی شعر یہ ہیں :۔

منزلِ عشق از مکانی دیگرست | مردِ معنی را نشانی دیگرست

بر سرِ بازارِ جانبازانِ عشق | زیرِ ہر داری جوانی دیگرست

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانی دیگرست

جاری رہی آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۴ھ / ۱۲۳۵ء کو آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی خود بھی شعر کہتے تھے، اُن کی ایک غزل ہم تبرکاً یہاں نقل کرتے ہیں ؎

اے بکردہ شمع رویت عالمی پروانہ ای
وزلبِ شیریں تو شوریست در ہر خانہ ای
ماہِ من گرمی توانی رحم کن بر بیدلاں
کز تو ماند ایں حکایت در جہاں افسانہ ای
من بچندیں آشنائی می خورم خونِ جگر
آشنا را حال ایں ست وائی بر بیگانہ ای
قطب مسکیں گر گناہی می کند عیبش مکن
عیب نبود گر گناہی می کند دیوانہ ای[1]

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

دل خورد زخمی ز دیدہ خوں چکد — ایں چنیں زخم از کمانی دیگرست
احمدا تا گم نگردی ہوشدار — کیں جرس از کاروانی دیگرست

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۴۳ تا ۲۴۴ و سفینۃ الاولیا: تذکرہ حضرت شیخ الاسلام احمد جام)

[1] بیاض فارسی شعرا (مخطوطہ) مملوکہ سندھی ادبی بورڈ

آپ کے خلفاء میں شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ بدرالدین

ؒ شیخ بدرالدین غزنوی غزنی کے رہنے والے تھے، طلبِ حق میں غزنی سے لاہور آئے، وہاں سے دہلی پہنچے، اور خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے مرید ہوکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے، اُس زمانے کے اکابرِ شیوخ اُن کی بزرگی کے معترف تھے، وہ اکثر وعظ فرماتے، اُن کے مواعظ قلوب پر بے حد اثر انداز ہوتے تھے، وعظ میں اُن کا موضوعِ سخن زیادہ تر محبت ہوتا تھا، بابا فرید گنج شکرؒ اکثر اُن کے وعظ کی مجلس میں حاضر ہوتے، سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، عمر کافی ہوچکی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ کسی نے اُن کو وجد میں دیکھ کر کہا، شیخ بدرالدین اگرچہ بوڑھے ہوچکے ہیں، لیکن عجیب رقص کرتے ہیں، آپ نے فرمایا شیخ رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے، اور جہاں کہیں بھی عشق ہے۔ اس کے لئے رقص لازمی ہے، حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی فرمایا کہ پیری کی وجہ سے اگرچہ شیخ بدرالدین اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے، لیکن جب سماع سنتے تو اس طرح رقص کرتے، جس طرح دس سالہ بچہ رقص کرتا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ بدرالدین سے سنا کہ فرماتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ یہ رباعی اکثر پڑھتے تھے

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست — ہر جا کہ حدیثِ تست افسانۂ ماست

بیگانہ کہ از تو گفت آں خویشِ من ست — خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

شیخ بدرالدین اگرچہ بہت بڑے بزرگ تھے، لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے بعد اُن کا وقت دعوتوں اور اُمراء کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا، سلطان المشائخ

غزنوی[1]، خواجہ عماد الدین[2] بلگرامی، شیخ بدر الدین موئ[3] تاب،

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ) حضرت محبوب الٰہی نے ایک اُن کے متعلق فرمایا:۔

شیخ بدر الدین سخت بزرگ بود، فاما ہرگاہ کہ در شہر درآمد بخلق مشغول شد کار او چگونہ پیش رود (سیر الاولیا ص ۱۶۵!)

التمش کی وفات کے بعد جب دہلی کے حالات خراب ہوئے تو ملک نظام الدین خریطہ دار نے اُن کے لئے ایک خانقاہ بنوادی، وہ اس میں رہنے لگے لیکن جب نظام الدین پر تباہی آئی تو یہ بھی اُس سے نہ بچ سکے، آخر پریشان ہوکر اُنھوں نے بابا فرید گنج شکر کو سارے حالات لکھ کر دعا کی درخواست کی۔

فرید الدین ملت یارِ زیرک	کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم گر جمع داری	بمدحش کردمے گوہر فشانی

بابا صاحب نے اُن کو جواب میں لکھا:۔

ہر کہ بسیرت وسنتِ پیرانِ خود نہ رود ہم چنیں باشد

شیخ بدر الدین نے ۶۵۷ھ میں وصال فرمایا اُن کی قبر خواجہ بست کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی قبر کے متصل جانب شمال واقع ہے (اخبار الاخیار ص ۵۱ و تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۶)

[2] خواجہ عماد الدین بلگرامی اپنے وقت کے قطب اور صاحب ولایت تھے، اُنھوں نے کسی کو اپنا مرید و خلیفہ نہیں بنایا، ہمیشہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے تھے، چونکہ بلگرام اور قنوج کے درمیان دریائے گنگا ہے وہ علی الصباح طالب علم کے لئے بلگرام سے قنوج جاتے، اور سبق لے کر شام کو آجاتے، آپ کی اس آمد و

قاضی حمید الدین ناگوری[1] اور سلطان شمس الدین التمش[2] وغیرہ مشہور رہیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ [2] کا) رفت کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔

(فٹ نوٹ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۵ بحوالہ مراۃ المبتدین)

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ [1]) شیخ بدر الدین موئی تاب شیخ شاہی موئی تاب کے بھائی تھے، وہ اپنے بھائی شیخ شاہی کی وصیت کی بنا پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کو فرمایا آؤ، شیخ بدر الدین صاحب ولایت! اُن کی قبر بدایوں میں ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۴۹)

[1] قاضی حمید الدین کا اصل نام محمد، اُن کے والد کا نام عطا تھا، مگر یہ مشہور حمید الدین کے نام سے تھے۔ ان کے والد سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا، قاضی حمید الدین ناگور کی قضاوت پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو کر بغداد پہنچے، اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہو کر اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اُسی زمانے میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بغداد میں تھے، اُن سے گہرے مراسم قائم ہو گئے، اُس کے بعد اپنے شیخ کی اجازت سے مدینۂ منورہ حاضر ہوئے، وہاں تین سال قیام کر کے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے، اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ رہنے لگے، اُن کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ میں تھی مگر حضرت خواجہ بختیار کاکی کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے وہ چشتی سمجھے جاتے ہیں، لطائفِ اشرفی میں ہے

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ ۱۵ کا) کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اُن کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، اگرچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اُنھیں سے علومِ ظاہری کی تعلیم پائی تھی، اور وہ خواجہ صاحب کے اُستاد بھی تھے، سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے۔

قاضی حمید الدین کی عظمت وجلالتِ شان کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے متعلق شیخ شہاب الدین سہروردی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے ہندوستان کے خلفاء میں سب سے بڑے حمید الدین ہیں۔

بابا فرید گنج شکر کو بھی اُن سے غیر معمولی عقیدت تھی، وہ اپنے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کی تصانیف کا حوالہ بار بار دیتے تھے۔

مولانا قطب الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین کے کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں (فوائد الفواد ص ۱۴۲ وسیر العارفین ص ۱۵)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرمایا کرتے تھے کہ جو حال اور کمال اُن کو بارگاہِ الٰہی سے ملا ہے وہ ہر شخص کا حصّہ نہیں (سیر العارفین ص ۱۵)

سیر العارفین کے مؤلف نے قاضی حمید الدین کو علم و وقار کا کوہ، بحرِ اسرار کا گنجینہ، اور ابو سفیان ثوری ثانی کہا ہے۔

شیخ حمید الدین نے رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد وتر کی نماز نماز میں عین سجدے کی حالت میں وفات پائی (سیر العارفین جلد ۲ ص ۲۱)

صاحبِ تصانیف تھے، اخبار الاخیار میں ہے۔

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار ست، بزبان عشق و ولولہ سخن می کنند"

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ ۱ھ)

اُن کی سب سے مشہور تصنیف "طوالع الشموس" ہے، جس میں اُنھوں نے اسمائے حسنیٰ کی شرح کی ہے۔

راحت القلوب میں بابا فرید گنج شکر نے اُن کی دو اور کتابوں تواریخ (؟) اور "راحتہ الارواح" کا حوالہ اپنے ملفوظات میں دیا ہے (راحت القلوب ص ۲۹-۳۰-۳۵)

سیر العارفین میں ہمیں اُن کی ایک اور کتاب "لوائح" کا ذکر ملتا ہے، غالباً لوائح سہو کتابت سے راحت القلوب میں تواریخ درج ہو گیا ہے۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۳۷۔ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۰۹ تا ۳۱۴)

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ ۲ھ) سلطان شمس الدین التمش، آرام شاہ کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا اور شمس الدین کے لقب سے ملقب ہوا، او ر التمش اس کو اسلئے کہتے ہیں کہ وہ شب خسوف میں پیدا ہوا تھا۔ خزینۃ الاصفیاء میں اس نیک دل اور عدل پرور فرماں روا کے مناقب دمحامد ان الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔

"بادشاہ رحمدل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار ست، و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی نیز بود، و کمال اعتقاد بخدمت حضرات اہل چشت نیک سرشت پیدا کردہ اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر و فقیر دوست بود"

سلطان شمس الدین نے ۲۸ سال کی حکومت کے بعد ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔

(سیرۃ المتاخرین جلد اوّل ص ۱۰۶ مطبوعہ نول کشور و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۲۷۶)

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر

حضرت خواجہ قطب الدین کے بعد آن
کے خلفاء میں پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کو جس نے سب سے زیادہ فروغ
دیا وہ حضرت بابا فرید گنج شکر ہیں۔ آپ کا اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین
تھا، مگر آپ گنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے، گنج شکر کی وجہ سے تسمیہ
صاحب سیر الاقطاب نے یہ بیان کی ہے کہ ایک بار آپ نے متواتر
روزے رکھے، ایک دن افطار کو کچھ نہ ملا، رات کو آپ نے بھوک
کی شدت میں سنگ ریزے منہ میں ڈال لئے، یہ سنگ ریزے شکر
ہو گئے، آپ کے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو جب
یہ معلوم ہوا تو فرمایا، فرید گنج شکر ہے۔ اسی وقت سے آپ اس لقب سے
مشہور ہو گئے، بابا فرید گنج شکر کی ولادت ۵۸۴ھ میں قصبہ کھتی وال
(کھوتوال) ضلع ملتان میں ہوئی، آپ کے سلسلۂ نسب کے درمیان میں
فرخ شاہ بادشاہ کابل اور سلطان ابراہیم بن ادہم آتے ہیں اور آخر
میں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے، بابا فرید
نے ابتدائی تعلیم کھوتوال ہی میں پائی، اور پھر حصول تعلیم کے لئے
ملتان تشریف لائے، ملتان میں ایک مسجد میں قیام فرمایا، اسی مسجد
میں کتاب نافع مولانا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی، اسی زمانے
میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ملتان تشریف لائے، ایک

روز حضرت خواجہ قطب الدین اُس مسجد میں جس میں بابا فرید مقیم تھے نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے، بابا فرید آپ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کے دستِ حق پرستِ حق پرست پر بیعت کی، اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین ملتان سے واپس ہونے لگے تو آپ نے بابا فرید کو مزید تعلیم و تلقین فرمائی، اُس کے بعد بابا فرید ہندوستان سے نکل کر بغداد، غزنی، سیوستان اور بدخشاں میں ظاہری اور باطنی علوم کی تعلیم حاصل کرتے رہے طویل سیاحت کے بعد آپ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں رہ کر روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اُسی زمانے میں جب کہ آپ دہلی میں مقیم تھے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیری بھی اجمیر سے دہلی تشریف لائے، اور خواجہ بزرگ کی توجہ سے بابا فرید بھی مستفیض ہوئے، خواجہ بزرگ نے بابا فرید کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اپنے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی سے فرمایا۔

بابا بختیار! شہبازِ عظیم بقید آوردہ کہ جز بہ
سدرۃ المنتہیٰ آشیاں نگیرد، ایں فرید شمعےست
کہ خانوادۂ درویشاں منور سازد[1]۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ اجمیری

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۶۶

جب دہلی تشریف لائے تو حضرت شیخ بابا فرید کو دیکھنے کے لئے ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، مگر بابا فرید ریاضتوں اور مجاہدوں کی وجہ سے اس قدر کمزور اور ضعیف ہو چکے تھے کہ آپ کی تعظیم کے لئے نہ اٹھ سکے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے اُن کے لئے دعا فرمائی، غیب سے بشارت ہوئی کہ "فرید را برگزیدم"، خواجہ معین الدین نے حضرت بابا فرید کو خلعت عطا فرمایا۔

ایک عرصہ تک بابا فرید اپنے مرشد کی خدمت رہ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے۔ جب تعلیم باطنی ختم کر چکے تو اپنے مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی تشریف لائے، آپ ہانسی ہی میں تھے کہ آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کے مرشد کا وصال ہو گیا ہے۔ اس خواب سے پریشان ہو کر دہلی تشریف لائے، جب دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ تین روز ہوئے کہ حضرت خواجہ قطب الدین وصال فرما چکے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے جب آخری مرتبہ بابا فرید رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان کو مصلیٰ خاص، اور عصا عنایت کیا اور فرمایا:-

من امانتِ شما را یعنی	میں تمہاری امانت یعنی سجادہ
سجادہ و خرقہ و دستار و	خرقہ دستار اور کھڑاویں
نعلین بقاضی حمید الدین ناگوری	قاضی حمید الدین ناگوری

خواہم داد، بعد از پنجم روز	کو دے دوں گا، وہ امیری
بشما خواہد رسانید، آں	وفات کے پانچویں روز تم کو
را گر دآرید مقام ما مقام	پہنچا دیں گے، ان آثار کو
شما ست [1]	حفاظت سے اپنے پاس
	رکھنا، ہمارا مقام تمہارا
	ہی مقام ہے۔

چنانچہ قاضی حمیدالدین ناگوری نے پانچویں روز یہ تمام امانتیں بابا فرید کے حوالے کیں، تین روز کے بعد بابا فرید نے دہلی سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا، لیکن دہلی کے لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ دہلی ہی میں قیام فرمائیں، لیکن آپ نے دہلی ٹھہرنا پسند نہ کیا، اور ہانسی واپس تشریف لائے، جب ہانسی میں لوگوں کا ہجوم بڑھا تو آپ اجودہن (پاک پٹن) تشریف لائے اور اپنی وفات تک اجودہن (پاک پٹن) ہی میں مقیم رہے، اخبار الاخیار میں ہے کہ اجودہن کے باشندے نہایت درشت، ظاہر پرست اور درویشوں کے منکر تھے، جب آپ اجودہن پہنچے تو فرمایا یہ جگہ میرے رہنے کے لئے خوب ہے، وہاں کے لوگوں نے آپ کی طرف مطلق توجہ نہ کی، آپ نے قصبہ کے باہر درختوں کے نیچے قیام فرمایا، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر، رشد و ہدایت اور عبادت

---

[1] سیر الاولیاء ص ۷۳

الٰہی میں مصروف ہو گئے

جب آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت ہوئی تو دور دور سے لوگ اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے، اُس وقت دہلی میں سلطان ناصرالدین محمود[۲] کی حکومت تھی، وہ اپنے لشکر کے ساتھ اجودہن سے گذرا، اس نے اپنے نائب السلطنت الغ خاں کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اور چار گاؤں بطور جاگیر اور کچھ نقد آپ کی نذر کرنا چاہا، الغ خاں نے جاگیر کا فرمان اور زرِ نقد بابا فرید کے سامنے رکھا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے، الغ خاں نے عرض کیا کہ یہ نقد رقم آپ کے درویشوں کے اخراجات کے لئے ہے اور یہ چار گاؤں کا فرمان آپ کی اولاد کے لئے ہے، بابا فرید نے نقدی کو قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ رقم درویشوں میں تقسیم کردی جائے۔ اور گاؤں کے فرمان کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ واپس لے جاؤ اس کے طلبگار بہت ہیں[۳]

اسی طرح ایک دفعہ اجودہن کے والی نے کچھ گاؤں اور زرِ نقد

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۵۲

[۲] سلطان ناصرالدین محمود ماہ محرم ۶۴۴ھ میں قصر فیروز دہلی میں تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا، اور ۶۶۳ھ میں بیمار ہوا، اُس نے ۱۱ جمادی الاوّل ۶۶۴ھ کو اُنتیس سال تین ماہ اور کچھ دن حکومت کر کے وفات پائی (تاریخ معصومی ص ۳۸ و ۳۹)

[۳] فوائد الفواد ص ۹۹

نذر کے طور پر بابا فرید کی خدمت میں پیش کرنا چاہا فرمایا اگر میں یہ گاؤں اور روپیہ لے لوں تو لوگ مجھے درویش نہ سمجھیں گے، بلکہ دیہہ دار کہیں گے، اور دیہہ دار میرا لقب ہو جائے گا، پھر یہ منھ درویشوں کے دکھلانے کے قابل نہ رہے گا، اور میں اُن میں کھڑا نہ ہو سکوں گا۔[1]

حضرت بابا فرید کی تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گذری، اکثر گھر میں فاقہ ہوتا تھا، اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک دن آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ فلاں بچہ بھوک سے ہلاکت کے قریب ہے، فرمایا فرید کیا کرے، اگر تقدیرِ الٰہی یہی ہے تو یہی ہوگا[2]

ایک دفعہ آپ کا کُرتہ بہت ہی پُرانا ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کُرتہ پیش کیا، تھوڑی دیر پہن کر آپ نے وہ کُرتہ شیخ نجیب الدین متوکل[3]

---

[1] راحت القلوب ص ۱۲۲ و فوائد الفواد ص ۵۹

[2] اخبار الاخیار ص ۵۲

[3] شیخ نجیب الدین متوکل شیخ فریدالدین گنج شکر کے بھائی اور خلیفہ تھے انتہا درجے کے متوکل تھے، وہ تقریباً ستر سال شہر میں رہے اور اجناس میں سے کوئی چیز اُن کے یہاں نہ رہتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اُن کے اہل و عیال نہایت خوش زندگی بسر کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ آج کون سا دن ہے، اور کون سا مہینہ ہے، اور یہ درم کون سا درم ہے۔

ایک دفعہ عید کے روز چند درویش اُن کے گھر میں جمع ہوئے۔ اُس وقت شیخ نجیب کے گھر میں کچھ نہ تھا، وہ کوٹھے پر گئے اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دل میں کہنے

کو دے دیا، فرمایا مجھے جو ذوق اس پرانے کرتے میں حاصل

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ (۹۲)

لگے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ عید کا روز اس طرح گزرے، اور میرے بچوں کے منہ میں ایک لقمہ بھی نہ جائے، اور مسافر میرے پاس آئیں اور نامراد واپس چلے جائیں۔ اُن کے دل میں یہ خیال گزرا ہی تھا کہ اچانک ایک پیر مرد کوٹھے پر آیا، اور یہ شعر پڑھنے لگا ؎

با دلِ گفتم دلا خضر را بینی
دل گفت اگر مرا نماید بینم

پھر اُس پیر مرد نے کھانے کا دستر خوان پیش کیا، اور کہا کہ تمھارے توکل کا شہرہ تو عرش پر ملاء اعلیٰ میں ہے اور تعجب ہے کہ تم اس خیال میں پڑے ہوئے ہو! شیخ نجیب متوکل نے کہا کہ خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں یہ خیال اپنے لئے نہیں آیا، بلکہ یہ خیال اُن دوستوں کے لئے تھا جو اس وقت میرے گھر آئے ہوئے ہیں، غالباً وہ پیر مرد خواجہ خضر تھے۔

خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ میں بابا فرید گنج شکر سے بیعت نہیں ہوا تھا، ایک روز میں شیخ نجیب الدین کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے مجلس سے اُٹھتے ہوئے اُن سے عرض کیا کہ آپ میرے لئے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص اس نیت سے پڑھ کر دعا کیجئے کہ میں کسی شہر کا قاضی ہو جاؤں، شیخ نجیب الدین نے اس بات سے اس طرح اغماض فرمایا کہ یہ میں سمجھا کہ آپ نے سُنا ہی نہیں، میں نے دوسری مرتبہ پھر وہی بات عرض کی تو اُنھوں نے ہنس کر فرمایا تم قاضی مت ہو کچھ اور بنو۔

ایک دفعہ شیخ نجیب الدین متوکل نے شیخ فرید گنج شکر سے عرض کیا کہ کہا جاتا ہے کہ

ہوتا تھا، اس نئے کرتے ہیں نہیں [1]

ایک دفعہ آپ کے خادم نے ایک درم کا نمک دوکان دار سے قرض لے کر کھانا پکایا، جب یہ کھانا افطار کے وقت بابا فرید کے سامنے لایا گیا، تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا کہ اس کھانے سے اسراف کی بُو آتی ہے [2]

سیر العارفین میں ہے کہ یہ کھانا آپ کے مرید خاص حضرت خواجہ نظام الدین نے آپ کے لئے تیار کیا تھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس کھانے میں نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ نمک گھر میں موجود نہ تھا میں نے قرض لاکر ڈالا ہے، فرمایا کہ درویشوں کے لئے فاقے سے مرجانا کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ نفس کی لذتوں کے لئے مقروض ہوں، قرض اور توکل میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اگر کسی درویش کو قرض کی حالت میں اچانک موت آجائے تو اس کی گردن قرض کے بوجھ سے جھکی رہے گی۔

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ [3]) خضر علیہ السلام آپ کے پاس آتے ہیں، پھر انھوں نے پوچھا کہ کہا جاتا ہے کہ ابدال آپ کے پاس آتے ہیں، فرمایا تم بھی تو ابدالوں میں سے ایک ہو۔
شیخ نجیب الدین کا مزار یحییٰ منڈل کے مقابل واقع ہے جو سلطان محمد عادل کی بنائی ہوئی عمارتوں سے ایک عمارت ہے، شیخ نظام الدین اور شیخ نجیب الدین کا مکان بھی اسی جگہ تھا (ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۶۰ و ۶۱)

[1] اخبار الاخیار ص ۵۲ [2] اخبار الاخیار ص ۵۲-۵۳

ایک دفعہ خانقاہ میں کچھ درویش آئے۔ گھر میں کھانے کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔ حضرت بابا فرید نے خود ان کے لئے "جو" پیسے اور روٹیاں پکا کر درویشوں کے سامنے رکھیں[1]

آپ کی تبلیغ سے مغربی پنجاب کے کئی قبیلوں سیال، راجپوت، وٹو وغیرہ نے اسلام قبول کیا[2]۔ اور آپ کے رشد و ہدایت سے نہ صرف پنجاب بلکہ شمالی ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہوگیا۔ اور دور دور سے لوگ آکر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ بابا فرید کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کو گھیرے رہتا، آدھی رات تک خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا، اور ہر قسم کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، عوام و خواص، شہری اور لشکری سب کے سب آپ کے بیحد معتقد تھے۔ ناصر الدین محمود کا لشکر جب اجودہن سے گذرا تو بابا فرید سے ان لشکریوں نے بیحد عقیدت کا اظہار کیا۔ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرماتے ہیں :-

درآنچہ سلطان ناصر الدین	جس زمانہ میں سلطان ناصر الدین
جانب اُچہ و ملتان رواں	اُچھ اور ملتان کی جانب روانہ
شد، درمیانِ اجودہن رفت،	ہوا، اور اجودہن (پاک پٹن)
جملہ لشکر روئے بزیارتِ	پہنچا، اس کا تمام لشکر شیخ
شیخ نہادند، تاآں مقام کہ	(بابا فرید) کی زیارت کے

---

[1] بزم صوفیہ ص ۱۳۷

[2] موج کوثر مؤلفہ شیخ اکرام صاحب ص ۲۵۱ بحوالہ گزیٹیر ضلع ملتان و منٹگمری۔

بود از انبوہے حیران شد،
آں گاہ آستین از بامے
جانب کوچہ بیاویختند،
خلق می آمد و می بوسید و
می رفت، تا ہم پارہ پارہ
شد، آں گاہ در مسجد آمدہ
و مریدان را گفت شما گرد
بر گرد من باشید، تا خلق
درون نیایند ہم از دور
سلام کنند، و باز گردند،
مریدان ہم چناں کردند،
تا یکے فراشے پیرے بیامد،
و از مریدان کہ گرد بہ گرد
ایستادہ بودند بگذشت،
در پائے شیخ افتاد، و
پائے مبارک بگرفت و
بکشید تا ببوسد، شیخ را دشوار
آمد، آں فراش گفت،
شیخ المشائخ حضرت شیخ

لئے روانہ ہوا، شیخ (بابا فرید)
اتنا انبوہ دیکھ کر حیران ہو گئے،
اُس وقت شیخ (بابا فرید)
کی آستین کوٹھے پر سے گلی
کی طرف لٹکائی گئی، لوگ
آتے تھے اور بوسہ دے کر
واپس چلے جاتے تھے،
یہاں تک کہ وہ آستین بھی
ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پھر آپ
مسجد میں تشریف لائے۔
اور مریدوں سے کہا کہ میرے
ارد گرد حلقہ باندھو، تاکہ
لوگ اس حلقے کے اندر
نہ آسکیں، اور دور سے
سلام کر کے واپس چلے جائیں
مریدوں نے ارشاد کی تعمیل
کی، یہاں تک کہ ایک بوڑھا
فراش آیا، اور مریدوں کے
حلقے سے گزر کر شیخ کے قدموں

فریدالدین تنگ می آئی ، شکرِ نعمت خدائے تعالےٰ بہ ازیں بگذار، چوں آں فرّاش ایں سخن بگفت، شیخ نعرہ بزد، آں فرّاش را بنواخت، وبسیار معذرت کرد[1]	میں گر پڑا، اور پائے مبارک کو بوسہ دینے کے لئے کھینچا، شیخ (بابا فرید) کو تکلیف ہوئی، اُس فرّاش نے کہا شیخ المشائخ حضرت شیخ فریدالدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اس سے بھی زیادہ ادا کیجئے، جب فرّاش نے یہ بات کہی تو شیخ (بابا فرید) نے نعرہ مارا، فرّاش کے حال پر نوازش فرمائی اور بہت معذرت کی۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت بابا فرید کا مرتبہ بیحد بلند ہے۔ آپ کے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میرے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" کو نہایت عمدگی سے پڑھاتے تھے، جب آپ عوارف کا درس دیتے تو سننے والوں کے ہوش ٹھکانے نہ رہتے، میں نے بھی

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۵-۱۴۶

اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے تھے [۱]

حضرت بابا فرید کی تصنیفات میں آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، ایک راحت القلوب اور دوسرے اسرار الاولیاءؒ راحت القلوب کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اور اسرار الاولیاء کو حضرت بدر الدین اسحاق نے مرتب کیا ہے، یہ دونوں آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق حضرت بابا فرید ۹۵ سال کی عمر میں ۵ محرم ۶۶۴ھ کو واصل اللہ ہوئے [۲]

آپ کے خلفاء میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی [۳]،

---

[۱] فوائد الفواد ص ۷۵ و سیر العارفین ص ۵۷

[۲] آپ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیا اور سیر الاولیاء میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ میں مرقوم ہے۔ تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ ہجری، سیر الاقطاب میں ۶۰۹ھ اور خزینۃ الاصفیاء میں ۶۷۰ھ درج ہے۔

[۳] حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا اسم گرامی محمد اور آپ کے والد کا نام احمد تھا، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت علی سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی نقیؑ بن امام محمد تقی بن امام علی رضاؑ بن امام موسیٰ کاظمؑ

شیخ علاؤالدین علی احمد صابر، شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ نجیب الدین متوکل مشہور ہوئے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵۳) بن امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ بن امام علی زین العابدینؑ بن سیدنا امام حسینؑ بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ۔

آپ کے دادا خواجہ علی بخاری اور نانا سید عرب ہم جد تھے، حضرت خواجہ نظام الدین کے دادا اور نانا دونوں بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آئے۔ پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت اختیار کی، ۲۷ صفر ۶۳۶ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۲۳۸ء کو خواجہ نظام الدین بدایوں میں پیدا ہوئے ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ آپ کے والد نے وفات پائی، آپ کی والدہ بی بی زلیخا بڑی سمجھ دار خاتون تھیں انھوں نے اپنے صاحب زادے کو مکتب میں داخل کرایا، آپ کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ یہیں آپ نے مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنھوں نے دستارِ فضیلت باندھتے وقت اُن میں سے بعض بزرگوں نے پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کا سر کسی کے آگے نہ جھکے گا، بدایوں کی تعلیم کا مرحلہ جب ختم ہوا تو آپ کی والدہ آپ کو دہلی لے کر آئیں، دہلی میں بھی آپ کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، دہلی میں آپ نے مولانا شمس الدین دامغانی شمس الملک سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے اور مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین کو ابتدا ہی سے حضرت بابا فرید گنج شکر سے غیر معمولی عقیدت تھی اس زمانے میں جب کہ مولانا علاؤالدین اصولی سے بدایوں میں تعلیم پا رہے تھے، ایک قوال ابو بکر نامی ملتان سے آپ کے اُستاد کی خدمت میں آیا، اس نے بیان کیا کہ میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے سامنے یہ مصرع پڑھ رہا تھا "لقد لسعت حیۃ الھویٰ کبدی"

ان خلفاء میں تین سے سلسلے جاری ہوئے، حضرت خواجہ نظام الدین

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ ۹۹) مجھے اس کا دوسرا مصراع یاد نہ آیا۔ شیخ نے فوراً مجھے دوسرا مصراع یاد دلایا، پھر اُس نے شیخ بہاؤالدین زکریا کی زہد و عبادت کی تعریف کی، اور کہا کہ وہ ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی کنیزیں بھی چکی پیستے ہوئے ذکرِ الٰہی کرتی ہیں، پھر وہ بہت دیر تک حضرت شیخ زکریا ملتانی کے فضائل بیان کرتا رہا، پھر اُس کے بعد اُس نے کہا کہ میں اجودہن (پاک پٹن) بھی گیا تھا، میں نے وہاں شیخ فریدالدین گنج شکر کو دیکھا کہ ایک رشد و ہدایت کا ماہتاب ہیں جنھوں نے اپنی نورانیت سے عالم کو منور کر رکھا ہے۔ اُس کی یہ بات سن کر خواجہ نظام محبوب الٰہی کے قلب میں بابا فرید گنج شکر کی محبت کا دریا جوش مارنے لگا یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوئی کہ آپ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، حضرت بابا فرید کے نام کا وظیفہ پڑھنے لگے۔ پھر آپ دہلی تشریف لائے، اُس زمانے میں آپ کا قیام ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں تھا، اسی مسجد کے قریب حضرت بابا فرید کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل رہتے تھے، ان کی صحبت میں حضرت خواجہ نظام الدین کے قلب میں بابا فرید کی محبت کا چراغ اور بھی روشن ہوا۔

آخر بابا فرید کی محبت و عقیدت میں اجودھن حاضر ہوئے، جب اجودہن پہنچے تو باباصاحب نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ   سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ شعر ایک تیر تھا جو خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے قلب میں پیوست ہوگیا، اُسی وقت اُٹھے اور بابا فرید کے قدموں پر سر رکھ دیا، خواجہ نظام الدین الٰہی کا بیان

سے نظامیہ، حضرت علاؤ الدین احمد سے صابریہ اور حضرت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ سطہ) ہے کہ مجھ پر اس قدر دہشت کا غلبہ تھا کہ میں اِس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ مجھ پر آپ کی پابوسی کا اشتیاق غالب تھا، جو مجھے آپ کی خدمت میں کھینچ کر لایا ہے، جب بابا فرید نے مجھ میں دہشت کے آثار پائے تو فرمایا (گھبراؤ نہیں) ہر نئے داخل ہونے والے کو دہشت ہوتی ہے، پھر میں نے اُسی روز آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور میں نے آپ سے پوچھا کہ میرے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے، کیا تعلیم کو چھوڑ کر اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو علم سیکھنے سے نہیں روکتے، یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو، پھر دیکھو ان میں سے کون غالب آتا ہے، درویش کو علم کی قدر کرنی چاہیئے خواجہ نظام الدین ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاوّل ۶۵۶ھ تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، اُس وقت آپ کی عمر بیس سال کی، آپ نے قرآن پاک کے چھ پارے تجوید سے بابا فرید سے پڑھے اس کے علاوہ عوارف کے چھ باب پڑھ کر سند حاصل کی، اور ابو شکور سلمی کی تمہید اور بعض دوسری کتابیں بابا فرید سے پڑھیں، بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ میں درویشوں کے سپرد مختلف کام تھے، مولانا بدرالدین اسحاق لنگر خانے کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے تھے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر ویلہ لایا کرتے تھے یہ ایک قسم کا پھل تھا جس میں سرکہ اور نمک ملا کر اچار بنایا جاتا تھا۔ شیخ حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے اور باورچی خانے کے برتن دھوتے تھے: خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اپنے ذمے پکانے کی خدمت لی، ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے

شیخ جمال الدینؒ سے سلسلۂ جمالیہ جاری ہوا، لیکن کچھ دن بعد سلسلۂ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳) بعد بابا فرید گنج شکر نے آپ کو سند خلافت اور وہ کملی جس پر بابا فرید بیٹھتے تھے عطا فرمائی، اور خواجہ نظام الدین دہلی واپس ہوئے۔ اور اشارۂ غیبی کی بنا پر غیاث پور میں سکونت اختیار کی، دہلی سے کئی بار وہ اپنے مرشد کی زیارت کے لئے اجودھن گئے، ایک دفعہ جب آپ اپنے مرشد کی زیارت کے لئے اجودھن حاضر ہوئے تو بابا فرید گنج شکر نے اپنے محبوب مرید کے لئے دعا کی کہ الٰہی جو نظام الدین تجھ سے مانگے وہ اُسے عطا فرما، یہ دُعا قبول ہوئی، اسی لئے آپ "محبوب الٰہی" کہلائے۔ آخری بار جب آپ اپنے مرشد بابا فرید سے ملنے اجودھن گئے تو واپسی کے وقت بابا فرید نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی اور نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ مجاہدے کرتے رہنا۔

جب بابا فرید نے وصال فرمایا تو خواجہ نظام الدین اجودھن میں نہ تھے، لیکن بابا فرید گنج شکر نے وہ عصا اور خرقہ جو آپ کو اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ..... ملا تھا، مولانا بدرالدین اسحاق کی معرفت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے پاس دہلی بھیجا۔ جب خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے موضع غیاث پور میں سکونت اختیار کی تو آپ کی خانقاہ میں نہایت عسرت اور تنگ دستی سے بسر ہوتی تھی، اکثر آپ پر اور آپ کے فقراء پر کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، اُس زمانے میں جن مریدوں نے آپ کی خانقاہ میں رہ کر درجات عالی حاصل کئے اُن میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ

جمالیہ سلسلۂ نظامیہ میں ضم ہوگیا، اور اس طرح دہلی کے بعد حضرت علاؤ الدین صابر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۴۲) کمال الدین یعقوب جو آئندہ چل کر آپ کے خلیفہ ہوئے مشہور ہیں، یہ سب کے سب آپ کے ساتھ فقر و فاقے کی تکلیفیں اٹھاتے تھے، سلطان جلال الدین خلجی کو جب آپ کی عسرت کی خبر ملی تو اس نے آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا، اگر آپ اجازت دیں تو میں فقراء کے لئے کچھ گاؤں نذر کردوں، محبوب الٰہی نے اپنے خانقاہ کے فقراء سے مشورہ کیا، ان جاں نثاروں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے یہاں کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، لیکن اگر یہ گاؤں قبول کرلئے گئے تو ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے، آپ ان کا یہ جواب سن کر بیحد خوش ہوئے۔

اسی زمانے میں جب کہ شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب آپ کی خانقاہ میں مصرف ریاضت تھے، چار روز کا فاقہ آپ پر اور آپ کے فقراء پر ہوگیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو آپ سے بیعت بھی تھیں کچھ آٹا بھجوایا، شیخ کمال الدین یعقوب نے اس کو ایک مٹی کے برتن میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اتفاقاً اسی وقت ایک دلق پوش درویش آیا۔ اور اس نے کچھ کھانے کے لئے مانگا، حضرت محبوب الٰہی نے اس برتن کو اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا، درویش نے اس برتن سے کچھ گرم گرم لقمے منھ میں ڈالے، پھر اس برتن کو زمین پر پٹک کر یہ کہتا ہوا غائب ہوگیا۔

شیخ فریدالدین گنج شکر نعمتِ باطن	شیخ فریدالدین گنج شکر نے شیخ
شیخ نظام الدین اولیا ارزانی داشت	نظام الدین اولیاء کو نعمتِ باطنی عطا
ومن دیگ فقر ظاہری او بشکستم،	کی ہے لیکن میں نے ان کی فقر ظاہری کی
حالا سلطان ظاہری و باطنی شد۔	دیگ توڑدی اب وہ ظاہر اور باطن کا

کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کا تیسرا عظیم مرکز کلیر شریف میں قائم ہوا، حضرت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۳) سلطان ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی تنگ دستی اور عسرت بالکل جاتی رہی۔

اسی زمانے میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے قریب کیلوکھڑی میں ایک محل بنوایا اور ایک شہر آباد کیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کا وہاں ہجوم رہنے لگا، اور خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں بادشاہ، اُمرا، اور عوام کثرت سے آنے لگے، جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت وہاں سے گھبرانے لگی، اور آپ کو خیال پیدا ہوا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جانا چاہیئے، خواجہ محبوب الٰہی اسی فکر میں تھے کہ ایک روز ایک خوبصورت نوجوان آپ کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی   کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دلے خلقے بربود   در گوشہ نشست نمی دارد سود

سیر الاولیاء میں ہے کہ یہ اشعار پڑھنے کے بعد اُس نوجوان نے کہا۔

اول مشہور نمی بایستے شد، چوں ایں کس مشہور شد، چناں سعی کند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرمندہ نگردد، واز خلق گوشہ گرفتن وبحق مشغول شدن سہل ست، اما مردانگی وکارِ مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد، وباوجود انبوہ خلق ومشغولی خلل نیفتد (سیر الاولیا ص ۱۱۱ و سیر العارفین ص ۱۲۵)

اخبار الاخیار میں خواجہ محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ وہ نوجوان جب یہ کہہ چکا تو میں اُس کے لئے کچھ کھانا لایا، لیکن اُس نے نہ کھایا، میں نے اُسی وقت نیت کی کہ

بابا فرید کے بعد آپ کے ان دونوں خلفاء حضرت محبوب الٰہی اور حضرت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۳) اب میں غیاث پور سے کہیں نہ جاؤں گا، جب میں نے یہ نیت کی تب اُس نے کچھ کھایا پیا، پھر میں نے اس نوجوان کو کبھی نہیں دیکھا اس کے بعد آپ آخر عمر تک غیاث پور ہی مقیم رہے، اور مریدوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم روز بروز بڑھنے لگا، سیر العارفین میں ہے کہ:۔

اکثر دولت مند اُمرا جو فسق و فجور میں پڑے ہوئے تھے، اپنے افعالِ شنیعہ سے تائب ہو کر وہیں رہنے لگے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا ابتدائی زمانہ عہدِ غلامان میں گذرا لیکن خلجیوں کے دورِ حکومت میں آپ کی غیر معمولی شہرت ہوئی، شاہانِ وقت آپ کی ملاقات کو اپنا شرف سمجھتے تھے، لیکن آپ نے اُن سے ملنا کسی حال میں پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی خواہش کی لیکن آپ نے ٹال دیا۔

ایک بار علاء الدین خلجی کا ایک امیر بادشاہ کی طرف سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذر لایا، اتفاقاً جس وقت وہ رقم لے کر پہنچا، حضرت محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی مشکل عقدے کو حل کرنے والے تھے، جس کا آپ وعدہ فرما چکے تھے، اس رقم کو دیکھ کر آپ نے فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں، یا اپنا وعدہ پورا کروں، مریدوں نے عرض کیا کہ وعدے کا پورا کرنا آٹھ جنتوں سے بہتر ہے، چہ جائے کہ پچاس ہزار ٹنکے۔

سلطان علاؤالدین نے اپنے ایک امیر قرا بیگ کو ہدایت دی تھی کہ وہ حضرت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳) محبوب الٰہی کی محفلِ سماع میں شریک ہوا کرے، اور اُن کو جن اشعار پر وجد آئے لکھ لیا کرے، اور آکر اُسے سنایا کرے، کیونکہ وہ ان اشعار کو سُن کر ایک کیف محسوس کرتا تھا، ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے اِن اشعار پر وجد آیا ؂

بیش من ما جمالِ جاں افروز ۔۔۔ ور نمودی بر و سپند بسوز

آں جمالِ تو چیست ہستیِ تو ۔۔۔ واں سپندِ تو چیست مستیِ تو

فرابیگ نے یہ شعر لکھ کر سلطان علاؤ ین کے سامنے پیش کئے سلطان علاؤالدین اِن اشعار کو بار بار پڑھتا اور آنکھوں سے لگاتا تھا، فرابیگ نے کہا کہ حضور تعجب ہے کہ اِس عقیدت و محبت کے باوجود آپ نے حضرت محبوب الٰہی سے ملاقات نہیں کی، سلطان علاءالدین نے جواب دیا فرابیگ! میں بادشاہ ہوں سر سے پیر تک دنیا میں آلودہ ہوں، اس آلودگی کی وجہ سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس جیسی پاک ہستی کو دیکھوں۔

آپ نے سلطان علاؤالدین کے بعد جن بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اُن کے نام یہ ہیں: قطب الدین مبارک شاہ، خسرو خاں، سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمد تغلق۔

وفات سے چالیس روز پہلے حضرت محبوب الٰہی نے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے، جب لوگ کھانے کے لئے اصرار کرتے تو فرماتے جو شخص حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشتاق ہو، وہ دنیا کے کھانے کو کیا کھائے، مرض کی شدّت ہوئی تو لوگوں نے دوا پینے کے لئے کہا، فرمایا: ؏

دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

دیا، اور ان دونوں بزرگوں کی بدولت ہندو پاکستان کے ہر گوشے میں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳ ص)

وصال کے دن لنگر خانہ اور آپ کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں، تاکہ خدا کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، آپ کے خادم نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا، آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا۔ اس کو بھی لٹا دو، اور توشے خانوں میں جھاڑو دے دو، نماز کا وقت آتا تو ایک نماز کئی کئی دفعہ ادا کرتے پھر بھی تسکین نہ ہوتی اور فرماتے۔ می رویم می رویم می رویم۔

وفات سے کچھ پہلے مختلف تبرکات مختلف خلفاء کو عطا کئے، اور انھیں خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو حضرت بابا فرید گنج شکر کا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح اور لکڑی کا پیالہ عنایت کر کے فرمایا، تمھیں دہلی میں رہنا چاہئے اور لوگوں کی جفائیں سہنی چاہئیں۔

خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے ۱۸ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ کو وصال فرمایا، آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے، روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد تغلق نے بنوائی۔

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، اُن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی: حضرت امیر خسرو، حضرت شیخ قطب الدین منور (ہانسی) حضرت شیخ حسام الدین منور (ہانسی) حضرت شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پٹن) حضرت شیخ برہان الدین غریب، حضرت شیخ حسام الدین سوختہ: شیخ اخی سراج الدین، حضرت خواجہ شمس الدین دھاری، حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر اور شیخ منتخب الدین (خلد آباد) ان خلفاء نے ہندوستان میں اپنی تبلیغی جد و جہد سے سلسلہ نظامیہ کو غیر معمولی فروغ دیا۔

چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳۵)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی نے ، دہلی ، اودھ ، پنجاب اور گجرات میں سلسلۂ نظامیہ کے فیوض و برکات کو عام کیا ، شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور بہار و آسام میں مذہبی اور روحانی اثرات پھیلائے۔ حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اسلامی تعلیمات سے منور کیا ، آپ کے خلفاء سلسلے کے فروغ و ترقی کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام بھی کرتے تھے ، چنانچہ خواجہ برہان الدین نے دکن میں ، اور شیخ شرف الدین بو علی قلندر نے پانی پت میں بہت سے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کے چار مجموعے ہیں ، جن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) فوائد الفواد (۲) افضل الفواد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیا۔

فوائد الفواد کو آپ کے خلیفہ اور فارسی کے عظیم نثر شاعر خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا تھا ، اس مجموعے میں ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک کے ملفوظات ہیں ، یہ مجموعہ ہر زمانے میں مقبول رہا ہے ، تاریخ فرشتے میں ہے کہ امیر خسرو اس مجموعے کے متعلق کہا کرتے تھے۔

کاش تشریف قبول و تحسین آں نسخہ و تصنیفِ آں بمن منسوب گشتے و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدے۔

تاریخ فیروز شاہی کا مؤلف ضیا الدین برنی اپنی کتاب میں فوائد الفواد پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے۔

دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ ست۔

مراۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبد الرحمٰن چشتی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلۂ ۳)

امروز آں فوائد الفواد مقبول اہلِ دلان عالم شدہ است و دستور عاشقان گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ۔

متاخر تذکرہ نگار مفتی غلام سرور، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے ان الفاظ میں اس مجموعے پر اظہار خیال کیا ہے۔

کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ وے خواجہ حسن ست و بغایت مقبول اُفتادہ۔

(۲) افضل الفواد کو آپ کے دوسرے محبوب خلیفہ اور فارسی و ہندی کے بے مثل شاعر حضرت امیر خسرو نے مرتب کیا تھا، لیکن یہ فوائد الفواد کی طرح مقبولیت نہ حاصل کرسکا۔

(۳) راحت المحبین، یہ ملفوظات ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ہیں جسے آپ کے ایک نامعلوم مرید نے ترتیب دیا تھا۔

(۴) سیر الاولیاء۔ اس کتاب کے مؤلف خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد ہیں جو حضرت محبوب الٰہی کے مرید تھے، اس کتاب میں خواجگان چشت کے حالات لکھے ہیں اور حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات بھی۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۵۴ تا ۶۰ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۲۸ تا ۳۳۹ و بزم صوفیہ ص ۱۸۰ تا ۲۴۴)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۰۶ نمبر ۱۵) شیخ جمال الدین احمد ہانسوی۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں، اُن کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱)

ابوحنیفہ کوفی سے جا ملتا ہے، علوم ظاہری و باطنی میں جامع کمالات تھے، بابا فرید گنج شکر اُن سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ صرف شیخ جمال کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک وہ ہانسی میں مقیم رہے، فرمایا کرتے تھے کہ جمال ہمارا جمال ہے، کبھی فرماتے کہ جمال! میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سر کے گرد گھوموں، بابا فرید کی نظر میں اُن کا مقام اس قدر بلند تھا کہ جب کسی کو سندِ خلافت عطا فرماتے، تو اس کی توثیق و تصدیق کے لیئے شیخ جمال ہانسوی کے پاس بھیجتے، اگر وہ توثیق فرما دیتے تو اُس کی خلافت مسلّم ہو جاتی اگر وہ رد فرما دیتے تو اُس کی خلافت جائز نہ سمجھی جاتی تھی، اس پر فرمایا کرتے تھے کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو فرید نہیں سی سکتا۔

خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جیسے کہ شیخ جمال ہانسوی نے یہ حدیث کہ القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار (قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے) سنی تھی، عذابِ قبر سے حد درجہ خائف رہتے تھے، شیخ جمال ہانسوی نے ۶۵۹ھ میں وصال فرمایا، اُن کا مزار پُر انوار ہانسی میں ہے۔

شیخ جمال شاعر اور صاحبِ تصنیف بزرگ تھے، اُن کا ضخیم فارسی دیوان شائع ہو چکا ہے، ان کی تصانیف میں ایک رسالہ مسجع عربی میں ملہمات، کے نام سے ہے اُن کے صاحبزادے میں شیخ برہان الدین صوفی تھے، جب شیخ جمال نے وفات پائی اُس وقت بچے تھے، لوگ انہیں بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں لائے، بابا صاحب اُن سے نہایت لطف و عنایت سے پیش آئے، خلافت نامہ اور وہ مصلّا و عصا جو شیخ جمال

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۱۱۵) کو بھجوایا تھا، اُن کے صاحبزادے شیخ برہان الدین کو عطا فرمایا، اور حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کو ان کے متعلق وصیت فرمائی، چنانچہ وہ ہر سال شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر تربیت حاصل کرتے تھے۔

ان کے علاوہ شیخ جمال الدین کے ایک اور صاحبزادے بھی تھے جو دیوانے ہو گئے تھے، حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ وہ کبھی کبھی ہوش میں آتے، اُس وقت نہایت سمجھ کی باتیں کرتے تھے، میں نے ایک دن اُنھیں کہتے سُنا کہ العلم حجاب الاکبر، اُن کے یہ کہتے ہی میں نے اندازہ کر لیا کہ وہ واقعی مجذوب ہیں، پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ علم کیسے حجاب اکبر ہے انھوں نے کہا: "علم دون حق ست و ہرچہ دون حق ست حجاب حق ست۔

(اخبار الاخیار ص ۶۸-۶۹ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۵۸۵-۵۸۶)

صابریہ سلسلہ

مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری

صابریہ سلسلے کے موسس لور ربانی حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری ہیں لیکن صابریہ سلسلہ کی ابتدائی تاریخ اور حالات میں ایک تذکرہ نگار کو سب سے بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ خود مخدوم علاؤ الدین صابر کے حالات بہت کچھ پردۂ خفا میں ہیں۔ قدیم تذکروں میں اُن کے حالات بہت مختصر بیان کئے گئے، متاخر تذکرہ نگاروں نے اگرچہ بڑی تفصیل سے اُن کے حالات لکھے ہیں، لیکن اُن کے ماخذ یا تو سماعی روایات ہیں یا کشف۔ ان تذکروں پر اعتماد کرنا ایک محتاط تذکرہ نگار کے لئے مشکل ہے۔ اِس لئے ہمیں جو آپ کے حالات ملتے ہیں اُن پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر حضرت بابا فرید گنج شکر کے حقیقی بھانجے، اور داماد اور آپ کے جلیل القدر خلفاء میں تھے ۱۱۹۶ء میں موضع کھوتوال میں پیدا ہوئے، حضرت بابا فرید نے اُن کو نہایت شفقت سے تعلیم دی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ حضرت بابا فرید اکثر اُن کے متعلق فرماتے کہ میرے علوم ظاہری و باطنی شیخ نظام الدین میں اور میرے پیروں کے علوم ظاہری

وباطنی شیخ علاؤالدین صابر میں سرایت کئے ہوئے ہیں، ایک دفعہ فرمایا کہ میرے سینے کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو اور میرے قلب کا علم خواجہ احمد کو پہنچا۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کے حالات جو سیرالاولیاء کے حوالے سے نقل کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

سیرالاولیا میں ہے کہ ایک درویش ثابت قدم اور صاحب نعمت حضرت شیخ فریدالدین کا مرید تھا، حضرت شیخ فریدالدین نے جب اُس کو بیعت کی اجازت دی تو فرمایا صابر! تمھاری زندگی خوشی سے بسر ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا اُس بزرگ کی زندگی بڑے عیش سے گزری، وہ شخص نہایت خوش باش اور ہنس مکھ تھا۔[2]

یہ حالات بیان کرنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان بزرگ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

غالباً یہ شیخ صابر اُن بزرگ کے علاوہ ہیں جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے بھانجے اور داماد تھے اور جن کی قبر کلیر میں واقع ہے اور اُن کا نام بھی شیخ علی صابر تھا، اور شیخ عبدالقدوس وغیرہ کا سلسلہ اُنہی پر منتہی ہوتا ہے، ان کا تذکرہ صاحب سیرالاولیاء نے نہیں کیا، صاحب سیرالاولیاء

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۱۳ تا ۳۱۹ [2] اخبار الاخیار ص ۶۹

کا اپنی کتاب میں اُن کا تذکرہ نہ کرنا باعثِ تعجب ہے اور ممکن ہے کہ یہ شیخ صابر وہی شیخ علی صابر ہوں (جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے بھانجے اور داماد تھے) واللہ اعلم[1]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں ان بزرگ کے متعلق سیرالاولیاء کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ سیرالاولیاء میں اس قدر اضافہ ہے کہ۔

ایک درویش صاحب نعمت شیخ علی صابر درویشی میں ثابت قدم اور مستجاب الدعوات قصبہ ڈبکہری کا رہنے والا شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کا مرید تھا۔ رخصت ہوتے وقت یاروں نے وصیت کی درخواست کی تو ہرایک کو خاص خاص وصیت فرمائی، جب شیخ علی صابر نے وصیت کی درخواست کی تو شیخ الشیوخ العالم نے فرمایا کہ جاؤ زندگی خوشی سے بسر ہوگی[2]۔

مخدوم علاءالدین صابر کے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ آپ پر محویت اور استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر نے حضرت مخدوم علاءالدین صابر کو خلافت عطا کرنے کے بعد کلیر جانے کا حکم دیا، جب آپ کلیر تشریف لائے تو وہاں کے علماء اور مشائخ نے آپ کا انکار کیا، اور آپ کے

---

[1] اخبارالاخیار ص ۶۹ [2] سیرالاولیاء

خادموں اور مریدوں کو ایذا پہنچائی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت صابر
اپنے مریدوں کے ساتھ نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد تشریف لائے،
اور صفِ اوّل میں بیٹھ گئے، جب کلیر کے علماء و مشائخ آئے تو انھیں
اپنی جگہ دوسروں کو بیٹھے دیکھ کر نہایت غصّہ آیا، اور انھوں نے آپ
کے خادموں سے کہا، یہاں سے اُٹھو، اور اپنے مناسب حال جگہ پر
بیٹھو، خادموں نے جواب دیا، ہم پہلے یہاں آئے ہیں جب یہ جگہ خالی
تھی، تم بعد میں آئے ہو لہٰذا تم خود دوسری جگہ بیٹھو، علماء نے نہایت
درشت لہجے میں جواب دیا کہ یہ جگہ ہمارے بیٹھنے کی ہے، کوئی دوسرا
اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا، جب گفتگو بڑھی تو حضرت مخدوم علی احمد صابر
نے مراقبے سے سر اُٹھایا، اور فرمایا اس شہر کا صاحبِ ولایت اس جگہ
بیٹھنے کا مستحق ہے، اُنھوں نے کہا کہ تمھاری دلیل کیا ہے؟ آپ اُسی وقت
اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد سے باہر آگئے، آپ نے فرمایا کہ ہماری ولایت کی
دلیل یہ ہے کہ تم سب اسی ساعت مر جاؤ گے بلکہ اس شہر کا کوئی متنفس
زندہ نہ رہے گا اور ایک طویل مدّت تک یہ شہر آباد نہ ہو سکے گا، آپ
کے اس ارشاد کے بعد ہی مسجد کی چھت گر پڑی اور وہ سب دب کر
ہلاک ہو گئے، باقی شہر کے رہنے والے طاعون میں ہلاک ہوئے
اور کلیر ویران ہو گیا۔ پھر ایک طویل عرصہ کے بعد یہ شہر از سرِ نو
آباد ہوا، پہلے آپ کی درگاہ کے مجاوروں نے وہاں سکونت
اختیار کی، اور اس شہر نے نئے سرے سے ویرانِ کلیر

کے نام سے شہرت پائی۔[1]

یہ اور اس قسم کی بہت سی روایتیں ہیں آپ کے حالات میں متاخر تذکروں میں ملتی ہیں، لیکن استناد کے اعتبار سے یہ روایتیں مشتبہ ہیں اور اُن پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

صاحب معارج الولایت کی روایت کے مطابق آپ سلطان جلال الدین[2] خلجی کے عہد میں ۶۹۶ھ / ۱۲۹۱ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔

ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ کلیر کی ویرانی کے بعد سالہا سال تک حضرت مخدوم علاء الدین صابر کے مزار مبارک تک کوئی نہ جا سکتا تھا، سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی آپ کے روضۂ مبارک پر بغرض زیارت حاضر ہوئے اور اُس وقت سے اب تک حضرت مخدوم صابر کی درگاہ کی سجّادگی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد میں چلی آتی ہے۔ شاہ امتیاز جہاں سجّادہ نشین درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے راقم الحروف سے ایک مرتبہ اس کی تفصیل بیان کی تھی، جو بعد میں اُنھوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے عرس کے موقع پر ۱۹۵۷ء میں شائع بھی کی تھی، ان کا بیان ہے کہ ۹۳۲ھ سے ۹۴۴ھ تک یعنی اپنی وفات تک شیخ عبدالقدوس گنگوہی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل بحوالہ معارج الولایت ص ۳۱۷ تا ۳۱۹

[2] سلطان جلال الدین خلجی چنگیز خاں کے داماد خالج خاں کی اولاد سے تھا، ابتدائً سلطان غیاث الدین کے ملازموں میں منسلک تھا، آخر ترقی کرتے کرتے ۶۸۸ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، اور ۶۹۵ھ میں اپنے داماد اور بھائی کے لڑکے علاؤالدین خلجی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (تاریخ معصومی ص ۲۴)

حضرت مخدوم علاؤ الدین صابر کی درگاہ کے فرائض سجادگی و تولیت انجام دیتے رہے، اِس کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید الدین اس خدمت پر بحیثیت سجادہ مامور ہوئے اس کے بعد شیخ عبد الصمد، شیخ فتح اللہ، شاہ محمد طاہر، شاہ عبد الاحد یکے بعد دیگرے سجادہ نشین درگاہِ حضرت مخدوم صابر ہوئے، پھر یہ خدمت بروئے معاہدہ باہمی مصدقہ شیخ ابو العلی صدر الصدور احمد شاہ بادشاہ مورخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۶۴ھ کو شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد میں شیخ علی رضا خلف شاہ غلام احمد کے تفویض ہوئی جو شاہ محمد صادق کے پڑپوتے تھے، اور جن کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے، انہیں کی اولاد میں شاہ اعجاز احمد موجودہ سجادے درگاہ مخدوم علاؤ الدین صابر کلیری ہیں۔

خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی

مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری کے بعد اُن کے جانشین و خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے جنھوں نے سلسلہ صابریہ کو وسعت اور رونق دی، صاحبِ معارج الولایت کا بیان ہے کہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی، شیخ احمد یسوی کی اولاد میں ہیں، اور اُن کا سلسلہ چند واسطوں کے بعد محمد بن حنفیہ کے ذریعہ سے حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے، علوم ظاہری کے حصول کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں ترکستان سے نکلے، اور اکثر بزرگانِ ماوراء النہر کی خدمت میں ہونے

ہوئے ہندوستان پہنچے۔ جب اُنھوں نے کلیر میں حضرت مخدوم علاءالدین صابر کو دیکھا تو وہ آپ کے مرید ہو گئے، اور ایک طویل عرصے تک آپ کی خدمت میں رہ کر فیوضِ باطنی اور خرق وکرامات سے مشرف ہوتے رہے۔ جب حضرت مخدوم صابرؒ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے اُن کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور حکم دیا کہ میری وفات کے تین روز بعد پانی پت چلے جاؤ۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ وہاں کے صاحبِ ولایت بوعلی قلندرؒ ہیں، میرا وہاں رہنا کس طرح ممکن ہوگا، آپ نے فرمایا کہ ان کی ولایت اب آخر منزل کو پہنچ رہی ہے، جب تم وہاں پہنچو گے وہ شہر سے نکل آئیں گے۔ چنانچہ حضرت مخدوم صابرؒ کی وفات کے تین روز بعد آپ پانی پت پہنچے، حضرت بوعلی قلندرؒ نہایت محبت سے اُن سے ملے، یہ شاہ بوعلی قلندرؒ کے حجرے میں مقیم ہوئے، اور حضرت بوعلی قلندرؒ شہر سے باہر رہنے لگے، اور آپ پانی پت ہی میں ساری عمر ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے، اس طرح کلیر کے بعد سلسلۂ صابریہ کا تیسرا مرکز پانی پت بنا اور وہاں سے عرفان و ہدایت کے چشمے جاری ہوئے۔

بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک سلطان غیاث الدین بلبنؒ[1] کی فوج میں بھی رہے تھے۔

---

[1] سلطان غیاث الدین بلبن شمس الدین التمش کے زر خرید غلاموں میں تھا اور بندگانِ چہل گانی میں تھا ۶۶۲ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا اور ۶۸۶ھ میں وفات پائی (سیر المتاخرین ص ۱۱)

خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی نے بروایت سیر الاقطاب و معارج الولایت و تذکرۃ العاشقین ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔[1]

حضرت شیخ جلال پانی پتی

خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے بعد، اُن کے مرید و خلیفہ شیخ جلال پانی پتی مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کا اسم گرامی محمد بن محمود تھا، لیکن اپنے مرشد سے جلال الدین کا خطاب پایا تھا، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت عثمان بن عفان رضؓ سے جا ملتا ہے، صاحبِ استغراق تھے جب نماز کا وقت آتا خدام حق حق حق کی آواز کان میں بلند کرتے آپ وضو کرکے نماز ادا فرماتے، پھر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی، اثر و تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ زبان سے فرماتے وہی ہو جاتا، مقبولیت کی یہ کیفیت تھی کہ معارج الولایت میں ہے کہ۔

مردمان از ہر جانب روئے یا ومی آوردند، و نذر و فتوح بے شمار آوردند

سلسلۂ صابریہ کو وسیع کرنے اور اس کو فروغ دینے میں شیخ

---

[1] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء ص ۳۲۱ تا ۳۲۴ سے ماخوذ ہے، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے شاہ بوعلی قلندر اور آپ کی ملاقات کے سلسلے میں تفصیل سے واقعات لکھے ہیں، لیکن ہم نے اختصار کے ساتھ ان کو یہاں نقل کر دیا ہے۔

جلال پانی پتی کا نام نمایاں نظر آتا ہے، آپ کے چالیس خلفاء تھے جنہوں نے اس سلسلہ کے فروغ و ترقی میں کافی جد و جہد کی، صاحب تصنیف تھے، زاد الابرار آپ کی تصنیف ہے۔ شیخ جلال دو مرتبہ حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔ صاحب سیر الاقطاب نے ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جذبہ قوی داشت، و نظرے مؤثر، و تصرفے غالب۔

آپ ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ/۱۳۶۴ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار پانی پت میں ہے[۱]۔

شیخ جلال پانی پتی کے پانچ صاحب زادے تھے، پہلے خواجہ عبدالقادر، دوسرے خواجہ ابراہیم، تیسرے خواجہ شبلی[۲]، چوتھے خواجہ کریم الدین، پانچویں خواجہ عبدالواحد۔ ان پانچوں صاحب زادوں کے مزارات پانی پت میں ہیں[۳]۔ صاحب زادوں میں سے خواجہ کریم الدین اور خواجہ عبدالواحد نے لاولد وفات پائی[۴]۔

خلفاء تذکرہ نگاروں نے اُن کے خلفاء کی تعداد چالیس لکھی ہے، صاحب سیر الاقطاب نے اُن میں سے بعض خلفاء کے نام اور اُن کے

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص ۳۶۱ تا ۳۶۵ اور تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۶ سے ماخوذ ہے۔

[۲] شیخ شبلی اپنے والد کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، صاحب خزینۃ الاصفیا نے ان الفاظ میں شیخ شبلی کو سراہا ہے۔

مدفن کی تفصیلات بیان کی ہیں جسے ہم بعینہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) خواجہ عبدالقادر، صاحبزادہ شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۲)

عالم بعلوم شریعت و حقیقت بود، در فقہ شانے عظیم و رتبۂ عالی داشت و در تجرید و تفرید یگانہ زمانے و از اہل دنیا احتراز کلی می نمود۔

صاحبِ سیرالاقطاب نے شیخ شبلی کو اِن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:۔

آں غواصِ دریائے دین و آں دُرِ بحرِ یقین، آں شمع راہ درویشاں آں نونہال باغ چشتیاں، آں ہمدم نسیم وصال آں محرم حریم ذوالجلال، آں شیخ شیخ الطریقت آں اجمال وصول حقیقت، آں مقبول طوائف اولیاء، آں مخصوص لطائف اصفیاء، شیخ الطریقت حضرت خواجہ شبلی بن حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتی قدس اللہ سرہٗ کہ در علم شریعت و طریقت کامل بود ہمیشہ بخدائے عز و جل اشتغال داشتنے۔

حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء کی وفات کے بعد اُن کی جگہ چند روز اُن کے منجھلے صاحبزادے خواجہ ابراہیم نے سجادۂ مشیخت کو زینت بخشی، لیکن وہ اپنے چھوٹے بھائی خواجہ شبلی کے حق میں سجادگی سے دست بردار ہوگئے، اس طرح خواجہ شبلی اپنے والد کی جگہ مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے، خواجہ شبلی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے، وقار، استقامت اور توکل کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے، اُمراء اور دولت مندوں کے دروازوں پر مطلقاً نہ جاتے تھے، علماء، فضلاء، اور فقراء اُن کی صحبت میں رہ کر کسب

والدہ کے بائیں جانب پانی پت حضرت سید محمود کے روضے میں مدفون ہیں۔

(۲) خواجہ ابراہیم صاحبزادہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیا، اپنے والد کے روضۂ مبارک میں اُن کے بائیں جانب مدفون ہیں۔

(۳) خواجہ شبلی، صاحب زادہ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء و صاحب سجادہ حضرت شیخ جلال اپنے والد کے دائیں جانب محو استراحت ہیں۔

(۴) حضرت خواجہ کریم الدین۔ صاحبزادہ حضرت شیخ جلال الدین

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲) فیض کرتے تھے وجد و سماع سے غیر معمولی ذوق رکھتے تھے، ان کے دونوں پاؤں اگرچہ کسی عارضۂ جسمانی کی وجہ سے بیکار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اٹھ نہ سکتے تھے۔ لیکن محفلِ سماع میں جب اُن پر کیفیت طاری ہوتی تو بے اختیار کھڑے ہو جاتے اور اس طرح وجد کرنے لگتے جس طرح تندرست کرتے ہیں۔

ایک دفعہ اُن کے چچا شیخ ادریس مجلس سماع میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ خواجہ شبلی وجد کر رہے ہیں، شیخ ادریس نے اُن کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اُن سے فرمایا شبلی! تمہارے اس وجد نے لوگوں میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ تم اُن پر اپنی کرامت کا سکہ بٹھانا چاہتے ہو۔ خواجہ شبلی اُسی وقت بیٹھ گئے، پھر اپنی زندگی میں کبھی وجد کے لئے نہ اُٹھے۔ خواجہ شبلی نے ۷ ربیع الاوّل ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ خواجہ شبلی کے کئی صاحبزادے تھے اور خلفاء کی تعداد بھی کثیر تھی۔ (ماخوذ از سیر الاقطاب ص ۲۲۶-۲۲۷ و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۹۲)

۵۳ خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۳۶۴۔ ۵۴ سیر الاقطاب ص ۲۰۸

کبیرالاولیا۔ روضۂ سید محمود میں اپنی والدہ اور اپنے بھائی سید عبدالقادر کے برابر مدفون ہیں۔

(۵) حضرت خواجہ عبدالواحدؒ صاحبزادہ حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاؒ حضرت شیخ جلال الدین کے روضۂ مطہرہ کے باہر دروازے کے متصل مدفون ہیں۔

(۶) شیخ المشائخ مخدوم شیخ خلیفہ شیخ جلال پانی پتی قصبۂ اندری میں مدفون ہیں۔

(۷) حضرت شیخ احمد قلندر خلیفہ حضرت شیخ جلال الدین قلعۂ ملتان کے عقب میں مدفون ہیں۔

(۸) حضرت شیخ احمد عبدالحق کا مزار مبارک ردولی میں ہے۔

(۹) حضرت شیخ بہرام قصبہ بڈولی میں مدفون ہیں۔

(۱۰) حضرت شیخ شہاب الدین جھنجانوی کا مزار قصبہ جھنجانہ ضلع مظفرنگر میں واقع ہے۔

(۱۱) حضرت سید موسیٰ بہاری بہار میں مدفون ہیں۔

(۱۲) قاضی محمد اولیا سلطان پوری، سلطان پور مضافاتِ کرنال میں مدفون ہیں۔

(۱۳) شیخ شعیب نبیرۂ قاضی محمد اولیا کا مزار سونی پت میں ہے۔

(۱۴) شیخ حسن موضع نہرہ پرگنہ بیانہ میں محو استراحت ہیں۔

(۱۵) شیخ عبدالصمد سنامی، جو اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء کے ملفوظات کے جامع و مرتب بھی ہیں سنام میں محو استراحت ہیں۔

(۱۶) حضرت سید محمود۔ حضرت قطب ابدال مخدوم شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کے روضۂ مبارک کے متصل مدفون ہیں۔

(۱۷) حضرت شیخ نظام سنا کا مزار سنام میں ہے۔

(۱۸) حضرت شیخ برن پوری بھی سنام میں محو استراحت ہیں۔

(۱۹) حضرت شیخ سراج الدین، حضرت قطب ابدال مخدوم شیخ شیخ اشرف الدین بوعلی قلندر کے روضۂ منورہ کے قدیم دروازے کے متصل جانب شمال آسودۂ خواب۔

(۲۰) شیخ پیر کنبا شہر سے متصل محل رانی کے قریب مدفون ہیں [۱]
سیر الاقطاب میں ہے کہ یوں تو آپ کے تمام خلفاء ولایت کے آفتاب و ماہتاب تھے، لیکن ان میں سے افضل تر اور کامل ترین تھے، حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی، شیخ نظام سنامی [۲] اور شیخ بہرام بڈولوی [۳]۔

---

[۱] خلفاء کی یہ تمام تفصیل سیر الاقطاب ص ۲۱۳ سے ماخوذ ہے۔

[۲] عمدۃ العارفین حضرت شیخ نظام سنامی صاحب علم و فضل اور حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، یہ تیس سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، اور پھر خلافت سے مشرف ہو کر اپنے وطن سنام میں سکونت پذیر ہوئے، انھوں نے اپنے شیخ کی حیات ہی میں وفات پائی۔ ایک مرتبہ خود حضرت شیخ ان کے مزار مبارک پر فاتحہ کے لئے تشریف لے گئے، شیخ نظام کا مزار سنام میں ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۲۲۵ - ۲۲۶)

[۳] شیخ بہرام بڈولوی حضرت کبیر الاولیاء کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے، اپنے وقت کے عالم و فاضل اور عارف کامل تھے، یہ اپنے پیر سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد ابتداءً قصبہ برناوہ میں مقیم ہوئے۔ اسی زمانے میں دریائے جمنا بڈولی کی طرف بڑھنے

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی صاحب توشہ

حضرت شیخ جلال پانی پتی کے خلفاء میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی کا نام سب سے زیادہ جلی نظر آتا ہے، اُن کے دور میں سلسلۂ صابریہ کو غیر معمولی وسعت، ترقی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اخبارالاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان الفاظ میں اُن کا ذکر کیا ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳) لگا، وہاں کے لوگ پریشان ہو کر حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ بڈولی تشریف لے چلیں تاکہ آپ کے قدم مبارک کی برکت کی وجہ سے ہم اس مصیبت سے نجات پاسکیں، آپ نے فرمایا کہ میرا فی الوقت جانا ممکن نہیں، لیکن تم میرا یہ خط شیخ بہرام کے پاس برناوہ لے کر جاؤ وہ تمہاری ساتھ جائیں گے، چنانچہ یہ لوگ آپ کا خط لے کر برناوہ آئے، اور شیخ بہرام کو دیا، شیخ بہرام نے اُس خط کو سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور فوراً اپنے شیخ کی تعمیلِ ارشاد میں ان لوگوں کے ساتھ بڈولی روانہ ہو گئے، خدا کی شان کہ اُن کی تشریف لانے کے دوسرے ہی دن دریا نے اپنا رُخ بڈولی سے دوسری طرف بدل لیا، اور بڈولی کے رہنے والوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیخ بہرام کو یہ جگہ پسند آئی اور بڈولی ہی میں مقیم ہو گئے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ شیخ بہرام نے ۸۵۵ھ میں وفات پائی، اُن کا مزار پُرانوار بڈولی میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ (سیرالاقطاب ص ۲۲۳ اور سنہ وفات خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۹۵ سے ماخوذ ہے)

مرید شیخ جلال پانی پتی ست، درویش صاحبِ تصرف و
مظہر خوارق وعادات وکرامات وصاحبِ شوق وذوق و
سکر وحالت وفقر وتجرید بود، جذبے قوی داشت و
نظرے موثر و تصرفے غالب، مولود مقام ردولی ست[۱]

شیخ احمد عبدالحق صاحبِ توشہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔
آپ کے والد کا اسم گرامی عمر اور آپ کے دادا کا اسم گرامی داؤد ہے۔
آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا
ہے آپ کے دادا نے قصبۂ ردولی میں سکونت اختیار کی، اور شیخ نصیرالدین
چراغ دہلوی[۲] سے بیعت ہو کر تعلیم و تربیت حاصل کی، اور ردولی ہی
میں واصل بحق ہوئے۔

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۱۷۷

[۲] شیخ چراغ دہلوی کا اسم گرامی نصیرالدین محمود گنج اور "چراغِ دہلی" لقب تھا، آپ
کی پیدائش بعض تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق اجودھیا میں اور بعضوں نے
بارہ بنکی میں لکھی ہے، ابھی آپ نو ہی سال کے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ سر سے
اُٹھ گیا، آپ کی تعلیم و تربیت کے فرائض آپ کی والدہ نے انجام دیئے۔

سیرالعارفین میں ہے کہ آپ نے ہدایہ اور بزدوی کی تعلیم
مولانا عبدالکریم شروانی سے حاصل کی، اور ان کی وفات کے بعد تمام علوم مولانا
افتخارالدین محمد گیلانی سے حاصل کئے، پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار
فرمائی اور احتسابِ نفس میں مشغول رہے، اس زمانے میں بھی آپ جب کہ

شیخ داؤد کے صاحب زادے عمر کے دو صاحب زادے ہوئے۔
ایک شیخ تقی الدین، دوسرے شیخ احمد عبدالحق، شیخ تقی الدین نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲ھ)

صحرانوردی میں مشغول تھے۔ نماز باجماعت کے پابند تھے، ۴۳ سال کی عمر میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اپنی والدہ کی حیات تک آپ اپنے وطن میں رہے، لیکن جب آپ کی والدہ کی وفات ہو گئی تو مستقل طور پر دہلی میں سکونت اختیار فرمائی، اور اپنے مرشد کے خاص حجرے میں قیام فرمایا، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے حضرت چراغ دہلوی کو اپنا جانشین منتخب کیا، اور خواجگان چشت کے آثار و تبرکات عطا کر کے آپ کو دہلی کے لوگوں کی جفاؤں پر صبر و برداشت کی تلقین فرمائی، حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد خواجہ نصیر الدین کی شہرت دور دور پھیلی۔ جب حضرت مخدوم جہانیاں جلال بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام یافعی سے ایک عرصے تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک دن امام یافعی نے مخدوم جہانیاں سے فرمایا کہ اگرچہ دہلی کے بہت سے مشائخ وفات پا چکے ہیں، لیکن ان بزرگوں کی برکتوں کا اثر خواجہ نصیر الدین محمود میں پایا جاتا ہے، بلاشبہ وہ چراغ دہلی ہ اور مشائخ کے طور و طریقے کو زندہ کرنے والے ہیں، یہ سن کر مخدوم جہانیاں کو خواجہ نصیر الدین محمود کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا، جب وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے تو انہوں نے آپ سے ملاقات کے بعد امام یافعی نے جو کچھ فرمایا تھا بیان کیا، اُس وقت سے آپ کا لقب "چراغ دہلی" مشہور ہو گیا، سلطان محمد تغلق جب ٹھٹھے گیا تو اُس نے حضرت چراغ دہلوی کو بھی

دہلی میں سکونت اختیار کی، اور شیخ احمد عبدالحق ردولی ہی میں مقیم رہے۔
انوار العیون میں ہے کہ آپ کے مرید خاص شیخ بختیار تجارت کے لئے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲) بلالیا، جب محمد تغلق نے ٹھٹھے میں وفات پائی، اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو اُن علماء و مشائخ کے ساتھ حضرت چراغ دہلوی بھی شریک تھے۔ جنھوں نے ٹھٹھے میں بالاتفاق فیروز شاہ کو محمد تغلق کا جانشین بنایا تھا، فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں بھی آپ کا مرید تھا، اُس نے آپ سے ریاضت و عبادت کی تفصیل پوچھی، فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمھاری عبادت یہی ہے کہ حاجتمندوں کی ضرورتیں پورا کرنے میں انتہائی کوشش کرو۔

ایک روز حضرت چراغ دہلوی نماز ظہر کے بعد اپنے حجرۂ خاص میں مراقبے میں مصروف تھے کہ تراب نامی قلندر آپ کے حجرے میں پہنچا، اور چھری سے آپ پر پے در پے حملے کیئے، خون حجرے سے باہر بہنے لگا، لیکن مراقبے میں فرق نہ آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں داخل ہوئے اور چاہا کہ قلندر کو سزا دیں، آپ نے ان کو روکا، اور قسم دے کر اپنے خاص مریدوں سے فرمایا کہ کوئی اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، پھر قلندر سے فرمایا اگر وار کرتے وقت تمھیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کرنا اور بیس ٹنکے زر دے کر اس قلندر کو رخصت کیا۔

اس حملے کے تین سال بعد ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو واصل الی اللہ ہوئے، آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے خیر المجالس اور مفتاح العاشقین ہیں، آپ کے خلفاء میں حضرت میر سید محمد گیسو دراز خواجہ کمال الدین اور شیخ دانیال وغیرہ مشہور ہیں۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ، مولفہ سید صباح الدین ص ۳۰۹ تا ۳۴۹)

ردولی سے باہر جایا کرتے تھے، جب بہت دن گزر جاتے اور اُن کی خیریت نہ معلوم ہوتی تو شیخ بختیار کی بیوی حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خدمت میں ایک سیر آٹے کی روٹی اور ایک سیر دودھ اور گھی ملا کر لایا کرتی تھیں آپ اُسے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے، پھر جو شخص آپ سے کسی حاجت کے لیے دعا کا طالب ہوتا، وہ بھی اسی پر عمل کرتا، اور اس کا نام توشہ رکھا گیا تھا، اور اسی وجہ سے آپ "صاحبِ توشہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔[1]

اس توشے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے مرید و خلیفہ شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی کو لکھا۔

این فقیر را ہمیشہ با خویش دانند، و توشۂ حضرت قطبِ عالم قدس سرہٗ پزیدہ فقرا را قسمت کردہ دہند، مزید حیات و ترقی درجات باد۔[2]

انوار العیون میں ہے کہ جب شیخ احمد عبدالحق سات برس کے تھے تو اپنی والدہ کے ساتھ نمازِ تہجد کے لئے اُٹھتے، اور چپکے سے اس طور پر کہ آپ کی والدہ کو خبر نہ ہو گھر کے کسی کونے میں نمازِ تہجد ادا فرماتے، جب آپ کی والدہ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے ازراہِ شفقت یہ سمجھ کر کہ آپ ابھی بچے ہیں آپ کو منع فرمایا، شیخ احمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ اُن کے منع

---

[1] دُرِ مکنون ترجمہ اُردو انوار العیون مؤلفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ص ۹–۱۰

[2] مکتوباتِ قدوسیہ۔ مکتوب ۱۴۶ بنام شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی ص ۲۸۳

فرماتے ہیں اُس وقت یہ سوچتا تھا کہ میری ماں رہزن ہیں جو مجھے عبادتِ الٰہی سے روکتی ہیں۔

بارہ سال کی عمر میں آپ تحصیلِ علم کے ارادے سے دہلی پہنچے، وہیں آپ کے بھائی شیخ تقی الدین مقیم تھے جو خود بھی دانش ور اور عالم تھے، اُنھوں نے آپ کو علومِ ظاہری کی تعلیم دینی چاہی، فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں، مجھے تو آپ معرفت کے علوم سکھائیے آخر وہ عاجز ہو کر آپ کو دہلی کے مشہور اساتذہ کے پاس لے کر گئے اور اُن سے کہا کہ اس بچے نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، یہ کہتا ہے کہ مجھے علم سکھائیے جب میں اس کو پڑھاتا ہوں تو یہ پڑھتا نہیں، آپ حضرات اس کو نصیحت فرمائیں، شاید آپ کی نصیحت مؤثر اور اور کارگر ہو، اُن حضرات نے آپ کے سامنے میزان الصرف رکھی اور پڑھانا چاہا، جب "ضَرَبَ یَضْرِبُ" کی گردان پر پہنچے اور ضَرَبَ کے معنی (مارا) بیان کیے تو فرمایا راہ خدا میں مرنا اور مارنا عوام اور خواص کے لئے بڑی فضیلت ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے ہو، اور انتقام کے لئے نہ ہو، پھر فرمایا مجھے تو آپ حضرات معرفتِ الٰہی کا درس دیجئے تاکہ میں اُس کو پہچان لوں اور دوست رکھوں، پھر آپ وہاں سے اُٹھے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے [۱]

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ جب حضرت شیخ العالم

---

[۱] تذکرہ ترجمہ اُردو انوار العیون ص ۱۰

شیخ احمد عبد الحق ردولوی پیر طریقت کی تلاش میں نکلے تو اس تلاش و جستجو میں مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے پانی پت تشریف لائے، اور حضرت شیخ المشائخ قطب الاقطاب شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کی قدمبوسی سعادت حاصل کر کے آپ کے دست حق پرست پر بعیت کی، حضرت شیخ جلال پانی پتی نے اپنی ٹوپی آپ کے سر پر رکھی اور اجازت و خلافت سے سرفراز کیا۔ اور فرمایا کہ میں حیات و ممات میں تمھارے کمال کی انتہا نہیں دیکھتا، پریشانی کے وقت میرے لڑکوں کی مدد کرنا، پھر اپنے صاحبزادوں کو وصیت کی کہ پریشانی کے وقت شیخ احمد عبد الحق تمھاری مدد کے لئے کافی ہیں، ایک مدت تک ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد آپ اپنے مرشد سے رخصت ہوئے، اور مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی، سیر و سیاحت کے دوران میں آپ پنڈوہ پہنچے، وہاں کے مشہور بزرگ شیخ نور الدین قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا، چنانچہ آپ نے ایک برگ گیاہ ان کے سامنے پیش کیا، اور کہا "بابا اصفا سنت" شیخ نور الدین نے جواب میں فرمایا" بابا عزت ست" اس کے بعد دونوں بزرگ مشاہدۂ حق مستغرق ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے، اور بغیر آپ سے گفتگو کئے واپس تشریف لائے، اور بہار اور اودھ ہوتے ہوئے آپ اپنے وطن ردولی تشریف لائے، اور وہیں ایک خانقاہ قائم کر کے رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے

آپ کی خانقاہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا اہم مرکز بنی، لوگ دور دور سے حاضر ہوکر مستفیض ہوتے۔

اپنے پیر شیخ جلال کی وفات کے بعد، حضرت شیخ احمد عبد الحق پانی پت پہنچے، اور پیر کے ارشاد کے مطابق اُن کے صاحبزادوں اور صاحب سجادہ کو تعلیم و تربیت دی اور فرمایا کہ اگر میں نہ آتا تو شاید صاحبزادے تعلیم و تربیت سے محروم رہ جاتے آپ کے شیخ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء نے اپنی وفات کے وقت اپنا خرقہ، دوسرے تبرکات اور اسباب خواجہ شبلی کو دے کر کہا تھا کہ یہ امانت شیخ احمد عبد الحق کو پہنچا دینا، جب شیخ احمد عبد الحق پانی پت آئے، خواجہ شبلی نے وہ امانت آپ کے حوالے کی، شیخ عبد الحق نے وہ خرقہ پہنا، اور پھر اپنی طرف سے یہ سب چیزیں خواجہ شبلی کو عطا فرمائیں، اور اُن کو تعلیم و تلقین کرکے ان کو معرفت و سلوک کے اعلیٰ منازل پہ پہنچایا، پھر وطن تشریف لائے۔

شیخ احمد عبد الحق کی محفلیں ذکر الٰہی سے آراستہ اور فکر حق سے معمور ہوتی تھیں، اگر کوئی شخص اتفاق سے آپ کی مجلس میں دنیا اور اہلِ دُنیا کا ذکر کرتا، آپ کانپنے لگتے، یہ دیکھ کر اس تذکرہ کرنے والے کو مجال نہ ہوتی کہ وہ اس بات کو آگے بڑھائے۔

مریدوں کی اصلاح اور تربیت کی طرف خاص طور پر توجہ دیتے تھے، موقع اور مصلحت کے مطابق ان کو نصیحت کرتے، اور اس دلکش

انداز میں اس کو اس کی کمزوری کی طرف متوجہ کرتے کہ اُس کی زندگی کا جو گوشہ اصلاح طلب ہوتا وہ درست ہو جاتا، اور وہ اُس میں کسی قسم کی تلخی بھی محسوس نہ کرتا تھا۔

ایک دفعہ میاں فرید جو حضرت شیخ احمد عبدالحق کے مرید تھے، آپ کے لئے عمدہ عمدہ باریک کپڑے خرید کر لائے اور تحفتاً آپ کے سامنے پیش کیے، آپ نے اس میں سے ایک کپڑا نکالا اور اُس کو اپنے بدن پر رکھ کر فرمایا، واہ سبحان اللہ کیا باریک کپڑا ہے جس سے تمام بدن جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر دوسرا کپڑا نکالا اور اپنے بدن پر رکھ کر فرمایا واللہ کیا نرم کپڑا ہے، پھر فرمایا جو آدمی ایسی ایسی دنیا کی نعمتیں اپنے خرچ میں لاتے ہیں اور خدا سے غافل ہو کر مزے اُڑاتے ہیں وہ کیوں نہ دوزخ میں جائیں گے، پھر آپ نے میاں فرید سے پوچھا کیا تم یہ کپڑے پہنتے ہو، اُنھوں نے کہا ہاں، میں اس خوف سے یہ کپڑے پہنتا ہوں کہ میں تجارت کرتا ہوں، اگر یہ کپڑے نہ پہنوں تو چُنگی والے میرا تمام مال محصول ہی میں لے لیں، فرمایا چُنگی والوں کے خوف سے یہ کپڑا نہ پہنا کرو وہ تم سے کچھ نہ لیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک دفعہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خانقاہ میں تاتار خاں مقطع دار ردولی حاضر ہوا، آپ نے فرمایا تاتار خاں دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر رہتا ہے۔ تاتار خاں یہ سُنتے ہی بے ہوش ہو گیا، جب کچھ افاقہ ہوا اور ہوش میں آیا تو اس قدر معتقد ہوا کہ ہمیشہ تنہا پیادہ

آپ کے پاس حاضر ہونا تھا۔

عبادت دریاضت کی یہ کیفیت تھی کہ شیخ احمد عبدالحق اول وقت جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اپنے ہاتھ سے ساری مسجد میں جھاڑو دیتے تھے، تقریباً چالیس پچاس سال تک آپ جامع مسجد میں نماز ادا فرماتے رہے لیکن آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ جامع مسجد کدھر ہے، آپ کے مرید خاص شیخ بختیار آگے آگے حق حق کہتے چلتے، آپ اُن کی آواز سن کر چلتے، ہمیشہ استغراق میں محو اور آنکھیں بند کئے ہوئے رہتے تھے۔

"انوار العیون" میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق ردولوی فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات بے نام اور بے نشان ہے، جو نام اُس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، اُن میں اسمِ حق سے بہتر کوئی نام نہیں، کیونکہ اسمِ حق کے یہ معنی ہیں کہ جو تمام کلمات کمال کے لائق ہو، اور ذات باری بھی تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف ہے، لہٰذا اس کی طرف اسمِ حق کی نسبت بہ نسبت اور تمام ناموں کے بہتر ہے، خود حضرت شیخ احمد عبدالحق اور آپ کی خانقاہ کے تمام رہنے والے پاسِ انفاس کرتے تھے، چنانچہ کسی ساعت بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ رہتے، نماز کے اوّل و آخر میں بھی تین بار بآوازِ بلند حق حق کہتے تھے، یہاں تک کہ خرید و فروخت کے وقت بھی جمالِ حق میں مستغرق رہتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے سلسلے میں یہ طریقہ تھا کہ حق حق آپ

کے اور آپ کے مریدوں اور طالبوں کی زبان پر جاری رہتا، ہر دم، ہر سانس اور ہر قدم پر حق حق کے سوا کچھ نہ کہتے تھے، یہاں تک کہ سلام کے بجائے اور چھینکنے والے کے جواب میں بھی حق حق کہتے خط کے شروع میں بھی تین مرتبہ کلمۂ حق لکھتے، نماز، تکبیر اور فاتحہ کے بعد، خرید و فروخت اور تمام کاموں میں تین مرتبہ حق حق حق کہتے، یہ علامت آپ کے مریدوں کی تھی، اسی وجہ سے اُن کو حقانی اور حق گو بھی کہتے ہیں اُن کا کھانا، پینا، بیٹھنا، اُٹھنا، سونا، اور جاگنا سب حق ہی حق ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ شیخ المشائخ شیخ احمد عارف اور حضرت شیخ احمد عبدالحق کے اکثر مرید اس جہان فانی سے حق حق کہتے تشریف لے گئے اور سب کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ اس طریقے پر کہ بجائے سلام کے اور چھینک کے جواب میں حق حق کہتے تھے، یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اس طریقے میں ترکِ سُنت ہے، چونکہ یہ طریقہ خلاف سنّت تھا، اس لئے اس کا رواج باقی نہیں رہا۔ رہا خطوط کو حق حق حق سے شروع کرنا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

انوار العیون میں ہے کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کا "عبدالعزیز" نامی ایک لڑکا تھا، جس نے پیدا ہوتے ہی حق کا کلمہ اس زور سے کہا کہ تمام حاضرین نے سُنا، اور اس بچّے سے بہت سے خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے، لوگوں میں اس لڑکے کی غیر معمولی شہرت ہوئی، حضرت

شیخ احمد عبدالحق کو معلوم ہوا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا غوغا ہے۔ ہمارے لئے یہ غوغا مناسب نہیں، اسے ہستی سے فنا کی طرف تبدیل ہونا چاہئے، پھر آپ قبرستان گئے، اور مخدوم چوٹی رانہ اور مخدوم سعید رانہ کے مزار کے درمیان میں حوض کے قریب ٹیلے پر کھڑے ہو کر فرمایا اس بچّے کی جگہ یہ ہے، دو تین روز کے بعد عبدالعزیز بیمار ہوا اور وفات پائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ منصور بچہ تھا کہ ضبط نہ کر سکا اور اسرارِ الٰہی کو فاش کر دیا، بعض مرد ایسے بھی ہیں کہ جو دریا کے دریا اُتار لیتے ہیں، ڈکار نہیں لیتے، اور نظامی[1] ناقص شاعر تھا کہ اُس نے یہ شعر لکھا ؎

صحبتِ نیکاں ز جہاں دور گشت　　خانۂ عسل خانۂ زنبور گشت

عالم شوق و ذوق میں اکثر یہ شعر پڑھتے۔

سخنے شکستہ از ہمہ عالم برائے یار　　آرے برائے یار دو عالم تواں شکست

کبھی کبھی عالم مستی میں یہ مصرع بھی دُہراتے۔ ع

چترِ شاہی بر سرِ طفلانِ ماست

---

[1] حکیم ابو محمد الیاس بن یوسف بن ذکی بن موید نظامی گنجوی ۵۳۵ھ میں نواح آذر بائیجان میں پیدا ہوئے، اور ۶۴ سال کی عمر میں ۵۹۹ھ میں وفات پائی، اُن کی تصانیف میں مخزنِ اسرار (تصنیف ۵۷۰ھ) خسرو شیریں (تصنیف ۵۹۹ھ) لیلیٰ مجنوں (تصنیف ۵۸۴ھ) ہفت پیکر (تصنیف ۵۷۵ھ) اور سکندر نامہ (تصنیف ۵۹۷ھ) ہے۔　　(فٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۷)

قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس نے اس مصرع کو نقل کرکے لکھا کہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ کی اس سے کیا مراد ہے، مگر چونکہ آپ کے اکثر مریدین و معتقدین شرابِ وحدت میں سرمست رہتے تھے، شاید اس مصرع سے آپ کی یہ مراد ہو کہ ہمارے تمام مرید سعادت مند ہوتے ہیں۔

بعض اوقات یہ کلمہ بھی فرماتے کہ "کبوترانِ ما صید نخورند"۔ اس کلمے کے متعلق بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے توضیح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ شاید اس سے آپ کی یہ مراد ہو کہ ہمارے مرید حیات و ممات، حضور و غیبت میں یکساں ہیں، اور وہ کبھی حصولِ مطلب اور توصل الی اللہ سے محروم نہ رہیں گے۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق شاعر بھی تھے اور کبھی کبھی ہندی میں دوہے فرماتے تھے، انوار العیون میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے ایک واقعہ کے ضمن میں آپ کا ایک دوہا نقل فرمایا ہے، جب سلطان ابراہیم نے نواحِ ردولی میں آپ کے اور آپ کے صاحبزادوں کے لئے چار گاؤں اور ایک ہزار بیگھا زمین وقف کرنا چاہی، اُس کا قاضی یہ فرمان لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا اگر میں یہ قبول

---

[1] حضرت شیخ احمد عبدالحق کے یہ تمام حالات درمکتون ترجمہ انوار العیون مؤلفہ حضرت قطب عالم شیخ عبدالحق گنگوہی، اور اخبار الاخیار ص ۱۸۷ تا ۱۹۰ سے ماخوذ ہیں۔

کرلوں تو میری اولاد فقر کی قدر نہ جانے گی، کیونکہ فقر بھی اللہ کے نور کا ایک خزانہ ہے، اور رات کو اپنے مرید خاص بختیار سے ہندی زبان میں یہ دوہا فرمایا ؎

گوا ہوسے تو پاٹوں سمندر کہ پاٹن جائے پار ہوئے تو بر جوں جیل کہ برجن جائے

ایک روز آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا جس طرح گازرون میں خواجہ اسحاق کا چراغ جلتا ہے، اور ہمیشہ جلتا رہے گا، اسی طرح ہم بھی دیگ پکاتے ہیں کہ قیامت تک اس سے لوگ فیض پائیں گے، چنانچہ آپ نے ایک دیگ میں کھانا پکا کر وہ دیگ راستے میں رکھ دی، تین روز لوگ اس دیگ سے کھاتے رہے، اور دیگ میں کسی قسم کی کمی نہ ہوتی تھی تین روز کے بعد آپ کو خیال آیا کہ شہرت تو ایک آفت ہے، اور رزاقِ مطلق خدائے تعالےٰ ہے، اسی وقت دیگ کو زمین پر پٹک دیا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق ۱۵ رجادی الثانی ۸۳۷ھ میں سلطان ابراہیم شرقی کی عہدِ حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے، آپ کا مزار پُرانوار ردولی میں مرجع زیارت خاص و عام ہے۔

آپ کے خلفاء اور مریدوں میں آپ کے صاحبزادے شیخ احمد عارف، آپ کے خادم خاص شیخ بختیار[1]، شیخ بہرام، شیخ برہان اور میاں فرید وغیرہ مشہور ہیں۔

---

[1] شیخ بختیار جون پور کے ایک جواہرات کے سوداگر کے غلام تھے۔ اتفاق سے ایک

آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ احمد عارف خلیفہ و سجادہ نشین ہوئے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵) مرتبہ ان کا آقا تجارت کی غرض سے دہلی آیا۔ اس موقع پر بختیار کی ملاقات حضرت شیخ احمد عبدالحق سے ہوئی، اور اُن کی حضرت شیخ سے اس قدر عقیدت ہوئی کہ ہر روز صبح وشام بلاناغہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ادب سے آپ کے سامنے کھڑے رہتے، یہاں تک کہ چھ مہینے اسی طرح گزر گئے، لیکن شیخ نے آپ کی طرف توجہ نہ کی اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ تمھارا کیا مقصد ہے، اور تم کس کام کے لئے آئے ہو، چھ ماہ کے بعد آپ نے ان کی طرف توجہ فرمائی، اور وہ آپ کی ایک ہی توجہ سے بیہوش ہو گئے۔ اور عالم بیخودی میں بھی شیخ بختیار نے کہا اے احمد عبدالحق تم اس قدر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گئے ہو، پھر بھی خدا کے بندوں کو محروم رکھتے ہو، ہر چند آپ اُن کو اس بات سے روکتے تھے، لیکن وہ بار بار عالم بیخودی میں یہی کہتے جاتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ احمد عبدالحق نے اُن کو تھوڑا سا پانی پلایا، جس کے پیتے ہی وہ ہوش میں آ گئے، آپ نے اُن سے فرمایا، بختیار اپنے آقا کے پاس جاؤ اُس کو خوش رکھو، اور کام میں لگو، بختیار اُٹھے اور اپنے آقا کے پاس جون پور چلے گئے، اُن کے آقا نے جب اُن میں نئی بے قراری محسوس کی تو اُن کو آزاد کر دیا، اور شیخ بختیار کا یہ عالم تھا کہ اُن کو ایک لمحے کے لئے قرار نہ تھا، یہاں تک کہ عالم اسرار میں شیخ شرف الدین پانی پتی نے شیخ احمد عبدالحق سے ان کی سفارش کی اور فرمایا کہ احمد تمھارے مقام کو جاننا بے چارہ بختیار پہچانتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں پہچانتا، اس کے حال پر توجہ کرو، آخر شیخ بختیار اپنا گھر بار چھوڑ کر جون پور سے دہلی پہنچے،

حضرت شیخ احمد عارف

افسوس ہے کہ حضرت شیخ احمد عارف کے حالات تذکرہ نگاروں نے بہت کم لکھے ہیں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے بہت کم عمر پائی، انوار العیون میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے اور اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵) اور حضرت شیخ احمد عبد الحق کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

ایک روز حضرت شیخ احمد عبد الحق نے ان سے فرمایا کہ بختیار میں چاہتا ہوں کہ خانقاہ کے صحن میں کنواں کھودا جائے، بختیار اُسی وقت اُٹھے اور کنواں کھودنے لگے، یہاں تک کہ کنویں سے پانی نکل آیا، آپ نے اُس کا پانی لوگوں میں تقسیم کرکے فرمایا بختیار! میں چاہتا ہوں کہ تم کنویں کی مٹی سے ایک چبوترہ بناؤ، اور اس کنویں کو باہر سے مٹی لاکر بھردو، بختیار نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی، اور باہر سے مٹی لاکر کنویں کو بھر دیا، اور کنویں کی مٹی سے چبوترہ بنایا، اور یہ بھی نہ پوچھا کہ یہ کنواں کیوں کھدوایا گیا تھا، اور کیوں بند کروایا گیا ہے (در مکنون و اخبار الاخیار ص ۱۹۰ - ۱۹۱) اخبار الاخیار میں ہے کہ

مرید شیخ احمد عبد الحق ست، و مخصوص بوی، محرم اسرار و واقف احوال، در سفر و حضر باوی یک جا بود، و اندر مریدانِ او کم کسے بود کہ در عنایت و قرب مشارک و مساہم او بود۔ (اخبار الاخیار ص ۱۹۰)

نے جو مختصر سے حالات آپ کے دیئے ہیں، ہم اُن کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

انوار العیون میں ہے کہ حضرت شیخ احمد عبد الحق کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا، وہ جیتا نہ تھا جس کی وجہ سے آپ کی بیوی ہمیشہ افسردہ اور غمگین رہتی تھیں، ایک روز اُنھوں نے حضرت شیخ احمد عبد الحق سے فرمایا کہ افسوس ہے کہ میری قسمت میں کوئی لڑکا نہیں، جو لڑکا پیدا ہوتا ہے، حق حق کہتا ہوا آتا ہے، اور رحمتِ الٰہی سے پیوست ہوجاتا ہے، شیخ احمد عبد الحق نے فرمایا کہ تمھارے ایک لڑکا مقدر ہے۔ لیکن وہ ابھی پختہ نہیں ہوا، مگر یہ لڑکا اس شرط پر تمھارے حوالے کیا جائے گا کہ تم اُسے کچھ نہ کہو اور اُس کی رضا پر راضی رہو، چند دن کے بعد اُن کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُن کا نام شیخ احمد عارف رکھا گیا، ہر شخص شیخ احمد عارف کے حُسنِ اخلاق سے متاثر ہوتا، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ اُن میں محبت و مروت اس درجہ غالب تھی کہ جو شخص اُن سے ملتا وہ یہی سمجھتا کہ جو محبت ان کو مجھ سے ہے اور کسی سے نہیں، یہ تمام باتیں اُن میں کمالِ ولایت کی وجہ سے تھیں۔

انوار العیون میں ہے کہ حضرت شیخ احمد عبد الحق نے اپنی وفات سے چند دن پہلے فرمایا کہ ہمیں احمد عارف کی شادی کی فکر کرنی چاہیئے، اتفاق سے آپ کے پاس شیخ نور الدین جو میران سید موسیٰ کے خلفاء میں تھے آئے۔ آپ نے اُن سے فرمایا

کہ میں اپنے لڑکے عارف کی شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا تم اپنی لڑکی کا نکاح عارف سے کر دو گے، اُنھوں نے منظور کر لیا، آپ اپنے مریدوں کو لے کر اُن کے مکان پر پہنچے، اور فرمایا کہ آج ہی عقد کر دو، شیخ نورالدین سب مہمانوں کو بٹھا کر گھر میں گئے، اور اپنے خسر قاضی ثمن سے مشورہ کیا، قاضی ثمن نے اس رشتے کی مخالفت کی اور کہا کہ ہمیں ایسے صاحبِ حال درویشوں اور فقرا سے کیا واسطہ جو ذرا سی دیر میں آگ اور ذرا سی دیر میں پانی ہوں، یہاں تک کہ وہ مجلس میں بھی نہیں آیا، حضرت شیخ احمد عبدالحق نے اپنی روشن ضمیری سے قاضی ثمن کے کینے کو محسوس کر لیا، شیخ نورالدین نے اپنے دوسرے گھر کے لوگوں سے بھی مشورہ کیا، سب نے کہا کہ ابھی لڑکی شادی کے قابل نہیں، اور گھر میں شادی کا سامان بھی موجود نہیں، اس لئے حضرت شیخ سے کچھ مہلت طلب کرنی چاہیئے، شیخ نورالدین نے اپنے گھر والوں سے مشورہ کرنے کے بعد باہر آکر حضرت شیخ سے معذرت کی اور شادی کے لیے کچھ مہلت چاہی، آپ نے فرمایا اچھا میں تمھیں چھ مہینے کی مہلت دیتا ہوں، پھر آپ اپنی خانقاہ میں تشریف لائے، اور عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے، اِدھر قاضی ثمن کو خونی اسہال شروع ہوئے، یہاں تک اُس کی حالت خراب ہوئی کہ لوگ اُسے اُٹھا کر آپ کی خانقاہ

میں لائے، اور تمام کیفیت بیان کرکے معافی چاہی، لیکن آپ راضی نہ ہوئے۔ آخر شیخ بختیار نے سفارش کی، فرمایا اچھا احمد عارف کی شادی تک اس کو صحت ہو جائے گی، چنانچہ قاضی ثمن اچھا ہوگیا، لیکن شیخ عارف کی شادی کے بعد وہ پھر اسی مرض میں مبتلا ہوا، لوگوں نے اس کی طرف سے معافی چاہی اور دعا کے طالب ہوئے، فرمایا تیر نشانے پر بیٹھ گیا ہے۔ اب سفارش کی ضرورت نہیں، چند دن کے بعد قاضی نے وفات پائی[۱]۔

شیخ احمد عارف چالیس سال کی عمر میں ۸۵۶ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، صاحب اخبار الاخیار نے ان الفاظ میں شیخ احمد عارف کو متعارف کرایا ہے۔

> پسرِ شیخ احمد عبدالحق ست، و صاحب سجادۂ او، موازنۂ چہل سال عمر یافت، با ہر طائفہ سِرّے داشت، و ہمہ کس از و راضی بودند۔

شیخ محمد

شیخ احمد عارف کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمد

---

[۱] ذکر مکتوب ترجمہ انوار العیون تالیف حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ص ۲۸-۲۹

اُن کے جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ شیخ محمد کے مرید اور خلیفہ قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں جنھوں نے سلسلہ صابریہ کو بڑی وسعت اور رونق دی۔ اس سلسلے میں جو شہرت و عظمت آپ کو حاصل ہوئی وہ دوسروں کو حاصل نہ ہوسکی، آپ نے اس سلسلے کو حیاتِ نو بخشی اور بلاشبہہ آپ کو سلسلۂ صابریہ کا مؤسس ثانی کہا جاسکتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کا چھٹا مرکز گنگوہ ضلع سہارنپور میں قائم ہوا۔

دوسرا باب

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

نام و نسب آپ کا اسم گرامی عبدالقدوس، آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل اور آپ کے دادا کا نام شیخ صفی الدین تھا جو امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے۔

شیخ نظام الدین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اجداد میں شیخ نظام الدین کا قیام غزنی میں تھا، جو ہلاکو خاں کے فتنے کے بعد ساتویں صدی ہجری میں اپنے فرزند شیخ نصیر الدین کے ساتھ دہلی تشریف لائے، یہ علاء الدین خلجی[1] کی حکومت کا زمانہ تھا۔

---

[1] علاؤالدین خلجی، سلطان جلال الدین خلجی کے بعد ۶۹۵ھ میں دہلی میں تخت سلطنت پر بیٹھا سلطان علاء الدین خلجی کا عہدِ حکومت، سیاسی، علمی اور تمدنی اعتبار سے نہایت کامیاب دور تھا، اس کے زمانے میں خاص دہلی میں ایسے اکابر علماء موجود تھے کہ بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، دمشق اور روم

اسی زمانے میں ایک اور بزرگ قاضی شہاب الدین[1] جو شیخ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) وغیرہ میں بھی اُن کی مثال نہ ملتی تھی، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ اُن میں بعض دانشور تو ایسے تھے جو امام غزالی اور امام رازی کا ہم پایہ تھے، وہ تاریخ فیروز شاہی میں ان کے تفصیلی حالات نہ بیان کرنے کی معذرت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر ہر یکے را مجلدے بنویسم مقصر باشم"

بقول برنی، بخارا، سمرقند، خوارزم اور عراق کے علماء کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں، جب ہندوستان کے علماء ان کی توثیق کرتے تھے،

علاء الدین خلجی نے ۶ شوال ۷۱۶ھ کو وفات پائی (تاریخ معصومی ص ۴۳-۴۴ و تاریخ فیروز شاہی طبع کلکتہ ۱۸۶۲ء ص ۳۵۴-۳۵۵)

[1] سلطان ابراہیم شرقی کے حالات کے ضمن میں صاحب تاریخ فرشتہ نے قاضی شہاب الدین کے متعلق لکھا ہے کہ

داز جملہ فضلائے عصر قاضی شہاب الدین جون پوری ست، اصل اواز غزنین ست، در دولت آباد دکن نشو نما یافت، سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او بسیاری کوشید، و در روزہائے در مجلس او بر کرسی نقرہ می نشست۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی جن اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے وہ شرح سے بے نیاز ہیں، اگرچہ ان کے زمانہ میں بہت سے علماء اور دانشور تھے، لیکن جو شہرت و مقبولیت اپنے ہم عصروں میں اُن کو حاصل تھی وہ اُن کے زمانے میں کسی دوسرے کو میسر نہ آسکی، صاحب تصانیف تھے۔

نظام الدین کے عزیز بھی تھے، غزنی سے دولت آباد ہوتے ہوئے دہلی وارد ہوئے، قاضی شہاب الدین نے قاضی عبد المقتدر[1]

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) ان کی تصانیف میں حواشی کافیہ ہیں۔ یہ تصنیف ان کی زندگی ہی میں بے حد مقبول ہوئی، ان کی دوسری تصنیف بلاغت میں بدیع البیان ہے، اس کے علاوہ اُنھوں نے بحر مواج کے نام سے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی اس کے علاوہ ان کے بعض رسائل اور کتب بھی ہیں' مناقب السادات کے نام سے اُنھوں نے اہلبیت اطہار کے فضائل و مناقب پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا، شعر بھی کہتے تھے، قاضی شہاب الدین نے ۸۴۹ھ میں وفات پائی، ان کا مزار جون پور میں ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۱۸۰)

[1] قاضی عبد المقتدر ابن قاضی رکن الدین شریحی کندی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ، دانشور اور درویش کامل تھے، فیاضی اُن کا امتیازی وصف تھا، قاضی شہاب الدین کے اُستاد تھے، فارسی اور عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، وہ ہمیشہ درس و تدریس اور حصولِ علم میں مصروف رہتے، حضرت چراغِ دہلی کا قول تھا کہ ایک مسئلہ شرعی کا حاصل کرنا ہزار رکعتوں سے افضل ہے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے اکثر خلفاء کا مشغلہ درس و تدریس اور حصولِ علم تھا۔

کہا جاتا ہے کہ قاضی عبد المقتدر اپنے زمانہ طالب علمی میں اکثر خواجہ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو کرتے، خواجہ نصیر الدین اُن کی علمی صلاحیتوں کی بنا پر اُن کو بے حد عزیز رکھتے تھے، اور ہمیشہ ان کو تحصیلِ علم کی طرف رغبت دلاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ حضرت

اور مولانا خواجگی[۱] دہلوی خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغِ دہلی سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) چراغِ دہلی کے مرید ہوئے، اور اُن سے فیوض باطنی حاصل کر کے علم و فضل اور تصوف کے بلند مرتبے پر پہنچے۔ قاضی عبد المقتدر کے معتقدوں میں سے ایک صاحب نے ایک کتاب مناقب الصدیقین کے نام سے لکھی ہے جس میں سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ حالات اور ان کی کرامات کو بیان کیا گیا ہے، مناقب الصدیقین میں ہے کہ ایک روز قاضی شہاب الدین کو کہیں سے روپیہ ملا، وہ اُسے لے کر اپنی والدہ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ اِس روپئے کو گڑھا کھود کر گھر میں دفن کر دو، یہ کہہ کر وہ قاضی عبد المقتدر کی خدمت میں حاضر ہوئے، قاضی صاحب نے انھیں دیکھتے ہی کہا، تم تو خزانے کے دفن کرنے کی فکر میں ہو، تم علم کے حاصل کرنے میں کیسے مشغول ہو سکتے ہو، قاضی عبد المقتدر نے ۲۰ محرم ۷۹۱ھ کو وفات پائی، ان کا اور ان کے والد کا مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضے کے قریب حوض شمسی کے جانبِ جنوب واقع ہے، اُسے خانقاہ شیخ عبد الصمد بھی کہتے ہیں (اخبار الاخیار ص ۱۵۰)

[۱] مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کے مرید و خلیفہ اور قاضی شہاب الدین کے اُستاد تھے، مولانا خواجگی نے علوم ظاہری کی تعلیم مولانا معین الدین عمرانی سے حاصل کی تھی۔ منقول ہے کہ جس زمانے میں مولانا خواجگی دہلی میں مولانا معین الدین سے تعلیم حاصل کر رہے تھے، درس سے فارغ ہو کر بالالتزام حضرت چراغ دہلوی کی خدمت میں جاتے تھے، لیکن مولانا معین الدین کو حضرت چراغ دہلوی سے بالکل عقیدت نہ تھی، یہاں تک کہ دہلی میں رہتے ہوئے بھی وہ کبھی اُن کی ملاقات کے لئے اُن کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے، لیکن مولانا خواجگی کو دونوں سے عقیدت تھی،

علوم ظاہری اور فیوض باطنی کا اکتساب کیا، قاضی عبد المقتدر جو اپنے وقت کے جلیل القدر علماء اور اکابر اولیاء میں تھے، وہ اُن کے تشریف لانے سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) اور دونوں کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے، اتفاقاً مولانا معین الدین بیمار پڑے، انہیں کھانسی اس قدر سخت تھی کہ اطباء اُن کے علاج سے مایوس ہو گئے، ایک روز مولانا خواجگی نے اُن سے عرض کیا کہ اگر آپ حضرت چراغِ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوں، اور اُن سے دعا کی درخواست فرمائیں تو شاید خدائے تعالیٰ اُن کے یمن و برکت سے آپ کو شفا عطا فرمائے۔ مولانا معین الدین اگرچہ حضرت چراغِ دہلی کے یہاں کی حاضری کو بالطبع ناپسند کرتے تھے، لیکن مرض سے مجبور ہو کر راضی ہو گئے، اور حضرت چراغِ دہلی کی خانقاہ میں پہنچے، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی اُن کے پہنچنے سے پہلے خانقاہ سے اُٹھے اور گھر میں تشریف لے گئے، اور گھر والوں سے کہا کہ وہ کھانے کے لئے دہی اور چاول تیار کریں، یہ کہہ کر خانقاہ میں واپس تشریف لے آئے، اور مولانا معین الدین سے ملاقات کی، تھوڑی دیر کے بعد کھانا لایا گیا، آپ نے دہی اور چاول مولانا معین الدین کے سامنے رکھے، یہ دونوں چیزیں کھانسی کے لئے بیحد مضر تھیں، خواجہ نصیر الدین چراغِ دہلی نے اُن سے فرمایا کہ بسم اللہ کیجئے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دونوں چیزیں مضر ہیں لیکن مولانا معین الدین حضرت چراغِ دہلی کے رعب کی وجہ سے انکار نہ کر سکے، اور چند لقمے اُس میں سے کھائے، جب دستر خوان بڑھایا جا چکا تو مولانا معین الدین کو زور سے کھانسی اُٹھی، حضرت چراغِ دہلی نے حکم دیا کہ طشت لایا جائے، یہاں تک کہ اُن کو ایک قے ہوئی، جس میں تمام بلغم نکلا، اور ان کو اس مرض سے شفا ہو گئی، حضرت چراغ دہلی کی اس کرامت سے مولانا معین الدین اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کا اجتناب عقیدت میں

قبل کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس ایک ایسا طالب علم آرہا ہے جو سراپا علم ہی علم ہے، اس سے اُن کا اشارہ قاضی شہاب الدین کی طرف ہوتا تھا۔
قاضی شہاب الدین قاضی عبدالمقتدر سے اکتسابِ علوم کے بعد حادثات دہلی میں جون پور تشریف لے گئے، یہ زمانہ جون پور میں سلطان ابراہیم شرقی[1] کی حکومت کا تھا، سلطان ابراہیم شرقی علم وفضل کا قدردان اور علماء کی بے حد تعظیم وتکریم کرتا تھا۔ اُس نے قاضی شہاب الدین کی بڑی قدرافزائی کی اور اُن کو صدرالعلماء کے خطاب سے نوازا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) بدل گیا، اور وہ حضرت چراغِ دہلی کے بید معتقد ہو گئے۔
مولانا خواجگی نے تیمور کے حملے سے پہلے ایک خواب کی بناپر جس میں حضرت میر سید محمد گیسو دراز نے اُن کو تیمور کے حملے کی خبر دی تھی، لوگوں کو حملۂ تیموری سے مطلع کردیا تھا، اسی بناء پر وہ تیمور کے حملے سے قبل ہی دہلی سے نکل کر کالپی میں مقیم ہو گئے تھے، اُنھوں نے کالپی ہی میں وفات پائی، اور ان کا مزار کالپی میں ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۱۴۳-۱۴۴)

[1] سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ ۷۹۵ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، اُس نے ملک سرور خواجہ سرا کو جس کا خطاب خواجہ جہان تھا، سلطان الشرق کا خطاب دے کر جون پور اور اُس کے اطراف کا علاقہ اس کو جاگیر میں دیا، جب محمد شاہ بن فیروز کی حکومت میں اضمحلال پیدا ہوا تو جون پور میں خواجہ جہان نے ایک نئی حکومت کی بنیاد سلاطین شرقیہ کے نام سے رکھی جس کا پہلا بادشاہ وہ خود تھا، سولہ سال کی حکومت کے بعد اُس نے وفات پائی، اور اس کی جگہ اس کا متبنّٰی مبارک شاہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

شیخ نظام الدین کی چونکہ قرابتِ قریبہ قاضی شہاب الدین سے تھی اس لئے وہ بھی دہلی کی سکونت ترک کرکے جون پور میں آکر آباد ہوگئے، قاضی شہاب الدین نے اپنی صاحبزادی کا عقد شیخ نظام الدین کے صاحبزادے شیخ نصیر الدین سے کر دیا۔

شیخ نصیر الدین شیخ نظام الدین کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے متعلق قدیم تذکروں میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ سوائے اس کے کہ انوار الصفی میں ہے کہ وہ کوئی خاص ذریعہ معیشت نہ رکھتے تھے، سلطان ابراہیم شرقی نے اُن کی کثیر العیالی پر نظر کرتے ہوئے حاکم منقطع ردولی کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ وہ شیخ کی معیشت کے لئے اپنے علاقے میں کوئی انتظام کرے، چنانچہ اُس نے شیخ نصیر الدین کو موضع بھگولی جو ردولی کے بالکل متصل واقع تھا بطور مدد معاش کے دے دیا، اس بناء پر شیخ نصیر الدین نے جون پور کی سکونت ترک کرکے ردولی میں سکونت اختیار فرمائی۔

شیخ نصیر الدین کے یہاں تین صاحبزادے ہوئے، جن میں سے بڑے صاحبزادے کا نام شیخ صفی الدین، منجھلے صاحبزادے کا نام

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵)

مُبارک شاہ نے ایک سال اور چند ماہ حکومت کی، اس کے بعد اس کا بیٹا سُلطان ابراہیم شرقی جون پور میں تخت پر بیٹھا، اور چالیس سال کچھ ماہ کی حکومت کے بعد اُس نے وفات پائی (سیر المتاخرین مطبوعہ نولکشور ص ۱۳۹ - ۱۴۰)

شیخ فخر الدین اور چھوٹے صاحبزادے کا نام شیخ رضی الدین تھا۔[1]

شیخ صفی الدین

شیخ نصیر الدین کے بڑے صاحبزادے شیخ صفی الدین جو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے دادا ہیں۔ تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ وہ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور کمالِ معنویت میں ثانی امام ابو حنیفہ تھے، صاحبِ مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ۔

حضرت مخدوم شیخ صفی الدین قدس سرہ العزیز اگرچہ از فرزندانِ امام ہمام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ست، اما باعتبار علم و فضل و زہد و تقویٰ و کمالات معنوی ثانی ابو حنیفہ بودہ ست[2]

صاحبِ لطائف اشرفی نے اِن کی علمی جلالتِ شان کا ذکر اِن الفاظ میں کیا:۔

حضرت شیخ صفی الدین حنفی ردولوی کہ بصفاتِ علوم ظاہری اصطفائے معانی باہری آراستہ، در علوم ادبیہ و اصولِ فقہ دستے تمام داشتہ، چنانچہ ایں معنی از تصانیف

---

[1] یہ تمام تفصیلات انوار الصفی قلمی باب پنجم در ذکر قیام ردولی شریف بعد سیاحت ص ۳۶ سے ماخوذ ہیں۔

[2] انوار الصفی قلمی بحوالۂ مراۃ الاسرار باب دوم در ذکر درس و تدریس و تصانیف شیخ صفی الدین ص ۸-۹

رابعہ و توالیفِ لائقہ ایشاں روشن ست، احتیاج ایراد نیست [1]

شیخ صفی الدین نے درس و تدریس کے ساتھ تالیف و تصنیف پر بھی توجہ دی، اُن کی تصانیف میں دستور المبتدی، حلِ ترکیب کافیہ جس کا نام شرح صفی تھا، اور غایۃ التحقیق کا تذکرہ انوار الصفی میں ملتا ہے [2]

صاحبِ لطائف اشرفی کا بیان ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہندوستان کے شہروں میں شیخ صفی الدین سے زیادہ علوم و فنون سے آراستہ کسی کو نہیں پایا [3]

شیخ صفی الدین نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جس فضا میں پرورش پائی اس پر علم و فضل کے ساتھ تصوف کا رنگ غالب تھا ناممکن تھا کہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہوتے، ایک روز اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اُن سے کہہ رہا ہے کہ صفی الدین مانا کہ تم نے علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا ہے لیکن علم کا اصل مقصد تو

---

[1] نسب نامۂ قلمی مرتبہ قاضی منظر الحق صاحب ردولوی

[2] انوار الصفی قلمی ص ۸ و ۹

[3] انوار الصفی قلمی باب دوم در ذکر درس و تدریس و تصانیف شیخ صفی الدین بحوالہ لطائف اشرفی۔

معرفت الٰہی ہے، اس درس و تدریس کو چھوڑو، اور خدا کی طلب میں نکلو۔ خواب سے بیدار ہوئے تو ایک عجیب شورش قلب میں محسوس کی، سخت حیران تھے کہ اس مسئلے میں کس سے مشورہ کروں، اسی فکر و پریشانی میں آپ نے جنگل کی راہ لی، وہاں آپ کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی اُنھوں نے بتایا کہ تم ردولی جاؤ، وہاں عنقریب ایک بزرگ آئیں گے جن سے تم اپنا مقصد حاصل کر سکو گے۔ چنانچہ آپ ردولی تشریف لے گئے، اور تکیۂ مخدوم شیخ صلاح الدین مشہور بہ شیخ سیاح سہروردی میں قیام فرمایا، اس کے کچھ دن بعد ہی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی[۱] جائس سے ردولی تشریف لائے اور جامع مسجد ردولی میں قیام فرمایا، جیسے ہی ردولی

---

[۱] محمد اشرف نام اور جہانگیر لقب تھا، آپ کی ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی، آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے، سید محمد اشرف جہانگیر نے چودہ سال کی عمر میں علوم رسمیہ کی تکمیل کی اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے عراق میں غیر معمولی شہرت حاصل کی، اپنے والد کی وفات کے بعد اُنھوں نے سمنان کی حکومت سنبھالی، اور اپنے عدل و انصاف سے بڑا نام پیدا کیا، ابتدا ہی سے آپ زہد و تقویٰ اور نیکی کی طرف مائل تھے، ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضرؑ اُن سے فرما رہے ہیں کہ سلطنتِ الٰہی چاہتے ہو تو دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اس خواب کے بعد آپ سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان روانہ ہوئے، اور سب سے پہلے اُچ میں حضرت مخدوم جہانیاں

ہیں اُن کی تشریف آوری کی شہرت ہوئی، شہر کے سب لوگ
زیارت اور ملاقات کے لئے آئے۔ شیخ صفی الدین نے بھی جب یہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ نمبر۱) جہاں گشت کی خدمت میں حاضر ہوئے،
مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اُن کو دیکھتے ہی فرمایا :-

بعد از مدتے بوئے طالبِ صادق بدماغ رسید، بعد از روزگارے
نسیم از گلزار سیادت وزید، فرزند لبیار مردانہ برآمدہ، مبارک باد،
زود قدم در راہ بنہ کہ برادرم علاؤالدین منتظر مقدم شریف
ہستند، زنہار در راہ جائے نمانی۔

کچھ دن حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے روحانی استفادہ کرکے آپ
دہلی پہنچے، اور وہاں کے اکابرِ شیوخ طریقت سے روحانی فیوض حاصل کیے۔
پھر بہار ہوتے ہوئے بنگال پہنچے اور سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ شیخ علاء الحق
بنگالی کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ علاء الحق بنگالی آپ کے آنے سے پہلے
اپنے مریدوں سے فرما چکے تھے، کہ۔

آں کسے کہ از دو سال انتظارِ او می کشیدہ ایم وطریقِ مواصلت
او نہ دیدہ ایم امروز فردا می رسد۔

شیخ علاء الحق بنگالی کی خدمت میں پہنچ کر آپ اُن کی بیعت سے مشرف
ہوئے، جب بیعت کر چکے تو فی البدیہہ یہ شعر کہے ؎

نہادہ تاج دولت بر سرِ من	علاءُ الحقِ والدیں گنج نابات
زہے پیرے کہ ترکِ از سلطنت داد	برآوردہ مرا از چاہِ آفات

خبر سنی تو فوراً ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، شیخ اشرف جہانگیر سمنانی بڑی محبت و شفقت سے اُٹھے اور اپنے پاس بٹھایا، اور فرمایا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ حاشیہ)

آپ اپنے مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، حضرت شیخ علاؤ الحق نے آپ کو خرقۂ خلافت اور جہانگیر کے لقب سے سرفراز فرمایا، خود فرماتے ہیں ؎

مرا از حضرت پیر جہاں بخش　　خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہانِ معنوی را　　کہ فرماں آمد از شاہم جہانگیر

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے، آپ کے مرشد نے پوچھا کیا کر رہے ہے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے جواب دیا۔

میان برائے خدمت می بندم

حضرت شیخ علاؤ الحق نے فرمایا۔

اگر می بندی محکم بند کہ ہیچ درمیاں نداری

حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا۔

آرزوئے نفس از میان بیروں کشیدہ تا زندہ ام

حضرت علاؤ الحق نے فرمایا مبارک باد

آپ کے شیخ نے آپ کو نواح جون پور جانے کا حکم دیا، آپ محمد آباد اور ظفر آباد ہوتے ہوئے جون پور آئے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، یہیں آپ کی ملاقات قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ہوئی، اور قاضی شہاب الدین کے توسط سے سلطان ابراہیم شرقی اپنے اُمراء کے ساتھ کئی مرتبہ آپ کے قدمبوسی کے

"یا یا صفی صفا آور دی" آؤ اور اپنا مقصد حاصل کرو، پھر فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ کسی کو اپنے قرب سے نوازنا چاہتا ہے تو حضرت خضرؑ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی رہبری کرے، حضرت شیخ جہانگیر سمنانی کے اس فقرے سے، جون پور کے صحرا میں اس بزرگ کی رہبری یاد آئی جنھوں نے آپ کو ردولی روانہ کیا تھا اور حضرت شیخ سمنانی سے آپ کی عقیدت کئی گونہ بڑھ گئی، اسی وقت اُٹھے اور حضرت سمنانی سے بیعت کی، حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے مرید کرنے کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا، اور مبارک بادی دی، اور چشتیہ نظامیہ کا شجرہ عنایت فرمایا، پھر آپ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ایک طویل عرصہ تک ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، شیخ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۱ے) لئے آیا، قاضی شہاب الدین نے خود بھی باطنی اور روحانی کمالات حاصل کئے، آپ نے ان کو خرقۂ خلافت اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔

پھر آپ کچھوچھہ میں مقیم ہو گئے، اور کچھوچھے میں آپ کی خانقاہ رشد و ہدایت کا گہوارہ بنی، ۲۸ محرم ۸۰۸ھ کو آپ نے کچھوچھہ میں وفات پائی "اشرف المومنین" سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے، آپ کے خلفاء میں سے سید عبد الرزاق الملقب بہ نور العین، شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ شہاب الدین دولت آبادی، شیخ سماء الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدہوری، اور شیخ مبارک گجراتی وغیرہ مشہور ہیں۔

(یہ تمام تفصیلات اخبار الاخیار اور لطائف اشرفی جلد ۱ و ۲ سے ماخوذ ہیں)

سمنانی نے اپنے اِس مرید کو اپنے ایک اور مرید و خلیفہ شیخ سماء الدین کے گھر میں ایک چلّہ کھچوایا، اس چلّے کے پورا ہونے کے بعد، حضرت شیخ اشرف سمنانی ردولی سے کچھوچھہ تشریف لے گئے، اور وہاں سے بھی آپ کی تربیت خطوط کے ذریعہ فرماتے رہے، انوار الصفی میں اُسی زمانے کا ایک مفصل مکتوب جو حضرت شیخ صفی الدین کے نام ہے، منقول ہے، اِس خط میں اُنھوں نے اپنے اس مرید مخلص کو پند و نصائح فرماتے ہوئے سلوک کے اہم مقامات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اس کے بعد شیخ صفی الدین ایک عرصہ تک سیر و سیاحت فرماتے رہے، اوّلاً آپ شہر پنڈوہ میں حضرت شیخ علاء الحق بنگالی[۱] کے مزار پر

---

[۱] شیخ علاء الدین علاء الحق، شیخ اسعد لاہوری کے صاحبزادے تھے، ترک دنیا کر کے شیخ سراج الدین عثمان کے مرید ہوئے، اپنے شیخ کی بے حد خدمت کرتے تھے، اپنے شیخ کا کھانا گرم رکھنے کے لئے انگیٹھی اپنے سر پر اُٹھائے رہتے تھے یہاں تک کہ اُن کے سر کے بال جل گئے، اپنے شیخ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد شیخ علاء الحق اپنے شیخ کے خلیفہ و جانشین ہوئے، اُن کی فیاضی و سخاوت اور غربا پروری نے بادشاہِ وقت کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ چونکہ شیخ علاء الحق کے والد مہتمم خزانہ میں ہیں، ممکن ہے کہ یہ فیاضی شاہی خزانے سے ہوتی ہو، اس لئے بادشاہ نے اُن کو حکم دیا کہ وہ دار الخلافہ چھوڑ کر سُنار گاؤں چلے جائیں جو ڈھاکے سے ۱۸ میل کے فاصلے پر ہے، سُنار گاؤں میں وہ دو سال تک مقیم رہے، اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ جس قدر پہلے خرچ

حاضر ہوئے جو آپ کے شیخ کے پیر تھے اور آن کے صاحبزادے حضرت نورالحق سے ملاقات کی جو آپ کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آئے، پھر آپ نے ایک طویل عرصے تک پنڈوہ میں قیام فرمایا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ) کرتے تھے، اب اُس سے دگنا روزانہ خرچ کرو، چنانچہ یہ خرچ پورا ہوتا تھا، شیخ علاء الحق نے ۸۰۰ھ ۱۳۹۸ء میں وفات پائی۔ اُن کے خلفاء میں میر سید اشرف جہانگیر سمنانی اور اُن کے صاحب زادے شیخ نورالحق مشہور ہیں (اخبار الاخیار ص ۱۴۳ و رود کوثر ص ۳۴۲ - ۳۴۳)

لـه شیخ نورالحق، شیخ علاء الحق کے صاحبزادے اور اُن کے خلیفہ تھے اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ نورالحق مشہور بہ شیخ نور قطب عالم، شیخ علاء الحق کے صاحبزادے مرید اور خلیفہ تھے، اور ہندوستان کے مشاہیر اولیاء میں تھے، صاحب عشق و محبت، اہل ذوق و شوق اور صاحب تصرف و کرامت تھے، اپنے والد کی خانقاہ کے فقیروں کے کپڑے دھونا اور اُن کے لئے پانی گرم کرنے کی خدمت اُن کے سپرد تھی، اس کے علاوہ وہ اپنے والد کی خانقاہ کے فقراء کی تمام خدمتیں بجالاتے، آٹھ سال تک اُنھوں نے خانقاہ کے لئے لکڑیاں کاٹیں، خانقاہ کے درویشوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو اُس کی تیمارداری کرتے، اُن کے بڑے بھائی اعظم خاں جو وزیر سلطنت تھے، جب اُن کو اس حالت میں دیکھتے تو کہتے کہ تمہارے لئے ساری نعمتیں موجود ہیں تم میرے پاس کیوں نہیں آتے لیکن وہ ہمیشہ ٹال دیتے، اور ہنس کر کہتے کہ خانقاہ کی لکڑیاں ڈھونا مجھے وزارت عظمیٰ سے بھی زیادہ عزیز ہے، شیخ نورالحق کے خلیفہ شیخ حسام الدین کا بیان ہے

اور ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، پھر وہاں سے جون پور تشریف

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ کہ میرے شیخ سوائے سردی کے گودڑی نہ پہنتے تھے اور سجادے پر نہ بیٹھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سجادے پر بیٹھنے کا حق اس کو ہے جو اس پر بیٹھ کر دائیں بائیں نہ دیکھے شیخ حسام الدین جب رخصت ہونے لگے تو شیخ نور الحق نے اُن کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، سخاوت میں آفتاب کی طرح ہونا، عاجزی میں پانی کی طرح ہونا، اور تحمل میں زمین کی طرح اور لوگوں کے سب مظالم برداشت کرنا۔

شیخ نور الحق کے مکاتیب دل آویزی، شیرینی اور سوز و گداز کا ایک شاہکار ہیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اُن کا ایک مکتوب نقل فرمایا ہے، اس مکتوب کا ایک ٹکڑا ہم یہاں بطور نمونہ نقل کرتے ہیں۔

نور بجانب نجم

بیچارہ حزیں نور مسکین عمر بباد دادہ، وبُوی مقصود نیافتہ و در تیہ حیرت و میدانِ حسرت چو گُوے سرگرداں شدہ ؎

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے ۔۔۔ ندمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبا را

عمر از شصت گذشتہ و تیر از شست جستہ، و از شرِ نفسِ امّارہ یک ساعت نرستہ، جز باد بر دست و آتش در جگر، و آب در دیدہ، و خاک بر سر نہ پیوستہ، جز ندامت و خجالت دست آویزے نہ و جز درد و آہ پائے گریزے نہ۔ ع

درد درا باش اے برادر در درا

لائے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے[۵] وہاں سے اودھ تشریف لائے، کچھ زمانہ اودھ میں رہے اور آخر میں ردولی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔[۵]

اسی زمانے میں ایک روز آپ موضع پالہی موجود ردولی سے

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ[۱])

بیت

دلِ مردانِ دیں پُر درد باید
ز محنت فرقِ شاں پُر گرد باید

ہر چند دست پازدیم بمقصود نرسیدیم ؎

گفتم مگر کہ کار بسامان شود، نہ شد
یار از جفائے خویش پشیماں شود، نہ شد
گفتم مگر زمانہ عنایت کند نکرد،
بختِ ستیزہ کار بفرماں شود، نہ شد

شیخ نور الحق کی تصانیف میں "انیس الغرباء" ساٹھ صفحہ کا ایک رسالہ چھپ چکا ہے، ۸۱۳ھ میں وفات پائی روضۂ مبارک شہر پنڈوہ میں ہے، خلفاء میں شیخ حسام الدین مانک پوری، شیخ شمس الدین طاہر وغیرہ مشہور ہیں۔

(اخبار الاخیار ص ۱۵۳ و ۱۵۴ و آبِ کوثر ص ۳۵۴)

[۵] یہ تمام تفصیل انوار العیون قلمی باب چہارم در سیاحت و اقوال سے ماخوذ ہے۔

مغرب کی جانب دو کوس پر واقع ہے، حضرت شیخ داؤد خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی مزار کی زیارت کے لئے گئے، اتفاق سے وہاں آپ کی ملاقات سید درویش سے ہوئی جو قصبہ کوٹلاور کے قاضی تھے، یہ قصبہ ردولی سے جانبِ شمال چار فرسنگ پر دریائے گھاگھرا کے کنارے واقع ہے، قاضی سید درویش نے آپ کے زہد وورع اور تقویٰ سے متاثر ہو کر آپ کے رفقاء سے کہا کہ میرے ایک لڑکی ہے، اگر اُس کا عقد شیخ صفی الدین سے ہو جائے تو بہت اچھا ہو، رفقاء نے اُن کی یہ بات آپ تک پہنچائی۔ شیخ صفی الدین کا دل اگرچہ دنیا اور اہلِ دنیا سے سرد ہو چکا تھا، اور تجرد کی طرف مائل تھے، لیکن اتباعِ سُنتِ نبوی کی بناء پر آپ نے قاضی صاحب کی یہ بات منظور کر لی، اور موضع کوٹلاور تشریف لے گئے، جہاں آپ کا عقد سید درویش قاضی کوٹلاور کی صاحبزادی سے ہو گیا۔[1]

شیخ محمد اسماعیل

۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ کو شیخ صفی الدین کے یہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام آپ نے محمد اسماعیل رکھا، شیخ محمد اسماعیل ابھی چالیس ہی روز کے تھے کہ اتفاق سے حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی ردولی تشریف لائے، حضرت شیخ صفی الدین نے اپنے صاحب زادے شیخ محمد اسماعیل کو اُن کے قدموں پر ڈال دیا،

---

[1] انوار الصفی قلمی باب ششم در تاہل نمودن شیخ صفی الدین و تولد فرزند۔

حضرت سید اشرف سمنانی نے نہایت شفقت سے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ہمارا مرید ہے، ہم نے اس کو قبول کیا، صاحب لطائف اشرفی نے شیخ اسماعیل کا شمار بھی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے خلفاء میں کیا ہے۔

شیخ محمد اسماعیل کی تعلیم و تربیت

شیخ محمد اسماعیل نے اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کی، اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر سولہ سال کی عمر میں تمام علوم رسمیہ کی تکمیل کر لی۔ شیخ صفی الدین اپنے فرزند دلبند کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا اگر تم علم کا شوق رکھتے ہو تو کھانا کم کرو اس لئے کہ کم کھانے سے آدمی میں سستی پیدا نہیں ہوتی، کم سوؤ، اور رات کو کتابوں کا زیادہ مطالعہ کرو کہ رات کا مطالعہ تمام دن کے پڑھنے سے زیادہ مفید ہے، اور اس سے قوتِ حافظہ بڑھتی ہے، علم حاصل کرو کہ علم ہی سے تم دین و دنیا میں سربلند ہو سکتے ہو، اور عالم باعمل بنو، اور عالم بے عمل نہ بنو۔

ایک روز شیخ اسماعیل نے اپنے والد سے پوچھا کہ عالم باعمل اور عالم بے عمل میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ علم بغیر عمل کے اس آئینے کی طرح ہے جس پر صیقل نہ ہو۔

شیخ صفی الدین نے اپنے صاحبزادے شیخ محمد اسماعیل کو جو نصیحتیں فرمائیں وہ تفصیل سے انوار الصفی میں مذکور ہیں۔ ایک دفعہ

آپ نے فرمایا:۔

"بیٹا! علوم میں علم فقہ کو زیادہ حاصل کرنا چاہیئے، کیونکہ ایک مسئلہ فقہ کا جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے، اسی ضمن میں فرمایا کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے ایک روز فرمایا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنا تمام وقت علم فقہ کے حاصل کرنے میں اور اُس پر عمل کرنے میں صرف کرے، کیونکہ فقہ مثل سیڑھی کے ہے کہ اُسی کے ذریعہ سے انسان عملِ صحیح کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے اور آخرت کے امور بغیر مسائلِ شریعت کے واقف ہوئے درست ہونا محالات میں سے ہے، اور فقر بغیر علم و عمل کے بے نمک کھانا ہے۔

شیخ احمد عبد الحق کی بشارت

شیخ رکن الدین نے اپنے دادا شیخ محمد اسماعیل کے بچپن کا ایک واقعہ لطائف قدوسی میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے دادا شیخ محمد اسماعیل ابھی بچے ہی تھے کہ آپ دوسرے چند لڑکوں کے ساتھ حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، جس کمرے میں حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی تشریف فرما تھے اُس کمرے میں ایک دریچہ تھا، جس سے باری باری لڑکے جھانک کر حضرت شیخ احمد عبد الحق کو دیکھ رہے تھے، جب آپ کی

باری آئی اور آپ نے کھڑکی سے جھانکا تو حضرت شیخ احمد عبدالحق نے آپ کو دیکھ لیا اور فوراً ایک خادم کو بھیج کر آپ کو اپنے پاس بلوایا، اور نہایت شفقت سے آپ کو اپنے سامنے بٹھایا، اور آپ کی پشت کو بوسہ دیا، اور فرمایا میں اِس لڑکے کی پشت میں ایک ایسا مبارک بچّہ دیکھ رہا ہوں جو اپنے زمانے کا قطب ہوگا، اور اُس کے مرید ہمارے مرید ہوں گے، وہ ہمارے برگزیدہ خلفاء میں ہوگا، اور ہماری نعمت اُس کو پہنچے گی[1]۔ آپ کا اشارہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی طرف تھا۔

شیخ محمد اسماعیل کا عقد اور اولاد

جب شیخ محمد اسماعیل علومِ رسمیہ اور سلوک کی تکمیل کر چکے تو آپ کے والد نے آپ کا عقد قاضی خاں کی صاحبزادی، قاضی دانیال کی ہمشیرہ سے کر دیا۔ یہ خاندانِ ردولی میں اپنی شرافت و نجابت اور علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز سمجھا جاتا تھا[2]۔

حضرت شیخ اسماعیل کے چار صاحبزادے ہوئے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) شیخ عبدالصمد (۲) شیخ عزیز اللہ (۳) قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۴) شیخ حبیب اللہ عرف مخدوم متھن۔

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴

[2] انوار الصفی قلمی باب ششم در ذکر تاہل نمودن شیخ صفی الدین و تولد فرزند ارجمند ابوالمکارم مولانا محمد اسماعیل۔

والد کی جانشینی شیخ محمد صفی الدین نے ۱۳؍ ذیقعدہ ۸۱۹ھ کو وفات پائی۔ وفات سے کچھ دن پہلے، شیخ صفی الدین نے اپنے صاحبزادے شیخ محمد اسماعیل کو ارشاد و تلقین سے بہرہ ور فرماکر خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اُن کے بعد شیخ محمد اسماعیل مسند آرائے رُشد و ہدایت ہوئے۔

شیخ محمد اسمٰعیل کا زیادہ تر وقت درس و تدریس، ارشاد و تلقین اور عبادتِ الٰہی میں گزرتا تھا، ہر جمعہ کو جامع مسجد میں پابندی سے وعظ فرماتے، دنیا اور اہلِ دنیا سے آپ کو سروکار نہ تھا، فقیرانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔

شیخ محمد اسماعیل کی وفات جب شیخ محمد اسماعیل کی عمر اٹھتّر ۷۸ سال کی ہوئی تو ایک روز اپنے چاروں صاحبزادوں شیخ عبد الصمد[۱]، شیخ عزیز اللہ[۲]، شیخ عبد القدوس

---

[۱] انوار الصفی میں ہے کہ شیخ عبد الصمد پر مستی اور بیخودی کی کیفیت زیادہ تر طاری رہتی تھی، انھوں نے موضع عصاموٗ میں جو ردولی سے جانب مغرب دو فرسنگ پر واقع ہے سکونت اختیار فرمائی تھی، ان کی اولاد کچھ موضع عصاموٗ میں اور کچھ ردولی میں اور کچھ موضع شحنی میں آباد ہوئی۔

(انوار الصفی قلمی ص ۵۱ - ذکر اولاد شیخ محمد اسماعیل)

[۲] شیخ عزیز اللہ اپنے والد کی وفات کے بعد ردولی ہی میں مقیم رہے، اور اُن کی اولاد ردولی میں آباد ہے۔ (انوار الصفی قلمی)

اور شیخ حبیب اللہ[1] کو طلب کیا، اور بہت دیر تک ان سب کو نصائح اور وصایا فرماتے رہے، پھر آپ نے تینوں صاحبزادوں کے سامنے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالصمد کو خلافت وسجادگی سے سرفراز فرمایا، اور تمام سلسلوں میں خصوصاً سلسلۂ نظامیہ میں بیعت کی اجازت دی، اور اپنی جگہ مسند ارشاد پر بٹھایا، پھر اپنے صاحب زادے شیخ عبدالقدوس سے فرمایا کہ تمھیں سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے فیض پہنچے گا۔

شیخ محمد اسماعیل نے روز چہارشنبہ ۱۳ ربیع الاول ۸۶۰ھ کو وفات پائی۔

ردولی میں آپ کا مزار حضرت شیخ صفی الدین کے مزار کے متصل جانب غرب واقع ہے[2]۔

---

[1] شیخ حبیب اللہ عرف مخدوم مٹھن تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد موضع بھٹورہ میں آباد ہوئے، یہ موضع ردولی سے جانب مغرب تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، ان کے قیام کی وجہ دہاں یہ تھی کہ سلاطین دہلی سے اُن کو اس موضع کی کچھ آراضی عطا ہوئی تھی، ۱۲۹۴ھ تک اُس آراضی پر شیخ عزیز اللہ کی اولاد کا قبضہ تھا، ان کی اولاد کچھ موضع بھٹورہ میں اور کچھ ردولی میں آباد ہوئی۔ (انوار الصفی ص ۵۱)

[2] نسب نامہ قلمی مؤلفہ شیخ قاضی مظہر الحق ردولوی۔

حضرت شیخ عبدالقدوس کی ابتدائی تعلیم وتربیت

ولادت اذکار الابرار میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی ولادت ۸۶۰ھ میں بہلول ہی کے عہد میں ہوئی ہے حضرت شیخ عبدالقدوس کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور خیالات کے ارتقا میں اُن کے والد ماجد حضرت شیخ اسماعیل کا بڑا حصّہ ہے بچپن ہی سے اُنھوں نے اپنے صاحب زادے کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ کی۔

مکتوب نویسی حضرت شیخ رکن الدین نے لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت شیخ اسماعیل نے اپنے تمام صاحبزادوں کو حکم دیا کہ وہ مختلف حضرات کے خطوط پڑھیں اور لکھیں، آپ کے سب صاحبزادوں نے اس ارشاد کی تعمیل کی، ایک روز اُنھوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس سے فرمایا کہ بیٹا تم خط اور انشا پردازی کی مشق نہیں کرتے، آپ نے جواب دیا کہ ابّا جان خطوں کے لکھنے اور پڑھنے والے چور اور دغا باز ہوتے ہیں، حضرت شیخ اسماعیل نے فرمایا، اے بیٹے ہر ایک ایسا نہیں ہوتا، اور یہ فرما کر خاموش ہو گئے، لیکن کچھ زمانے کے بعد جب معرفت اور افضال الٰہی کے دروازے آپ پر کھُلے تو دنیا نے دیکھ لیا کہ انشاء اور مکتوب نویسی میں آپ کا مثل کوئی نہ تھا، چنانچہ

آپ کے خطوط جو "مکاتیب قدوسیہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، بے مثل انشاپردازی موعظت و حکمت کے وہ شاہکار ہیں جنھیں فارسی کے معیاری ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔

خوشخطی خوشخطی اور پاکیزگیِ خط اعتبار سے بھی آپ بلند مرتبہ رکھتے تھے، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے قرآن مجید اور کافیہ کا ایک ایسا نسخہ اپنے قلم سے لکھا تھا، جو اُس وقت بے حد خوشخط سمجھا جاتا تھا اور لوگ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تعلیم طالب علمی کے زمانے میں آپ کے طلبِ علم اور شوق کا یہ عالم تھا کہ دن رات حصول علم میں غرق رہتے تھے، طلبِ علم کے جذبے کی یہ کیفیت تھی کہ زندگی کی ساری دلچسپیوں کا مرکز صرف حصولِ علم اور عبادت تھا، آپ سارے دن پڑھتے تھے اور رات کو عبادت و ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے تھے، حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ

> چوں حضرت قطبی بتعلم کتابہا مشغول شدند، در تمام روز می خواندند و در تمام شب بشغل ذکر و عبادتِ حق مشغول می بودند[1]

شیخ کی جودت طبّاعی اور غیر معمولی طلبِ علم کو دیکھ آپ کے اساتذہ بھی آپ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے۔

---

[1] یہ تمام واقعات لطائف قدسی ص ۵ - ۶ سے ماخوذ ہیں۔

زمانۂ طالب علمی کی تصانیف زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کے ذوقِ تالیف و تصنیف کا پتہ چلتا ہے، اُس زمانے میں جبکہ علم الصرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے اِسی موضوع پر آپ نے "بحر الانشعاب" کے نام سے ایک کتاب سوال و جواب کی صورت میں تصنیف فرمائی تھی، یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی کہ جس کو دیکھ کر اس دور کے کامل الفن اساتذہ نے کہا تھا کہ علم صرف میں صرف یہی ایک کتاب کافی ہے۔

اِس کے بعد جب آپ نے مصباح کی تعلیم حواشی قاضی شہاب الدین کے ساتھ شروع کی تو آپ نے اپنے اساتذہ کی تقریروں کو ایک جا مجتمع کر کے اُن کو شرح کی صورت دی تھی۔

ترکِ تعلیم ابھی آپ نے کافیہ ہی شروع کیا تھا، اور اس کتاب کو بحث مبنیات ہی تک پڑھ پائے تھے کہ جذبۂ عشقِ ربانی نے زندگی کی اصل حقیقتوں کو آپ پر روشن کر دیا، اور محبت الٰہی کی آگ سینے میں اس طرح روشن ہوئی کہ آپ نے کافیہ پھاڑ کر، تعلیم ظاہری چھوڑ کر اور ماسوی اللہ سے انقطاع کر کے خرقہ پوشی اختیار فرمائی اور ایک جذب کی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔

میاں چکنہ سے ملاقات اُسی عالم جذب و سرمستی میں ایک روز آپ کی ملاقات شیخ فتح اللہ عرف چکنہ سے ہوئی جو اپنے وقت کے بڑے عالم تھے، اور

کسی وقت آپ کے اُستاد بھی رہے تھے، میاں چکنہ آپ کی غیر معمولی قابلیت، جودت وطبّاعی سے خوب واقف تھے، یہ خیال کر کے کہ شاگرد عزیز سے بہت عرصہ میں ملاقات ہوئی۔ اور اب یہ علم میں کافی ترقی کر چکے ہوں گے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ میاں اب کون سی کتابیں پڑھ رہے ہو، حضرت شیخ نے اُسی عالم جذب و سرمستی میں جواب دیا کہ آج کل میں کتاب حیرانی و بندگی پڑھ رہا ہوں، میاں چکنہ آپ کا یہ جواب سُن کر حیران رہ گئے، اور از راہِ شفقت فرمایا، تم شیخ اسماعیل کے لڑکے اور قاضی صفی کے پوتے اور شیخ عبد الصمد کے بھائی ہو، یہ کیا بات کہہ رہے ہو، اُس وقت شیخ خرقہ پہنے ہوئے اور چمڑے تکیہ لئے ہوئے تھے، میاں چکنہ نے آپ کی پوشش اور اس عجیب لباس کو دیکھ کر فرمایا، میاں تم نے یہ کیا مداریوں کا سا لباس پہنا ہے، آپ نے جواب دیا کہ میں اُن مداریوں میں نہیں ہوں۔

اُس عالم جذب و سرمستی میں بھی اگرچہ آپ کی ملاقاتیں مختلف الخیال لوگوں سے ہوتی تھیں، مگر آپ نے کسی کا اثر قبول نہیں کیا، اور ایک ذرّہ برابر بھی آپ حدودِ شرع سے متجاوز نہیں ہوئے۔

والدہ کا ملال

جب آپ نے تعلیم کو چھوڑ دیا اور کتاب کو پھاڑ ڈالا تو آپ کی والدہ کو بے حد صدمہ ہوا

اور وہ اس خبر کو سُن کر اس طرح روئیں جس طرح کوئی اپنے عزیز کے مرنے پر روتا ہے، اور فرمایا افسوس اگر عبدالقدوس پڑھ لیتا تو وہ اتنا ذہین ہے کہ بہت بڑا فاضل انسان ہوتا، پھر وہ روتی ہوئی اپنے بھائی قاضی دانیال کے پاس آئیں جو اُس وقت ردولی کے حاکم تھے، اور اُن سے کہا ہائے تمھارا بھانجا عبدالقدوس ہاتھ سے جاتا رہا، اُس نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا ہے، اُسے بلا کر ڈانٹیے اور تعلیم کے لئے کہیئے، قاضی دانیال نے اُسی وقت آپ کو بلایا اور کہا کہ اگر تم پڑھو گے نہیں تو میں تمھیں سزا دوں گا، آپ نے فرمایا اگر سزا بہتر ہے تو اُس میں تاخیر نہ فرمائیے، عین اُس وقت جب یہ باتیں ہو رہی تھیں بعض عورتیں کچھ گا رہی تھیں، آپ پر اُن کی آواز سُن کر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، قاضی دانیال نے یہ حال دیکھ کر بہن سے کہا یہ حالات ہی دوسرے ہیں، یہ لڑکا کسی اور ہی منزل سے گزر رہا ہے، جائیے اور کچھ فکر نہ کیجئے، انشاء اللہ بہتر ہی ہوگا، اور یہ سب سے بہتر رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تمام تذکرہ نگار اِس پر متفق ہیں کہ اگرچہ آپ نے سوائے ابتدائی کتابوں کے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی، اور آپ کی ساری عمر ریاضتوں اور مجاہدوں میں گذری، لیکن علمِ باطنی کی طرح علمِ ظاہری میں بھی آپ کی یہ کیفیت تھی

کہ علمی مسائل میں آپ کے ارشادات پر اکابرِ علماء اور اہلِ کمال کو آپ کے سامنے مجالِ دم زدن نہ تھی، اور جو کچھ فرماتے تھے اُس کے قبول کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔

علومِ ظاہری میں آپ کا یہ کمال وہبی اور منجانب اللہ تھا۔ آپ کے صاحب زادے حضرت شیخ رکن الدین بیان فرماتے ہیں کہ اُس زمانے میں قصبہ سدھور میں ایک بزرگ حضرت شیخ خواجگی[1] نامی رہتے تھے جو اپنے وقت کے بہت بڑے زاہد اور عابد

---

[1] شیخ خواجگی بن علی بن خیر الدین بن نظام الدین انصاری سدّہوری کے دادا نظام الدین ۸۴۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور ادھر کے ایک قصبہ سدّہور میں سکونت اختیار کی، شیخ خواجگی سدّہور ہی میں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے جون پور گئے اور وہاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی پھر سلسلۂ چشتیہ میں شیخ تاج الحق جون پوری کے مرید ہوکر خلافت حاصل کی، جن کا سلسلہ بتوسط شیخ شمس الدین اودی، سید عبد الرزاق کچھوچھوی سے جا ملتا ہے، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے بعض رسائل میں ہے کہ انھوں نے علامہ بدھن کو بھی پایا تھا جو شیخ محمد عیسٰی جون پوری کے اصحاب میں تھے، شیخ عبد القدوس گنگوہی اُن کے عظمتِ مرتبے کی بناء پر اپنے خطوط میں اُن کو شیخ الاسلام لکھا کرتے تھے، شیخ خواجگی کے چار صاحبزادے تھے، شیخ المشائخ، محمد، محب اللہ، ان تین کے علاوہ ایک اور بھی صاحبزادے تھے جن کا نام معلوم نہیں، شیخ

انسان تھے، حضرت شیخ عبد القدوس جب کبھی تشریف لے جاتے
اُن کی زیارت اور ملاقات کے ضرور جاتے، ایک روز آپ شیخ
خواجگی کی ملاقات کے لئے گئے اور آپ نے اُن سے فرمایا کہ میں نے
علم حاصل نہیں کیا، خصوصاً علم اصول فقہ میں مجھے بالکل دخل
نہیں، میں سوچتا ہوں کہ اس کے لئے کیا کروں؟ حضرت شیخ خواجگی
نے فرمایا کہ جاؤ علم باطن حاصل کرنے میں مشغول رہو کہ
اِس راہ میں تمام اصول فروع ہیں اور فروع اصول ہیں،
تمہارے لئے کوئی مشکل باقی نہ رہے گی، چنانچہ مستقبل نے
بتایا کہ حضرت خواجگی کی یہ پیش گوئی کس طرح پوری ہوئی،
شیخ رکن الدین ہی بیان فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ نے اصولِ
فقہ کی تعلیم اساتذہ سے بالکل حاصل نہیں کی تھی لیکن آپ
مجھے اُصول فقہ میں اصول شاشی وحسامی اور اس کے علاوہ
اصولِ فقہ کی دوسری کتابوں کا درس دیتے تھے، جب میں نے
دہلی میں علم اصول فقہ میں اساتذہ سے کشف منار پڑھنا شروع
کیا تو حضرت شیخ مجھے اِس کا درس دیتے تھے، اور نہایت ہی

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ) خواجگی کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاری
ہروی سے جا ملتا ہے اُن کے دادا سید جمال الدین کے بعد اُن کا سلسلہ نسب یہ ہے۔
شیخ جمال الدین بن محمد بن غیاث بن معز بن جیب بن شمس بن جلال بن ظہیر بن محمد بن نظام
بن شہاب بن محمود بن عوض بن ایوب بن جابر بن اسمٰعیل عبداللہ ہروی (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۰۴)

عجیب وغریب نکات بیان فرماتے تھے، جن کو سُن کر اُس دور کے علماء حیران ہوتے تھے۔

ایک دفعہ مولانا علاء الدین[1] دانشمند ساکن ردولی کو کسی کتاب کے درس دینے میں ایک ایسا مقام مشکل پیش آیا جسے وہ حل نہ کر سکے، اور حضرت شیخ کے بھائی شیخ عزیز اللہ کی خدمت میں اُس کے حل کرنے کے لئے حاضر ہوئے، لیکن یہ مقام اُن سے بھی حل نہ ہو سکا، وہ اُس وقت کے ایک اور عالم قاضی حماد[2] کے پاس پہنچے، لیکن وہ بھی اُس کو حل نہ کر سکے۔ آخر میں وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فوراً ہی اُس

---

[1] شیخ علاء الدین بن سلیمان ردولوی مشہور بہ علاول بلادل ردولی میں پیدا ہوئے، ابھی وہ بچے ہی تھے کہ اُن کے والد نے وفات پائی، پھر وہ حج و زیارت کے لئے حرمین شریفین گئے، اور وہاں ایک طویل عرصہ تک مقیم رہے اور حرمین کے شیوخ و علماء سے تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان واپس ہوئے، اور دہلی پہنچے، وہاں شیخ عبد الغفور بن نصیر الدین سے بیعت کی، اور اُن سے بعض درسی کتابیں تفسیریں پڑھیں، پھر آگرے آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی، شیخ مغلوب الحال بزرگ تھے اُنھوں نے ۹۵۳ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۳۰)

[2] قاضی شیخ حماد حنفی ردولوی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں تھے اور درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۹۷)

مشکل مقام کو اس طرح حل فرمادیا کہ کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔

شیخ رکن الدین کے بڑے بھائی شیخ حمید الدین شرح منار سرہند میں مولانا قطب الدین[1] سے پڑھتے تھے، انھیں بھی اس کتاب میں ایک ایسا مشکل مقام پیش آیا جسے وہ حل نہ کر سکے، جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے اشکال کو حضرت شیخ کے سامنے پیش کیا آپ نے فوراً اس اشکال کو حل کر دیا۔

شرح عوارف کی تصنیف

یہ صرف آپ کی کسی خاص علم میں کیفیت نہ تھی، بلکہ آپ تمام علوم ظاہری میں سرچشمۂ الٰہی سے فیضیاب تھے۔

شیخ رکن الدین بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے علم کلام میں شرح صحائف کو پڑھنا شروع کیا تو میرے والد ماجد حضرت

---

[1] مولانا قطب الدین سرہند کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان کے مشہور علماء میں تھے، تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے، اور بہت سے لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا، اُن کے ممتاز تلامذہ میں شیخ حمید الدین بن شیخ عبد القدوس گنگوہی ہیں۔ مولانا قطب الدین نے سرہند ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۷۱)

شیخ عبد القدوس گنگوہی نے اس کتاب کا پورا مطالعہ کرنے بعد اُس پر نہایت ہی عجیب مباحث اور حواشی لکھے۔

خود حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائً عوارف کا نسخہ میرے حُجرے میں برکت کے لیئے رکھا رہتا تھا اور مجھے اِس موضوع میں کوئی دخل نہ تھا، لیکن پھر میرا شغف یہاں تک پہنچا کہ میں نے عوارف کی شرح عربی میں لکھی، آج بھی علمی دنیا میں اِس شرح کو عجیب نکات اور لطیف توضیحات کی وجہ سے جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ [۱]

---

[۱] لطائف قدوسی۔ ص ۸

تیسرا باب

ریاضتیں اور مجاہدے

درگاہِ شیخ احمد عبدالحق میں حاضری

ترکِ تعلیم کے بعد ایک عرصہ تک آپ پر بیخودی اور سرمستی کی کیفیت طاری رہی، بسا اوقات آپ اس عالم جذب و سرمستی میں ردولی سے باہر نکل جاتے۔

اسی عالم میں ایک مرتبہ آپ ردولی سے نکل کر کسی دوسری طرف جا رہے تھے، راستے میں ایک شخص ملا، اُس نے پوچھا کدھر جا رہے ہو، آپ نے فرمایا میں خدا کی طلب میں گھر سے باہر نکلا ہوں، اُس شخص نے کہا اگر خدا کے طالب ہو تو درگاہِ شیخ احمد عبدالحق میں جاؤ۔

آپ اُس کے کہنے پر ردولی واپس ہوئے اور حضرت شیخ احمد عبدالحق کی درگاہ میں حاضر ہوئے، جب آپ حضرت کی خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے دیکھا حضرت شیخ احمد عبدالحق کے صاحبزادے

حضرت شیخ عارف کے خادم شیخ پیارے دہاں بیٹھے دیوان مسعود بک[1] پڑھ رہے ہیں، شیخ پیارے نے آپ کو دیکھا تو یہ خیال کر کے کہ حضرت شیخ کے بزرگ بڑے بڑے عالم اور مفتی رہے ہیں۔ انھوں نے دیوان مسعود بک کا نسخہ فوراً چھپالیا، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا، میاں ہم بھی اسی علمِ توحید

---

[1] مسعود بک سلطان فیروز کے رشتے داروں میں تھے، اُن کا اصل نام شیر خاں تھا، ایک عرصے تک امیروں اور دولت مندوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اچانک اُن پر جذبۂ طلبِ حق طاری ہوا، امارت اور ریاست کو چھوڑ کر درویشوں کے حلقے میں داخل ہوئے، اور شیخ رکن الدین ابن شیخ شہاب الدین امام سے بیعت ہوئے، ان پر سکر کی کیفیت طاری رہتی تھی، فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے، اُن کے کلام میں ایک سرمستی کی کیفیت پائی جاتی ہے، سلسلۂ چشتیہ میں اسرارِ حقیقت کو جس قدر اُنھوں نے واضح طور پر بیان کیا ہے اُن کی مثال نہیں ملتی، کہا جاتا ہے کہ ان کے آنسو اس قدر گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر پڑتے تو ہاتھ جل جاتا، صاحبِ تصانیف تھے، علاوہ دیوان کے اُن کی تصانیف میں جو تصوف پر ہیں اُن میں تمہیدات ہے جو تمہیدات عین القضات کے طرز پر ہے، اور مراۃ العارفین مشہور ہے۔ مسعود بک کا مزار دہلی میں اپنے پیر کے مقبرے لاڈو سرائے میں واقع ہے (اخبار الاخیار ص ۱۷۹)۔

کے حاصل کرنے والے بن کر آئے ہیں، شیخ پیارے نے جب آپ کی جذب و سرمستی کا رنگ دیکھا فوراً بے تکلف ہو گئے، اُس کے بعد آپ اپنا بڑا وقت شیخ پیارے کی صحبت میں گزارتے تھے۔ آپ کا ظاہر اوقت شیخ پیارے کی خدمت گزرتا تھا، لیکن باطنی فیوض آپ حضرت شیخ احمد عبدالحق رح کی روح سے براہ راست حاصل فرماتے رہے۔

خود فرمایا کرتے کہ میں اکثر ویرانوں، جنگلوں، بیابانوں، مقبروں اور اپنے حجرے میں تن تنہا ہوتا تھا، لیکن تہجد یا نماز کا وقت آتا تو حضرت شیخ احمد عبدالحق تشریف لاتے، مجھے بیدار کرتے، اور میرے کان میں حق حق کی آواز آنے لگتی اور میں ہوشیار ہوتا اور اس آواز سے غفلت دور ہو جاتی، پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کا یہ عمل میرے ساتھ اس قدر متواتر تھا کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا[1]۔

بیعت حضرت شیخ عبدالقدوس نے اگرچہ براہِ راست فیض حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی سے حاصل کیا تھا لیکن مرید آپ اُن کے پوتے حضرت شیخ محمد رح سے ہوئے حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق ردولوی، حضرت شیخ کے ہم عمر تھے، اس ہم عمری کی وجہ سے آپ کو وہ عقیدت وارادت

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۱۲ ص ۹-۱۰

اُن سے نہ تھی جو کسی بیعت ہونے والے کو اپنے ہونے والے شیخ سے ہوتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ کسی دوسری جگہ مرید ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کریں، لیکن جب بھی یہ خیال آپ کے دل میں آتا، روحِ حضرت شیخ احمد عبدالحق آپ سے عالم باطن میں متوجہ ہو کر فرماتی کہ تم ہمارے ہو، کسی دوسری جگہ مت جاؤ، یہ سُن کر حضرت شیخ خاموشی اختیار فرماتے، لیکن جب بار بار یہی معاملہ ہوتا رہا تو حضرت شیخ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بیشک میں آپ کا ہوں، لیکن بظاہر دوسری جگہ بیعت کرنے میں کیا حرج ہے، اُس وقت حضرت شیخ احمد عبدالحق بنفسِ نفیس اِس جسم کے ساتھ تشریف لائے، اور آپ سے فرمایا کہ کیا اب بھی تم مجھے مُردہ سمجھتے ہو، تم ہمارے ہو، دوسری جگہ مت جاؤ، پھر حضرت شیخ احمد عبدالحق نے آپ کو اپنے پوتے شیخ محمد کے حوالے کیا، اور حضرت شیخ عبدالقدوس نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، باوجود اِس کے کہ شیخ محمد آپ کے مرشد تھے، لیکن آپ کی بیحد تعظیم و تکریم فرماتے تھے[1]۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق کی براہِ راست فیض رسانی

ملفوظاتِ حضرت قطب عالم میں آپ کے مرید و خلیفہ شیخ عبدالستار سہارنپوری نے نقل کیا ہے کہ جمعرات کا دن تھا اور بہت سے لوگ درگاہِ شیخ احمد عبدالحق

---

[1] لطائف قدوسی ص ۱۰ لطیفہ ۱۳

میں حاضر تھے کہ ناگاہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کا مزارِ مبارک شق ہوا، اور حضرت مخدوم برحق شیخ احمد عبدالحق اِس جسمِ ظاہری کے ساتھ مزار سے باہر تشریف لائے، اور حضرت شیخ عبدالقدوس کی طرف متوجہ ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

حضرت شیخ عبدالقدوس پر یہ سُن کر لرزہ طاری ہو گیا، اور بے اختیار آپ کے پاؤں پر گر پڑے، حضرت شیخ احمد عبدالحق نے شفقت سے آپ کا ہاتھ پکڑا، اور فرمایا میں نے تجھ کو خدا تک پہنچایا [۱]۔

انوار العیون میں حضرت شیخ عبدالقدوس نے براہِ راست حضرت شیخ احمد عبدالحق سے فیض حاصل کرنے کا خود بھی تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ۔

اجازت ایں فقیر (شیخ عبدالقدوس) با حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبدالحق) در عالم معاملہ اول درست گشت، بعدہٗ با نبیرہ حضرت شیخ العالم شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلہٗ واعلیٰ قدرہٗ بیعت کردیم و از شرفِ اجازت مشرف گشتیم، و حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبدالحق) ایں فقیر را در عالم معاملہ چند بار لطف کردند و دست گرفتہ

---

[۱] مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ مرتبہ مولانا مشتاق احمد صاحب انبہٹوی۔

بزبان کرم فرمودند کہ ترا بخدا رسانیدم، الحمد للہ علی ذلک،
چنداں معاملہ ایں فقیر را با حضرت شیخ العالم (شیخ احمد عبد الحق)
بود کہ در حد وعد نیاید، تا در وقتے باشد کہ غفلت از آں ربودہ
باشد، وایں معاملہ مارا در ظہورِ ولایت حضرت شیخ العالم
(شیخ احمد عبد الحق) بعد چہل سال از رحلتِ شیخ العالم
(شیخ احمد عبد الحق) بودہ ست [1]

خانقاہِ شیخ احمد عبد الحق میں ریاضتیں

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ایک مدت تک
خانقاہِ شیخ احمد عبد الحق میں ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے
آپ نے اپنے ابتدائی زمانے میں سخت مجاہدات کئے، حضرت شیخ
احمد عبد الحق کے روضۂ مبارک میں خود جھاڑو دیتے، خانقاہ کے
درویشوں کی لکڑیاں لاتے، اور طرح طرح کی ریاضتیں اور مجاہدے
کرتے، یہاں تک کہ آپ مزار مبارک پر چلّہ کش ہوئے، اس
چلّے میں آپ نے کھانا پینا بالکل بند کر دیا، جب کھائے بغیر کئی
دن گزر گئے تو بھوک اور پیاس کی گرمی کی وجہ سے خون کے
پاخانے آنے لگے، یہاں تک کہ سانس سے پھٹتے ہوئے گوشت

---

[1] مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۳ بحوالہ انوار العیون۔

کی بوآتی تھی، اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ سانس سے عطر و عود کی بوآتی تھی، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس زمانے میں خود اس شعر کا عملی مشاہدہ کیا ہے ؎

تا نسوزی بر نیاید بوئے عود　　پختہ داند کیں سخن بر خام نیست

یہاں تک کہ اس کی نوبت پہنچی کہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں روحِ قفسِ عنصری سے پرواز نہ کر جائے۔

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی شدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانے میں آپ کی یہ کیفیت تھی کہ اندرونی سوزش کی وجہ سے دماغ سے جو بھاپ نکلتی تھی اُسے محسوس کیا جا سکتا تھا، عین موسم سرما میں جبکہ برف منجمد ہوتا ہے اس عشق الٰہی کی گرمی کی وجہ سے روزانہ صبح کے وقت آپ کے سر مبارک پر باسی پانی کی کئی ٹھلیاں ڈالی جاتی تھیں، لیکن پھر بھی پانی میں برودت کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ پانی جو سر پر ڈالا جاتا تھا اُس کا یہ حال ہوتا تھا کہ وہ خود گرم ہو جاتا تھا۔

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانے میں آپ ایسے مقامات پر بھی رہے جو حشرات الارض کا مرکز تھے، اکثر آپ کے حجرۂ مبارک میں سانپ دیکھے جاتے تھے، لیکن آپ بے خوف ہو کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے [۱]

---

[۱] لطائف قدسی۔ لطیفہ ۱۴ ص ۱۰ و لطیفہ ۲۰ ص ۱۵

خرقۂ مُبارک اسی مجاہدے اور ریاضت کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ آپ ایک طویل عرصے تک گدڑی جس میں متعدد پیوند لگے ہوئے تھے پہنتے رہے غالباً اس کا مقصد یہ ہوگا کہ نفس میں فاخرہ لباس کی پوشش سے کبر و نخوت پیدا نہ ہو، اس خرقۂ مبارک[1] کی کیفیت آپ کے صاحب زادے حضرت شیخ رکن الدین نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ ابتدا سے میری پیدائش تک حضرت شیخ لباس نہیں پہنتے تھے، بلکہ گلوئے مُبارک میں ایک گدڑی تھی جس میں بیسوں پیوند لگے ہوئے اور پاجامے کے بجائے بھی ایک پُرانا کپڑا تھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے، سر مُبارک پر جو ٹوپی تھی وہ بھی مختلف پیوندوں کی تھی، آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جس طرح آپ روزانہ نماز، روزہ عبادات، اور اوراد و وظائف کو پابندی سے پورا کرتے، اسی طرح ہر روز پابندی کے ساتھ ایک پیوند اپنی گدڑی میں لگاتے، اور اس پیوند کو دو تین بڑے بڑے ٹانکوں سے

---

[1] میرے جد امجد کا یہ خرقہ مبارک آج تک ہمارے خاندان میں محفوظ چلا آتا ہے، یہ حضرت شیخ کے تبرکات میں سے ہے، اور حضرت شیخ کے سجادہ نشین نسلاً بعد نسلٍ اس کے امین و محافظ ہوتے ہیں، عرس کے روز سجادہ نشین وقت اس خرقہ کو پہن کر ہاتھی پر بیٹھ کر اپنے مکان سے اور حضرت شیخ کی درگاہ تک جاتا ہے، ہزاروں انسان اس کی زیارت کرتے ہیں، میں نے بھی متعدد مرتبہ اس خرقہ کی زیارت کی ہے (مؤلف)

ٹانک لیتے تھے، پیوند کے لئے کپڑے گلی کوچوں سے اٹھاتے، انھیں دھوتے اور پاک کر کے سی لیتے، اس زمانے میں آپ حضرت شیخ خواجگی سدہوری کی خدمت میں جو نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے حاضر ہوا کرتے تھے، ایک روز انھوں نے آپ کو گدڑی پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ بعض مرتبہ سالکوں کے لئے گدڑی بھی نفسانیت اور ریا کا ذریعہ بنتی ہے اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر لوگ ان کو گدڑی کے پہننے سے منع کرتے ہیں تو وہ انکار کرتے ہیں، حضرت شیخ خواجگی کے اس ارشاد پر آپ کو خیال ہوا کہ کپڑے پہننے چاہیں، چنانچہ آپ کے بعض مریدوں اور دوستوں نے چندہ کر کے آپ کے لباس کے لئے دس گز کپڑا خریدا اور لباس تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے وہ لباس پہنا، جب وہ لباس پھٹ گیا تو پھر آپ وہی گدڑی پہننے لگے۔ کیونکہ فقر اور تنگدستی کی وجہ سے آپ دوسرا کپڑا نہیں خرید سکتے تھے۔

تفرید و تجرید آپ پر تفرید و تجرید کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ مال و متاعِ دنیاوی سے کوئی چیز گھر میں موجود رہے۔

آپ کی بیوی کے پاس چند تولے کا ایک طلائی ہار تھا جو شادی کے موقع پر والدین نے دیا تھا۔ انھوں نے اس ہار کو حضرت شیخ سے چھپا کر اس غرض سے رکھا تھا کہ اگر یہ پڑا رہے گا تو آپ کے بڑے

بڑے صاحبزادے شیخ حمیدالدین کی شادی کے وقت کام آئے گا لیکن
حضرت شیخ اس کو بھی کمالِ تفرید و تجرید کے شان کے خلاف سمجھتے
تھے، جب آپ کو معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس ایک ہار موجود ہے تو آپ
نے ایک روزہ شیخ خواجگی سدہوری سے عرض کیا کہ میری بیوی کے
پاس ایک ہار موجود ہے، اور کمالِ فقر، کمالِ تفرید و تجرید پر منحصر ہے، میں
چاہتا ہوں کہ یہ ہار بھی گھر میں باقی نہ رہنے پائے، لیکن شیخ حمیدالدین
کی والدہ اس پر راضی نہیں ہوتیں، حضرت شیخ خواجگی نے فرمایا تم
اِس خیال کو اپنے دل سے نکال دو اور اُس ضعیفہ عورت کو رنجیدہ
نہ کرو کہ تم کو اس ہار سے کوئی تعلّق نہیں اور تفرید و تجرید کا تعلق تمھارے
مال سے ہے نہ کہ دوسروں مال سے، تمھارے لئے مناسب نہیں
کہ تم ان کے حق میں تعارض کرو [1]

ریاضتوں اور مجاہدوں کے متعلق صاحب اقتباس الانوار کی شہادت

زبدۃ العارفین مولانا محمد اکرم نے اقتباس الانوار میں آپ کی عظمت ولایت و جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے اور آپ کو ریاضت و مجاہدات میں بایزیدِ دہر اور فریدِ عصر لکھا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

قطب عالم شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل قدس سرہ
از محتشمانِ روزگار و عارفانِ صاحبِ اسرار بود، شانے

---

[1] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۱۹ ص ۲۰

بغایت رفیع وہمتے بلند وکرامتے وافر داشت، ودرمیان اہلِ عشق وسماع وممتاز بود، وباتفاق مشائخ وقت کمالات وے راقبول می کردند۔

درتربیت مریدان از بے نظیرآن روزگار بود، چنانکہ باندک توجّہ مقید ان ظلمات ناسوت را بانوار مرتبۂ اطلاق ولاہوت داخل می ساخت ووے از ابتدائی تا انتہا مثل نام گرامی خویش از قیود ذاتِ کثرت منزہ ومقدس بود، واز وجود کہ فی خود خلاص یافتہ، دائماً درمشاہدۂ انوارِ مقدّس درمعانیہ فناء احدیت مستغرق بودہ درمقام یک رنگی بادوست ہمرنگ گشتہ، واز ملاحظۂ غیر وغیریت چنان فراغ داشت کہ گاہے برلوح دلش نقش خطرہ پیدا نگشتہ، وبر زبانِ وے اسم کثرت نگذشتہ، وددر ریاضات ومجاہدات بایزید دہر وفرید عصر خود بو، حالات ومقامات وے قدس سرہ ازآن برتراست کہ نسبت بکسے توان داد، حالے کہ بر سید الطایفہ حضرت جنید بغدادیؓ بابعدہ سال روے نمودہ بود، بتوجہ مقدس مر مریدانِ پاک اعتقاد وے را درسہ چہار سال بلکہ درچند روز دست میداد، ولایتے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالی مروے راعطا کردہ بود، از

زبانِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرفتہ تا امروز معدودے از اولیاء بآں رسیدہ باشند و بر ہر کہ نظر مبارکش وے افتاد در حال صاحبِ کمال و تکمیل می گشت، تا بحدیکہ گاذر و سائیس وکنّاس وے نیز صاحبِ ولایت بودند[1]

اساتذہ اور شیوخ کی خدمت

حضرت شیخ نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کی خدمت جس قدر کی ہے اُس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میری عمر کا بڑا حصہ پانی کے کھینچنے، مٹی کے ڈھونے۔ لکڑی کاٹنے جھاڑو دینے، اور دوسرے اسی قسم کے کاموں میں صرف ہوا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت ایسے بھی آئے ہیں کہ مجھے چٹائی کے لئے گارا بنانے سے فرصت نہیں ملتی تھی، اور میرے اساتذہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا دیتے تھے، جمعہ کے دن میں اپنے کپڑے اور اپنے اساتذہ کے کپڑے دھونے کے لئے تالاب پر لے جاتا، میرے اساتذہ کپڑے دھونے کا وقت مقرر کر دیتے، اگر اس میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو مجھ پر ڈانٹ پڑتی۔ میرے شیوخ و اساتذہ نے میرے ہر عمل و کام کے لئے وقت مقرر کیا تھا، یہاں تک کہ استنجے کے لئے بھی ایک وقت مقرر تھا، اُن کا اس سے مقصد یہ تھا کہ میرا کوئی بھی وقت بیکاری اور غفلت میں نہ گذرے، اور نہ شیطان و نفس کو

---

[1] مکتوبات قدوسیہ مقدمہ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی ص ۲ بحوالہ اقتباس الانوار۔

اغوا اور ضلالت کا موقع نہ ملے[1]

ایک دفعہ حضرت شیخ کے پاس کپڑے نہ تھے۔ آپ کے بھائی شیخ عبد الملک عرف میاں شیخ نے آپ کو اپنے کپڑے پہنا دیئے، یہ کپڑے قیمتی کچھ میلے تھے، آپ کو خیال ہوا کہ اگر ان کو دھولیا جائے تو بہتر ہوگا۔ آپ نے اپنے استاد سے کپڑے دھونے کی اجازت طلب کی مگر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا، دوبارہ عرض کیا، پھر خاموش ہوگئے، تیسری بار عرض کیا تو انھوں نے غصّے میں آکر کہا کہ تجھ کو ان کپڑوں نے خراب کیا ہے، تیرا نفس موٹا ہوگیا ہے، اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ ہم نے جو تکلیفیں اور مصیبتیں اپنے شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں اٹھائی ہیں، اگر ہم اس وقت ان کو اپنے طالبوں کے لئے روا رکھیں تو وہ برداشت نہیں کرسکتے، اس لئے ان کی ہمت اور حوصلے کے مطابق ہی کام لینا پڑتا ہے[2]

حضرت شیخ احمد عبد الحق کی توجہ

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کے ابتدائی دور میں جب کہ آپ کا قیام ردولی میں تھا، عالمِ باطن میں حضرت شیخ احمد عبد الحق کی توجہ آپ کی تربیت کی طرف بیحد تھی، حضرت

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۱۷ ص ۱۳

[2] لطائف قدوسی لطیفہ ۱۸ ص ۱۴

شیخ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ابتدائی ریاضتوں کے زمانے میں خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ احمد عبد الحق فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارا گھر جلا دیا ہے، لیکن اب بھی تم گھر نہیں چھوڑتے، پھر آپ نے مجھے خواب ہی میں بھیکن خیاط کا گھر دکھایا، اور فرمایا کہ اس کے یہاں چلے جاؤ، شیخ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، آپ نے اپنی حمائل لی اور گھر کو جلتا چھوڑ کر باہر نکل آئے، گھر میں آگ لگنے کی خبر سن کر لوگ جمع ہو گئے، جب آگ بجھ گئی تو لوگ حضرت شیخ کی تلاش میں گھر میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ آپ کو تلاش کرتے ہوئے بھیکن خیاط کے یہاں پہنچے، دیکھا کہ آپ اس کے گھر کے حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول ہیں، بھیکن خیاط بھی اہلُ اللہ میں تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کو نورِ حق کی تجلی ہوئی، اور اُس کے بعد ایک مدت تک اس پر مستی کی کیفیت طاری رہی، اسی لئے وہ کپڑا قطع کرتے ہوئے خطا کرتا تھا اور کرتے کا ازار اور ازار کا کرتہ بنا دیتا تھا، شیخ پیارے نے ہندی میں ایک دوہا بھیکن خیاط کے متعلق کہا ہے ؎

کا کر سیا کا کر دھاگا   درج جہاد من انہہ لاگا[1]

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۲۷ ص ۱۹

چوتھا باب

عبادات

عبادات میں آپ نماز اور ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلام پاک

نماز سے بڑا شغف رکھتے تھے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ آپ چار سو رکعتیں رات میں اور چار سو رکعتیں دن میں علاوہ سُنتوں اور مقررّہ نوافل اور روزمرّہ کے وظائف کے پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا جُبّہ و ازار کا وہ حِصّہ جو زانوئے مبارک کے سامنے ہوتا تھا نماز میں گِھس گِھس کر بہت جلد پھٹ جاتا تھا۔

نماز سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ سرما کے شدید موسم میں جب کہ برف باری ہوتی تھی اور شدّت سرما سے آپ کے پاؤں اور پنڈلیاں پھٹ جاتی تھیں، آپ کڑاکے کی سردی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے جب نفس میں گرمی کی خواہش پیدا ہوتی تو آپ دل ہی دل میں فرماتے کہ اِس دوگانے کے بعد میں جسم کو آگ کی حرارت سے راحت

پہنچاؤں گا، اسی طرح تمام رات گذر جاتی اور آگ سے تاپنے کی نوبت کبھی نہ آتی تھی، بعض مریدین جو اس حالت سے واقف ہوتے تھے کبھی کبھی انگیٹھی میں آگ روشن کر کے نماز کی حالت میں آپ کے پیچھے رکھ دیتے۔ مگر آپ کے خشوع و خضوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ گرمی و سردی کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی [1]

شب برات کے معمولات شب برات کو اسلامی نقطۂ نظر سے عبادت و برکات میں خاص اہمیت حاصل ہے، آپ کی عادت مبارک تھی کہ اس رات ایک قرآن مجید سو رکعت باجماعت نفلوں میں پابندی سے ختم فرماتے تھے۔ خصوصیت سے آپ کے صاحبزادے شیخ احمد جو حافظ قرآن مجید بھی تھے امامت فرماتے تھے، اگر اتفاق سے شیخ احمد موجود نہ ہوتے تو آپ کسی دوسرے حافظ کو طلب فرماتے اور اس کی امامت میں ختم کلام مجید فرماتے۔

ایک رمضان میں آپ کے صاحبزادے حافظ شیخ احمد کسی وجہ سے معذور تھے اور حسب عادت تراویح میں روزانہ تین پارے قرآن مجید کے نہیں سنا سکتے تھے، لیکن آپ کے ادب کی وجہ سے زبان سے یہ عرض بھی نہیں کر سکتے تھے کہ میں تین پارے اس مرتبہ نہیں سنا سکتا، یہاں تک کہ پہلی تراویح آگئی، عین تراویح

---

[1] لطائف قدوسی ص ۱۵ لطیفہ ۲۱

کے وقت حضرت شیخ نے عالم کشف میں اُن کی معذوری محسوس کرکے فرمایا، میاں تمھارا جتنا جی چاہے سناؤ اور تمھیں جس میں سہولت ہو اُس قدر پڑھو۔[1]

آپ خود بھی حافظ کلام مجید تھے لیکن عشق باطنی کی سوزش کی وجہ سے خود ختم محراب نہیں فرما سکتے تھے۔

تراویح ماہ رمضان مبارک میں تراویح میں تین قرآن مجید ختم کرتے تھے، آپ کا یہ عمل کبھی قضا نہیں ہوا۔[2]

عبادت میں مشقت آخر وقت تک حضرت شیخ شب برات کی سو رکعتوں اور ماہ رمضان کی تراویح اور رات دن کے معمولات، اوراد وظایف و عبادات کے پابند رہے، اور نماز فرض و نافلہ ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے، خصوصاً جس دن بارش ہوتی یا سخت جاڑا پڑتا یا سخت ہوائیں چلتیں تو اُس روز آپ اپنے نفس پر زیادہ مشقت اختیار فرماتے، اور روزمرّہ کے معمولات سے زیادہ عبادت و نوافل کو بڑھا دیتے تھے دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ اس ضعیفی اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ اپنے معمولات عبادت و اوراد و وظایف کس استقامت اور پابندی کے ساتھ ادا فرماتے ہیں۔[3]

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۹ ص ۶۲ [2] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۹ ص ۶۲

[3] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۹ ص ۶۲

محبوب ترین دعا رمضان المبارک میں تراویح کے بعد آپ ہمیشہ یہ دعا بڑی لذت وشوق سے مانگتے اور اپنے دوستوں اور خلفاء کو فرماتے کہ وہ کبھی اس دعا کے پابند ہوں۔

اللّٰھم مدّ لی عمری فی طاعتك ومحبتك وشوقِ لقائك ووسع علیّ رزقی من خزاین برکتك وسعۃ رحمتك رزق الحبوبین المرادین المقربین الواصلین الیك وصحّ لی جسمی فی طلبك یا سیّدی ومولائی وبلّغنی املی فی مشاہدتك وکمالِ معرفتك وانوارِ قدسك واسرارِ غیبك فانك تمحو ما تشاء وتثبت وعندك امّ الکتاب [1]

روزہ رمضان کے روزوں کے علاوہ بھی آپ بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ آپ صائم الدہر تھے، وہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی مدت میں میں نے آپ کو سوائے ایامِ ممنوعہ کے جو پانچ روز ہیں بغیر روزے کے نہیں دیکھا۔

کبھی کبھی کھانے کے وقت آپ اسرارِ معرفت بیان کرتے۔ اور بیان میں اس قدر محو ہوتے کہ آپ کو کھانے کے متعلق مطلقاً

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۹ ص ۴۲

خبر نہیں ہوتی تھی کہ کس قدر کھایا گیا، بہت سے دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ آج کل حضرت زیادہ کھاتے ہیں، آپ اُن کے اِس خطرے کو فوراً محسوس فرما لیتے، اور کہتے کہ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ میں بہت کھاتا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کیا کھا رہا ہوں اور کس قدر کھا گیا ہوں اُس کے بعد کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے کبھی کبھی چند لقموں کے کھانے پر اکتفا کرتے [۱]

ذکرِ الٰہی چشتیہ سلسلے میں ذکر بالجہر کو خاص اہمیت حاصل ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سالہاسال اس طریقہ سے گذرے ہیں کہ عشا کی نماز کے بعد سے ذکر بالجہر شروع ہوتا تھا، اور تمام رات ذکر بالجہر میں گذر جاتی تھی، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی، رفیق اور ساتھی جو میرے ساتھ ذکر بالجہر میں شریک ہوتے تھے غیر معمولی طور پر سستی اور تکان محسوس کرنے لگتے تھے [۲]

سلطان الاذکار حضرت شیخ کو ابتدا میں "سلطان الاذکار کا اس قدر غلبہ اور شغف تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ میں اس کی وجہ سے مسلوب العقل اور دیوانہ ہو جاؤں گا، کیونکہ مجھ پر گھڑی گھڑی سلطان الاذکار کا غلبہ ہوتا تھا، اور میں محو و بیخود ہو جاتا تھا [۳]

---

[۱] لطائف قدوسی لطیفہ ۸۶ ص ۷۱ و ۷۲ [۲] لطائف قدوسی لطیفہ ۲۲ ص ۱۵

[۳] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۲۳ ص ۱۶

صلوٰۃِ معکوس جب رات ہوتی تو جس طرح لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں، آپ رات کو عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے، یہاں تک کہ آپ کی ساری ساری رات عبادت میں گذرتی اور پلک تک نہ جھپکتی تھی۔

بسا اوقات عشا کی نماز کے بعد آپ اپنے آپ کو باندھ کر لٹکاتے، اور تمام رات صلوٰۃ معکوس میں گزارتے صبح کے وقت کھولتے۔

ایک دن فرمایا کہ میں صلواۃ معکوس ادا کر رہا تھا کہ مجھ پر سلطان الاذکار کا غلبہ ہوا، اور اُس نے میرے وجود کو لوٹ لیا، یہاں تک کہ مجھے اپنے شعور کے سوا کسی چیز کا شعور نہ تھا، اُسی حالت میں مجھے خیال ہوا کہ میں اپنے شعور سے بھی آگے بڑھ کر فناء الفناء کی منزل میں آجاؤں، خدا کے فضل اور اس کی تائید سے یہ منزل بھی پیش آئی۔ اور منزل فناء الفنا سے گذر کر مجھ پر مقام بقا ظاہر ہوا، اس کیفیت کے بعد میرے سامنے غیب سے ایک شخص آیا، اور مجھ سے کہا کہ تم کو مبارک ہو کہ تم اِس وقت واصل حق تھے، پھر وہ شخص غائب ہوگیا، آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ وہ شخص کون تھا، لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہو رہے [1]

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۲۴ ص ۱۸

کیفیت ادائے نوافل

نوافل میں اکثر آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ قراۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے بعد شغل باطن میں مصروف ہو جاتے اور بارہ سانس کی مقدار ذکر خفی کرتے تھے، اس کے بعد رکوع میں جاتے، اور رکوع کے بعد چند دم ذکر خفی کرتے، اسی طرح قومہ میں ذکر خفی کرتے، پھر سجدہ میں بعد تسبیح چند دم ذکر خفی کرتے، ایسے ہی دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور دوسرے سجدے کی تسبیح کے بعد چند دم ذکر خفی کرتے، اس طرح تمام نوافل میں شغلِ حق میں مشغول رہتے، اور یہ نماز مثل اس صلوٰۃ التسبیح کے ہے جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول، اس طرح آپ تمام شب میں چند دوگانے نوافل پڑھتے، اور انھیں چند دوگانوں میں رات ختم ہو جاتی۔[1]

---

[1] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۲۵ ص ۱۸

پانچواں باب

ازدواج

عین اُس زمانے میں جبکہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر سخت ریاضتیں اور مجاہدے کر رہے تھے، آپ کی شادی کا واقعہ پیش آیا۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ ریاضتوں اور عبادتوں کی وجہ سے حضرت شیخ کا ارادہ نہ تھا کہ آپ تاہل کی زندگی اختیار فرما کر اہل و عیال کے جھگڑے میں پڑیں، بلکہ غلبۂ عشق الٰہی کی وجہ سے آپ کا عزم یہ تھا کہ آپ مجرد تنہا جنگلوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کریں، اور کسی ایسے گوشۂ گمنامی میں وفات پائیں جہاں آپ سے کوئی واقف نہ ہو، لیکن چونکہ ازدواجی زندگی تقدیر الٰہی تھی، اس لئے حالات ایسے پیش آئے کہ آپ کو شادی کرنی پڑی۔

حضرت شیخ عارف کی دختر سے عقد صورت یہ ہوئی کہ

آپ کے شیخ طریقت حضرت محمد کے دو بہنیں تھیں جو حضرت شیخ عارف کی صاحبزادیاں تھیں، اُن میں سے بڑی صاحبزادی سید شریف نامی ایک صاحب سے بیاہی گئی تھیں، جو بڑی عابدہ و صالحہ تھیں، لیکن سید شریف کی بداعمالیوں کی وجہ سے دونوں میں ناموافقت رہی، اِس تلخ تجربے کے بعد صاحبزادیوں کی والدہ حضرت شیخ عارف کی بیوی نے جن کا اُمِّ کلثوم نام تھا، اپنے دل میں عہد کیا کہ میں اب چھوٹی لڑکی اُس کو دوں گی جس کے متعلق حضرت شیخ احمد عبدالحق مجھے عالم خواب میں ارشاد فرمائیں گے، اس کے بعد ایک روز انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس سماع میں ہیں اور آپ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے، اور حضرت شیخ احمد عبدالحق اُمّ کلثوم سے فرما رہے ہیں کہ اس بچے کو اپنے گود میں لے لو اور پرورش کرو، جب اُن کی آنکھ کھلی تو اپنے دل میں اِس خواب کی یہ تعبیر لی کہ پاؤں کے ٹوٹنے سے اِس طرف اشارہ ہے کہ یہ لڑکا درویشِ کامل ہوگا اور خدا کے دروازے کے سوا کسی غیر کے در کو نہیں کھٹکھٹائے گا، اور دنیا سے بے نیاز ہوکر عبادتِ حق میں مصروف ہوگا، اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس لڑکے کی پرورش کرو، اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں اپنی لڑکی کو اس کے عقد میں دوں، اس خواب کے بعد اُمّ کلثوم نے اپنے دل میں عزم مصمم کر لیا کہ میں چھوٹی صاحبزادی کا عقد حضرت شیخ عبدالقدوس سے ہی کروں گی۔

اُس زمانے میں حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ کو اپنے مُرشد کے سارے گھر کے کپڑے دھونے کے لئے لے جاتے تھے، اتفاقاً ایک دن آپ کپڑے لے کر دھونے کے لئے گئے ہوئے تھے کہ آپ کے مرشد حضرت شیخ محمد کے گھر میں لڑکا تولد ہوا، گھر میں "مریم" نامی ایک خادمہ تھی، گھر والوں نے مریم کو بھیجا کہ وہ آپ کو بلا کر لائے تاکہ آپ بچےّ کے کان میں اذان دے دیں۔ مریم آپ کو بلانے کے لئے گئی، اور اُس نے راستے میں آپ کو اس طرف توجہ دلائی کہ اگر آپ اپنے شیخ کی چھوٹی بہن سے شادی کرلیں تو بہت اچھا ہو، آپ چونکہ تجرد کا پُختہ ارادہ کر چکے تھے، اس لئے آپ نے مریم کے کہنے پر ذرا بھی توجہ نہ دی، اور اپنے پیر کے گھر میں آکر بچے کے کان میں اذان دی اور واپس ہوگئے شیخ نے یہ سارا واقعہ اپنے مربّی سے بیان کیا، جن کے ہاں اُن دنوں رہتے تھے۔ آپ کے مربّی نے ساری بات سُن کر فرمایا کہ پھر تمہاری کیا مرضی ہے، آپ نے فرمایا کہ میں تو آپ کے ہاتھ میں ڈھیلے کی طرح ہوں، خواہ پھینک دیجئے خواہ رکھیئے، آپ کے مُربّی نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو سنو اگر شادی تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے تو اِس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی شیخ محمد کی بہن، شیخ عارف کی بیٹی اور حضرت شیخ احمد عبدالحق کی پوتی ہے، شیخ، اپنے مربّی کی یہ بات سن کر خاموش ہوگئے لیکن

شادی تقدیر الٰہی تھی آپ نے چند دن کے بعد شادی کا پیغام دیا، اور وہ منظور ہو گیا، یہاں تک کہ شادی کا دن آ گیا۔

شادی کا دن

شادی کے دن دولھن والوں کی طرف سے حسب دستور دُلھا کا جوڑا بھیجا گیا، عین شادی کے دن بھی آپ حسب معمول اپنے پیر کے گھر میں جھاڑو دینے اور پانی لانے میں مصروف تھے، آپ کے گھر کے لوگ آئے اور آپ کو دُلھا بنانے کے لئے پکڑ لے گئے، آپ کو نہلایا، کپڑے پہنائے اور دُلھا بنا کر دولھن والوں کے گھر لے گئے، لوگوں میں شہرت ہوئی کہ ایک دیوانہ کا عقد ہو رہا ہے، یہ دیکھنے کے لئے حد سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے، جب عقد کی شرعی رسم ادا ہو گئی اور جلوہ کا وقت آیا تو عورتوں نے ہندی کا یہ گیت گایا ؎

کھو کہہ کھول دھنا شہ دیکھاوری ۔۔۔ اس گھونگھٹ ری کارن شہ ہاتھ مروری

یہ شعر سن کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، اور وجد کے عالم میں رقص فرمانے لگے، اور عروسی لباس کو پھاڑ کر پُرزے پُرزے کر دیا، لوگوں نے یہ دیکھ کر تاسف کے ساتھ لڑکی کی والدہ کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ تم نے جان بوجھ کر اپنی لڑکی کو ایک دیوانے کے سے بیاہ کر اُس کی قسمت پھوڑ دی لڑکی کی والدہ نے کہا خیر خدا کی مرضی یہی تھی [1]

---

[1] یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی ص۱۱-۱۲ لطیفہ ۱۵ سے ماخوذ ہے۔

ذریعہ معیشت

حضرت شیخ کے ذریعہ معیشت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں لیکن صاحبِ معارج الولایت نے حضرت شیخ کے حالات میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس مادرزاد ولی تھے اور ان میں بچپن ہی سے آثارِ ولایت پائے جاتے تھے زبان سے جو کچھ فرماتے تھے اُسی طرح ہوتا تھا، وہ حلال روزی حاصل کرنے کے لئے زراعت کرتے تھے، جب اُن کے کھیت میں غلہ تیار ہو جاتا تو سب سے پہلے اُس میں سے درویشوں کو دیتے پھر اُس میں سے اپنی ضرورت کی حد تک رکھ لیتے [1]

فقر و فاقے کی تکلیف پر گھر والوں کو نصیحت

حضرت شیخ کی یہ کیفیت تھی کہ اگرچہ آپ نے شادی کر لی تھی مگر ماسوی اللہ سے ترکِ تعلق کیے ہوئے تھے، اور اس حد تک دنیا کو چھوڑ رکھا تھا کہ آباؤ اجداد کی وہ جائداد جو آپ کو وراثتاً پہنچی تھی آپ نے اُس کے حصول کی طرف بھی کبھی توجہ نہیں فرمائی، فقر و فاقے کے مصائب کو جھیلتے اور ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ آپ کے گھر میں فقر و فاقہ شباب پر تھا، دو تین روز کے بعد آپ کے گھر والوں کو کچھ کھانے کی نوبت آتی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمیدالدین بھوک کے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل بحوالہ معارج الولایۃ ص ۱۷۰

سے بے تاب ہوکر والدہ سے کھانے کے لئے مانگتے، والدہ کہتیں بیٹا اپنے والد سے کھانے کے لئے کہو، شیخ حمید آپ سے عرض کرتے اور کہتے، ابّا جان بھوک اتنی شدید ہے کہ میں برداشت نہیں کرسکتا، لیکن آپ اس خیال سے اُن کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے کہ کہیں شفقت پدری جوش پر نہ آجائے، اور فرزند کے لئے روزی حاصل کرنا ذکرِ الٰہی میں خلل انداز نہ ہو، لیکن جب وہ بار بار کہتے تو آپ اُن کی تسلّی و تشفی کے لئے جواب دیتے بیٹا صبر کرو ہم انشاءاللہ عنقریب جنت میں جائیں گے اور وہاں طرح طرح کے کھانے کھائیں گے، شیخ حمید الدین یہ سُن کر دوڑتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس آتے اور کہتے، امّی جان! ابا جان کہتے ہیں کہ ہم جنت میں جائیں گے اور وہاں طرح طرح کے کھانے کھائیں گے، وہ جنت کہاں ہے اور کب ہم وہاں جائیں گے، شیخ حمید کی والدہ اُن کی یہ باتیں سُن کر رونے لگتیں اور فرماتیں بیٹا صبر کرو آج ہماری تقدیر میں یہی ہے، کل کو اللہ مالک ہے [1]

اقربا کی فراموشی حضرت شیخ نے دنیا سے اس درجہ ترکِ تعلق فرمالیا تھا کہ آپ کے قرابتی اور رشتے دار بھی آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو تقریباً بھول چکے تھے، عموماً آپ کے رشتے داروں میں دعوتیں اور تقریبیں ہوتیں، اِن تقاریب کے

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۱۶ ص ۱۲-۱۳

موقع پرحسب دستور دوسرے عزیزوں اور رشتے داروں میں مٹھائی یا کھانا بھیجا جاتا ہے، ان موقعوں پر عموماً آپ کے عزیز و اقربا آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بھول جاتے بعد میں یاد آتا تو کہتے او ہو حضرت شیخ کے گھر حصہ نہ جا سکا ہم سے کیسی بھول ہوئی [1]

حضرت شیخ کی اہلیہ حضرت شیخ کی اہلیہ بھی نہایت عابدہ، زاہدہ اور دلیلہ خاتون تھیں، ہمیشہ روزانہ صبح کو دو پارے قرآن مجید کے تلاوت فرماتیں، عام طور پر دینی کتابیں مطالعہ کرتیں، نماز اشراق، چاشت اور تہجد کی اس قدر پابند تھیں کہ یہ نمازیں کبھی آپ نے نہیں چھوڑیں، وضو سے لے کر فرض، سنتوں اور نوافل کے ادا کرنے تک آپ کسی سے دنیوی باتیں نہ کرتی تھیں، صاحب باطن اور صاحب کشف تھیں جو کچھ خواب میں دیکھتیں وہی بعینہ پیش آتا تھا۔ [2]

خلافت معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد ہی آپ کو شیخ حضر محمد نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور آپ نے مختلف طبقات کے مشائخ اور خانوادوں سے خلافت حاصل کی جس کی تفصیل یہ ہے:۔

شجرۂ طریقت اوّل

شیخ عبدالقدوس، شیخ محمد، شیخ عارف، شیخ

---

[1] لطائف قدوسی ص۱۳ لطیفہ ۱۲

[2] لطائف قدوسی ص۶۳ لطیفہ ۷۶

احمد عبدالحق، شیخ جلال الدین پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، شیخ علاؤالدین علی احمد صابر، شیخ فرید مسعود اجودہنی، قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی، خواجہ معین الدین حسن سجزی الی آخرہ۔

شجرۂ طریقت دوم

شیخ عبدالقدوس، شیخ الاسلام شیخ درویش بن شیخ قاسم اودھی، شیخ فتح اللہ، شیخ صدرالدین احمد بن شہاب، شیخ نصیرالدین محمود یوسف اودھی، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ فرید مسعود اجودہنی الی آخرہ۔

شجرۂ طریقت سوم

شیخ عبدالقدوس، شیخ الاسلام شیخ درویش بن قاسم اودھی، شیخ الاسلام امیر سید بڈھن بہرائچی۔ سید پیر اجمل، شیخ الاسلام مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری[1]۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح، شیخ صدرالدین، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی الی آخرہ۔

---

[1] سید جلال بخاری نے خرقۂ خلافت شیخ نصیرالدین محمود اودھی سے بھی حاصل کیا تھا، اور وہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، اور حضرت

شجرہ طریقت چہارم

شیخ عبدالقدوس، حضرت بندگی میاں شیخ بن حکیم اودھی، شیخ صدرالدین، شیخ صدرالدین، شیخ علاء الدین، سید السادات سید محمد گیسودراز، شیخ نصیرالدین محمود اودھی، شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، شیخ فرید گنج شکر الی آخرہ ؎ٰ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ؎ا) شیخ نظام الدین اولیاء حضرت شیخ فرید مسعود اجودھنی سے بیعت تھے، مشہور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیان، سید جلال بخاری نے تمام طبقوں کے مشائخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، اسی لئے آپ کا خطاب مخدوم جہانیاں تھا، اس لحاظ سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو تمام طبقوں سے خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ (لطائف قدوسی ص ۲۱ و ۲۲ لطیفہ ۲۴)

؎ٰ یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۳۴ ص ۲۹ و ۳۰ سے ماخوذ ہے۔

چھٹا باب

ترکِ وطن

ردولی سے شاہ آباد[1] کو ہجرت

۸۹۷ھ میں جب کہ ردولی کے حالات خراب ہوئے، اور کافروں کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ ردولی کے بازاروں میں کھلے بندوں سور کا گوشت فروخت ہونے لگا تو آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے، اور اپنے وطن ردولی سے ہجرت کر کے شاہ آباد ضلع کرنال تشریف لے آئے، اور یہاں تقریباً اڑتیس سال تک ارشاد و تلقین اور اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔

لطائف قدوسی میں آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے ردولی سے شاہ آباد منتقل ہونے کے واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ۔

---

[1] شاہ آباد کرنال کے قریب ایک قصبہ ہے۔

عمر خاں[۱] شروانی کو سلطان بہلول[۲] لودھی نے، شہزادہ نظام[۳] کے سپرد کیا تھا جو بعد میں سکندر کے لقب سے تخت نشین ہوا، مگر عمر خاں بعض وجوہ سے میاں نظام سے بددل ہو کر شاہزادہ باربک شاہ[۴] کے پاس جون پور چلا گیا۔ لیکن وہاں بھی اس کو کوئی کامیابی

---

[۱] خان اعظم عمر خاں شروانی، سکندر خاں لیکور شروانی کا بیٹا تھا، بہلول لودھی کے دربار میں جو امرا تھے، اُن میں سے ایک عمر خاں شروانی بھی تھا جب بہلول لودھی نے تاتار خاں لودھی سے ناراض ہو کر اُسے لاہور کی نظامت سے علیٰحدہ کیا، تو اُس کی جگہ عمر خاں شروانی کو مقرر کیا، پھر جب احمد خاں بھٹی نے بہلول لودھی کے خلاف بغاوت کی تو عمر خاں شروانی کو بہلول نے اس کے استیصال کے لئے بھیجا، اور کامیابی کے بعد خانِ اعظم کے خطاب سے سرفراز کیا، اس کے ذاتی مصارف کے لئے سرہند علاقہ پٹیالہ اور شاہ آباد واقع ضلع کرنال، اور بھٹنور اور پائل پور جاگیر میں عطا کئے اس کے بعد سکندر لودھی کے اوائل عہد حکومت ۸۹۶ھ میں عمر خاں شروانی کول کا شقدار یا ناظم تھا، اُسی زمانے میں جب کہ وہ کول کا ناظم تھا، علاقہ کول کے حدود میں موضع جرتولی کے زمیندار کھان چند جاٹ نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی، کول سے عمر خاں شروانی اور سنبھل مراد آباد کا حاکم اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجے گئے یہ بغاوت تو فرو ہو گئی لیکن اسی لڑائی میں عمر خاں نے شہادت پائی، اس کے سنہ وفات کے متعلق تاریخ خاموش ہے، بھیکم پور کا خاندان شروانی عمر خاں کی اولاد میں ہے۔ (شروانی نامہ ص ۳۲-۳۵-۳۷-۳۹)

حاصل نہ ہو سکی۔ آخر مایوس و پریشان ہو کر وہ سوچنے لگا کہ اب کہاں جاؤں، اسی فکر میں اُسے خیال آیا کہ مجھے کسی اہلِ دل اور درویش کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئیے شاید مجھے وہاں سکون کی دولت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ) ۵۲ بہلول خاں افغان تھا۔ اس کا دادا بہرام خاں گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ بہرام فیروز شاہ کے زمانے میں اپنے گھر والوں سے کسی بات پر خفا ہو کر ملتان میں رہنے لگا، بہرام کے پانچ بیٹے تھے، اُس کے بڑے بیٹے کا نام ملک شاہ تھا، ملک شاہ نے خاندانِ سادات کے پہلے بادشاہ خضر خاں کے پاس ملازمت کر لی، خضر خاں نے اس کی خدمات سے متاثر ہو کر اسے اسلام خاں کا خطاب دیا، اور سرہند کا گورنر بنا دیا۔ بہرام کا دوسرا بیٹا ملک کالا دورالہ کا حاکم تھا، بہلول اُسی کا بیٹا تھا، ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ اس کا باپ ایک لڑائی میں مارا گیا، اسلام خاں بہلول کی ماں کو جو اس کی چچیری بہن بھی تھی، اپنے ساتھ سرہند لے گیا، اتفاق سے وہ حاملہ تھی، جس مکان میں وہ رہتی تھی اُس کی چھت گر پڑی، ملبے سے اُسے نکالا گیا تو وہ آخری سانس لے رہی تھی، ولادت کے دن پورے ہو چکے تھے، طبیبوں نے پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالا بچہ زندہ تھا اسی بچے کا نام بہلول رکھا گیا۔ افغان اُس کو حقارت سے بلّو کہتے تھے۔ اس نے ۸۵۵ھ میں لودھی حکومت کی بنیاد رکھی، یہ اسلام خاں کے بعد سرہند کا گورنر بنا، اور سادات خاندان کے بادشاہ محمد شاہ (۱۴۳۴ء۔ ۱۴۴۵ء) کے زمانے میں بادشاہ محمود خلجی کے کامیاب مقابلے کی وجہ سے، محمد شاہ نے اُس کو

حاصل کرسکوں، یہ سوچ کر وہ ردولی آیا۔ ردولی میں جب اُس کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ جُوق در جُوق اُس کی ملاقات کو آئے، اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی سالک یا مجذوب ایسا ہے کہ جس کی خدمت میں مَیں حاضری کی سعادت حاصل کروں، لوگوں نے اُسے بتایا کہ یہاں ایک نوجوان شیخ عبدالقدوس نامی ہے کہ ہر وقت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۲ھ) دیپال پور کی حکومت بھی سپرد کر دی، جب دہلی کا انتظام درہم برہم ہوا، اور سادات خاندان کا آخری بادشاہ علاء الدین عالم شاہ بدایوں چلا گیا، بہلول نے دہلی کے نظم کو درہم برہم ہونے سے بچایا اور امن قائم کرکے اُس نے علاء الدین عالم شاہ کو دعوت دی کہ وہ پھر آکر دہلی کے تخت کو سنبھال لے، لیکن اُس نے جواب دیا کہ میرے لئے بدایوں کی حکومت کافی ہے تم خود دہلی کی حکومت سنبھال لو، اس طرح ۱۴۵۱ء میں بہلول تخت دہلی پر بیٹھا۔ ۲۶ سال تک وہ شاہان جون پور سے لڑتا رہا، آخر ۱۴۷۸ء میں شرقی بادشاہی ختم ہوگئی اور وہ سارے علاقے سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے، بہلول نہایت ہی انصاف پسند، مدبّر، متقی، پرہیزگار، نرم دل اور حلیم انسان تھا، اُس نے بڑھاپے میں ولیعہدی کے لئے شہزادہ نظام خاں کو منتخب کیا، بہلول نے ۱۴۸۸ء ۸۹۴ھ میں موضع ملاولی میں وفات پائی۔

(فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۳ھ) ۳ھ بہلول کی وفات کے بعد شہزادہ نظام ۱۴۸۸ء ۸۹۴ھ میں سکندر شاہ کے لقب سے تختِ دہلی پر بیٹھا، اسی سکندر شاہ نے

یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے، صاحبِ حال واہلِ کمال ہے، دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہے، دوسرا ملک یونس مجذوب ہے، اگرچہ بظاہر دیوانہ ہے لیکن صاحبِ دل ہے عمر خاں نے خیال کیا کہ پہلے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲۲) آگرے کو از سرِ نو آباد کر کے اپنی جائے رہائش بنایا، اور پایہ تخت دہلی سے آگرے منتقل کیا جو شاہجہاں کے عہد تک ہندوستان کا پایہ تخت رہا، سکندر بہت بڑا عالم، فارسی کا جید شاعر اور علماء کا قدر داں تھا، سکندر شاہ نے ۱۵۱۷ء ۹۲۳ھ میں وفات پائی۔

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲۳) .... باربک شاہ سلطان بہلول لودھی کا بڑا لڑکا تھا، بہلول لودھی کی وفات کے بعد بعض امرائے سلطنت نے چاہا کہ باربک شاہ کو تختِ سلطنت پر بٹھائیں، اور بعض اُمرا اس کے دوسرے بیٹے سکندر لودھی کو تختِ سلطنت پر بٹھانے کی طرف مائل تھے سکندر لودھی کی والدہ سُناری تھی، اور اپنی تمام بیویوں میں بہلول اُس سے بے حد محبت رکھتا تھا اور اکثر اُمرائے سلطنت اُس کے حکم کو مانتے تھے، اُس نے بھی اُمرا کو اپنے بیٹے سکندر لودھی کے بادشاہ ہونے کی طرف توجہ دلائی، سلطان بہلول لودھی کے چچا زاد بھائی عیسٰی خاں لودھی نے جو بظاہر شیر و شکر بنا ہوا تھا اور بباطن سکندر کا سخت مخالف تھا گالیاں دے کر کہا کہ ہم ایک سُناری کے لڑکے کو کس طرح تخت پر بٹھا سکتے ہیں، اور باربک شاہ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں جو شرافت و نجابت کے اعتبار سے بلند ہے۔ خانخاناں فرملی نے جو امرائے نامدار میں تھا، عیسٰی خاں سے کہا کہ ابھی بادشاہ کی وفات کو دو روز بھی نہیں گزرے، تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم بادشاہ کی

حضرت شیخ سے ملنا چاہئے جو صاحبِ حال بھی ہیں، اور متبع شریعت بھی، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے تبحرِ علمی، تقوی و تقدس کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے شیخ کے پاؤں میں گر کر نہایت الحاح وزاری سے عرض کیا کہ میں غریب الدیار ہوں، میرا کوئی ٹھکانہ نہیں، مجھے جگہ دیجئے اور مجھے اپنے دامن میں لیجئے، حضرت شیخ نے جو اُس وقت جذب و سرمستی کے عالم میں تھے فرمایا، پریشان مت ہو اگر اللہ کے پاس ہماری جگہ ہے تو تمھارے لئے بھی جگہ ہوگی۔ تم کسی قسم کا فکر مت کرو، تم اپنی دلی آرزو میں کامیاب ہو گے، عمر خاں کو آپ کے اس ارشاد کے بعد یقین کامل ہو گیا کہ میں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گا پھر وہ ملک یونس مجذوب کے پاس آیا، اور دس اشرفیاں اُن کے سامنے رکھیں، یونس مجذوب نے کہا کہ ابھی اور کچھ رکھو کہ تمھارا کام بھی بڑا ہے، عمر خاں نے دس اشرفیاں اور رکھیں، ملک یونس نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۳ھ) الیبہ پر اس قسم کی دشنام طرازی کرو، عیسیٰ خاں نے کہا کہ تمھاری حیثیت ایک ملازم کی ہے تمھیں بادشاہ کے خویش اقارب کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہیئے، خانخانان اُس کے اس جواب سے بیحد برہم ہوا اور اُس نے کہا کہ ہم سلطان نظام خاں کے نوکر ہیں، یہ کہہ کر وہ اُٹھا، اور اُس نے تمام اُمراء کو متفق کر کے شاہزادہ نظام کو سلطان سکندر کے لقب سے قصبہ جلالی میں تخت پر بٹھایا، اُس وقت باربک شاہ جون پور میں تھا۔ (سیر المتاخرین جلد اوّل ص ۱۲۹ مطبوعہ نول کشور)

اُس کی مٹھائی منگا کر لوگوں میں تقسیم کی، اور عمر خاں کو ایک کرسی پہ بٹھا کر، خوشخبری دی کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، عمر خاں اِن دونوں بزرگوں کی بشارت سُن کر وہاں سے مطمئن ہو کر روانہ ہو گیا، چند دن بعد جب سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد شہزادہ نظام سلطان سکندر کے لقب سے تخت پر بیٹھا، تو اس نے قاصدوں کے ذریعے تحفے تحائف بھیج کر قول و قرار اور قسم سے عمر خاں کو ہر طرح کی عزت و احترام کا یقین دلایا، اور وہ اُس کے پاس چلا گیا، اُسی زمانے میں ردولی کے حالات خراب ہوئے اور کافروں کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ ردولی کے بازاروں میں کھلے بندوں سور کا گوشت فروخت ہونے لگا، حضرت شیخ اِن حالات سے ملول و دلگیر ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے، آپ کو معلوم ہوا کہ نکھنہ نامی مقام پر سلطان سکندر خیمہ زن ہے، آپ نے اپنے ایک خاص خادم کو شاہی خیمے کی طرف عمر خاں کے پاس روانہ کیا، اور اُس کے ذریعے سے ردولی کے تمام حالات کہلا بھیجے، آپ کے قاصد نے من و عن تمام حالات اُس سے بیان کیے، عمر خاں کو اِن حالات سے واقف ہونے کے بعد خیال ہوا کہ اگر حضرت شیخ اُس کے پرگنے شاہ آباد میں قیام فرمائیں تو یہ اُس کی انتہائی خوش نصیبی ہوگی، چنانچہ عمر خاں نے ایسی تدبیر اختیار کی کہ حضرت شیخ نے شاہ آباد کے قیام کو منظور فرما لیا، اور بالآخر

آپ ۸۹۷ھ میں مستقل طور پر شاہ آباد میں مقیم ہو گئے، اُس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کی عمر گیارہ سال کی تھی[۱]

شیخ رکن الدین کی ولادت

شاہ آباد ہی میں ۸۹۷ھ میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین مصنفِ لطائف قدوسی کی ولادت ہوئی، اور شیخ حمید کے علاوہ باقی تمام صاحبزادے بھی شاہ آباد ہی میں تولد ہوئے[۲]

شاہ آباد میں رشد و ہدایت کا کام

حضرت شیخ شاہ آباد اس زمانے میں پہنچے جو کہ سیاسی بدامنی اور اخلاقی پستی کا زمانہ تھا، اور مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد آپ نے علم و عرفان رُشد و ہدایت کی شمع کو روشن کیا، اور دُور دُور سے طالبینِ ہدایت کھینچ کھینچ کر آپ کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے، تقریباً اڑتیس سال تک آپ کا قیام شاہ آباد میں رہا ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت حاصل کی، اور وہاں آپ نے علم و عرفان کے وہ چشمے جاری کیئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے سیرابی کا سامان حاصل کیا۔

شیخ بھورا کی حاضری

اسی زمانے میں شیخ بھورا جو دائم الخمر و

[۱] لطائف قدوسی لطیفہ ۳۵ صفحہ ۳۰ و ۳۱ [۲] لطائف قدوسی لطیفہ ۳۵ صفحہ ۳۰ و ۳۱

مدہوش رہتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ
میں شراب نوشی کی خبیث عادت میں مبتلا ہوں، میرے حال پر توجہ
فرمائیے، آپ نے اُن پر دم کیا اور فرمایا گھبراؤ نہیں تم بہت جلد شراب
سے تائب ہو گے، چنانچہ چند دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ شیخ بھورے
نے شراب بالکل ترک کر دی، اور زیارتِ حرمین کے لئے آپ سے
اجازت حاصل کی، فرمایا کہ ابھی مت جاؤ تمھیں تمھارا مقصد یہیں
حاصل ہوگا، پھر آپ نے اُن کی تربیتِ باطنی اپنے صاحبزادے حضرت
شیخ رکن الدین کے حوالے فرمائی، اور شیخ بھورے آپ کی رہنمائی
میں ریاضتوں اور مجاہدوں میں مصروف ہو گئے، اور اس بلند مرتبے
پر فائز ہوئے کہ آپ کا شمار اجلِ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے[۱]

مرشد کی وفات اُسی زمانے میں جب کہ آپ شاہ آباد
میں مقیم تھے، آپ کے مرشد شیخ محمد نے
وفات پائی، لطائف قدوسی میں ہے کہ حضرت شیخ محمد کے
صاحبزادے شیخ بڈھا شاہ آباد میں آپ کے صاحبزادے شیخ
حمید کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے، جب حضرت شیخ محمد
کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ اُس وقت اپنے حجرے میں عبادت
میں مشغول تھے، آپ کو حضرت قطب عالم شیخ احمد عبد الحق کی آواز
آئی کہ فوراً شیخ بڈھا کو ادھر پہنچاؤ چنانچہ آپ اُن کو خود اپنے ساتھ

[۱] لطائف قدوسی لطیفہ ۴۳ ص ۳۴

لے کر ردولی پہنچے، یہ وہ وقت تھا کہ جب کہ آپ کے مرشد حضرت
شیخ محمد کا مرض الموت شروع ہو چکا تھا، وہ کبھی بیہوش ہو جاتے
اور کبھی ہوش میں آجاتے تھے اور فرماتے تھے سبحان اللہ
ہم نے خوب سمجھ لیا، جب نزع کا عالم طاری ہوا تو آپ نے
اپنے مرشد سے عرض کیا کہ اے شیخ یہ وقت ہوشیاری کا ہے۔
حضرت شیخ محمد نے فرمایا، ہماری طرف سے بیفکر رہو، اب تک
مشغول تھے یا نہ تھے لیکن اب یہ عالم ہے کہ ہمارے سینے میں
سوائے اللہ کے کوئی چیز نہیں گذرتی، آپ نے غمگین ہو کر عرض
کیا کہ حضور اس ہوشیاری اور اس دولتِ ابدی کے ساتھ روانہ
ہو رہے ہیں، لیکن آپ کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا، آپ کے شیخ
نے فرمایا تمھیں کوئی فکر نہ کرنی چاہیئے کہ تم تو اولیاء اللہ
میں سے ہو۔

حضرت شیخ محمد کے واصل الی اللہ ہونے کے بعد آپ
نے اُن کے صاحبزادے حضرت شیخ بڈھا کو خلیفہ منتخب کر کے اُن کو
اپنے والد کا سجادہ نشین کیا[1]

سکندر لودھی کو نصیحت

حضرت شیخ اپنے ابتدائی زمانے میں اپنے

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴۰ لطیفہ ۵۳

شیوخ کے اصول کے مطابق سیاست دفرماں رواؤں سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے، اہلِ حکومت و سیاست سے احتراز کی یہ کیفیت تھی کہ قاضی محمود تھانیسری جو اُس وقت ردولی کا داروغہ تھا، جب کبھی آپ کی ملاقات کے لئے آتا، حضرت شیخ اُس کی آمد کی خبر سُن کر فوراً ہی کسی ویرانے میں تشریف لے جاتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اِن دنیاداروں سے مجھے ایسی ناگوار بُو آتی ہے کہ میں بھاگ کھڑا ہوتا ہوں[1]، لیکن بعد میں حالات کے لحاظ سے آپ کو سیاست میں حصّہ لینا پڑا، اور آپ نے شاہانِ وقت سے ربط قائم کر کے اُن کو تلقین و ہدایت کے متعلق متعدد خطوط لکھے، چنانچہ آپ نے اپنے ایک طویل خط میں جسے ہم آپ کے مکاتیب کے سلسلے میں آئندہ نقل کریں گے، سکندر لودھی کو مخلوق کی خدمت، اُن کی غم خواری، اور آئمہ و علماء کی تیمارداری اور اُن کی تعظیم و توقیر کی طرف توجہ دلائی، اور لکھا کہ حالات کی درستی بہت کچھ اِن کے ذریعہ ممکن ہے،

---

[1] لطائف قدوسی ص ۱۸-۱۹ لطیفہ ۲۶

ساتواں باب

گنگوہ میں تشریف آوری

شاہ آباد کے قیام کے آخری زمانے غالباً
۹۳۴ھ میں آپ کے ایک مخلص مرید ملک عثمان کرّانی نے
جو گنگوہ کے رہنے والے تھے، حضرت شیخ سے متعدد بار
اپنی اس تمنا کا اظہار کیا کہ اگر حضور کے صاحبزادوں میں سے
کوئی صاحبزادے ہمارے وطن گنگوہ میں سکونت اختیار کریں
تو ہمارے لئے بہ بڑی سعادت و خوش بختی ہوگی، حضرت شیخ
نے ملک کرّانی کے بار بار اصرار پر اپنے صاحبزادے، شیخ
رُکن الدین کو گنگوہ روانہ فرمایا، ملک عثمانی کرّانی نے نہایت
تعظیم و تکریم سے اُن کا استقبال فرمایا، اور قصبہ گنگوہ کے محلہ
سرائے میں اُن کے استقبال کے لئے خیمے نصب کرائے، اور

اُن کی خدمت و توقیر میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، اس کے بعد اُن کے دوسرے بھائی بھی وہاں آگئے، لیکن ہر طرح کی مدارات کے بعد بھی ان سب کا دل گنگوہ میں نہ لگتا تھا، یہ چند روز وہاں قیام کرتے تھے، اور پھر شاہ آباد واپس لوٹ آتے تھے، آخر ایک روز حضرت شیخ نے کشف اور نورِ باطن سے معلوم کر کے ان صاحبزادوں سے ارشاد فرمایا کہ تم کیوں گنگوہ سے بار بار لوٹ آتے ہو، گنگوہ کو مت چھوڑو کیونکہ اسی قصبے کو آئندہ تمھارا وطن بننا ہے۔

حضرت شیخ کی اہلیہ کا ایک کشف

حضرت شیخ کی اہلیۂ محترمہ نہایت

عابدہ وزاہدہ بی بی تھیں۔ ایک رات شاہ آباد میں نمازِ تہجد کے ادا کرنے کے بعد جانماز پر بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک ان پر کشفِ حجاب ہوا اور اُنھوں نے عین بیداری کی حالت میں دیکھا کہ خراسان کی طرف سے ایک آگ اُٹھی ہے، جو ہر تر و خشک کو جلاتی چلی جا رہی ہے، صبح کو اُنھوں نے اپنے صاحبزادوں سے اس کشف کو بیان کر کے فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بلا نازل ہونے والی ہے، یہاں تک کہ مغلوں کی تاخت و تاراج

لے لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۵ ص ۶۲

شروع ہوئی، جب بھی شہنشاہ بابر کی آمد کی خبر مشہور ہوتی، لوگ بھاگ کھڑے ہوتے، اور لوٹ مار شروع ہو جاتی، قصبہ دیبال پور لوٹا گیا، بہت سے علماء و صلحاء شہید ہوئے، نہایت ہی نادر اور نایاب کتب خانے لوٹ کی نذر ہوئے۔

حضرت شیخ سے دعا کے لئے استدعا

اس مصیبت عظمیٰ اور افراتفری کے عالم کو دیکھ کر آپ کے پیرزادے شیخ عبد الشکور نے جو شیخ عارف کے صاحبزادے تھے، ایک روز حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آپ خدائے تعالےٰ سے دعا فرمایئے: کتنے علماء اور صلحاء شہید ہو چکے ہیں، اور اسلام اور مسلمان خطرے میں ہیں، شیخ عبد الشکور کی اس استدعا پر آپ حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوئے، حکم ہوا کہ انبیاء کو مصیبت سے گذرنا پڑا ہے، تم کس شمار و قطار میں ہو، حضرت شیخ کو اس حکم کے بعد اندازہ ہوا کہ تجلی قہر الٰہی تمام عالم پر چمک رہی ہے، اور وہ بھی اس ابتلا و آزمائش سے نہ بچ سکیں گے [1]

گنگوہ میں آتش زدگی

۱۵۲۵ء میں سلطان ابراہیم لودھی کے شکست کھانے سے ایک سال قبل جب کہ حضرت شیخ مغلوں کی غارت گری کے خوف کی وجہ سے

---

[1] لطائف قدوسی، لطیفہ ۷۶ ص ۶۳

گنگوہ تشریف لاکر محلہ سرائے میں مقیم ہو چکے تھے، اور آپ کے ساتھ آپ کے دوستوں، مریدوں، معتقدوں، اور اہلِ دولت و ثروت کا ایک جمِ غفیر تھا، اتفاق سے محلہ سرائے میں جہاں آپ اور آپ کے معتقدین مقیم تھے، آگ لگی، ہوا اتنی تیز تھی کہ آگ بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئی، بہت سے لوگ جل کر ہلاک ہوئے، اور بہت سے اہل دولت کا قیمتی سامان جل گیا، بہت سے لوگوں کا سامان لُٹ گیا، یہاں تک کہ حضرت شیخ کے دستِ مبارک میں جو تسبیح و رومال تھا وہ بھی جل گیا، جسمِ مُبارک پر جو کپڑے تھے وہ بھی آگ سے متاثر ہوئے، لیکن حضرت شیخ کی ذات کو اس آگ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ آپ اس حادثے سے بیحد متاثر اور افسردہ تھے۔

قطبیت سے سرفرازی

اُسی رات میں آپ کو الہامِ ربانی ہوا کہ اس قسم کے مصائب و حوادث پر تمھیں متاثر نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے تم کو قطبیت عطا کی ہے، اور قطب الاقطاب کے مرتبۂ عالی سے نوازہ ہے [۱]

خواب میں لودھیوں کی شکست کے متعلق اشارہ

لطائفِ قدوسی میں ذکر ہے

---

[۱] یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی صہ۶۴ لطیفہ ۸۷ سے ماخوذ ہے۔

شروانی کا بیان ہے کہ ابراہیم لودھی کی شکست سے ایک سال پہلے میں حضرت شیخ سے رخصت ہو کر بدایوں گیا، میں نے وہاں ایک رات خواب میں دیکھا کہ مغرب کی سمت سے ایک سخت آندھی اٹھی ہے جس کے گرد و غبار نے عالم کو تاریک کر دیا ہے، بڑے بڑے درخت اور مکان ہوا سے اکھڑ کر مشرق کی طرف چلے جا رہے ہیں میں سخت حیران و پریشان ہوں اور خواب ہی میں دعا کر رہا ہوں کہ اے خداوند تعالیٰ مجھے اس قہر کی آندھی سے محفوظ رکھ، میں اسی حیرانی و پریشانی میں تھا کہ خواب ہی میں حضرت شیخ تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ یہ قہر کی آندھی ہے جو افغانوں کی بد عمالیوں سے عذاب بن کر نازل ہوئی ہے، اب افغانوں کی بساطِ سلطنت اُلٹے گی، اور مغلوں کو بساطِ سلطنت بچھائی جائے گی، چنانچہ اس خواب کے ایک سال بعد بابر اور ابراہیم لودھی میں جنگ ہوئی اور ابراہیم کی شکست نے لودھیوں کی بساطِ سلطنت کو ہمیشہ کے لیے اُلٹ دیا۔[1]

بابر اور ابراہیم لودھی کی آویزش

ابراہیم لودھی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں اپنے باپ سکندر لودھی کی جگہ اُمرائے حکومت کے مشورے سے تخت نشین ہوا، امرائے حکومت نے ابراہیم لودھی کو تخت نشین کرتے وقت اُس کے بھائی جلال خاں کو

---

[1] لطائف قدوسی ص ۷۱ تا ۷۲ لطیفہ ۸۹

جون پور کی حکومت سپرد کی، شروع میں تو ابراہیم امرائے حکومت کے اس انتظام پر راضی رہا، لیکن بعد میں اس کی نیت بدل گئی، اور اُس نے آگرہ سے جون پور کے عہدے داروں کو خطوط لکھے کہ وہ جلال خاں کی فرماں برداری سے انکار کر دیں، اتفاقاً یہ خبر جلال خاں کو بھی معلوم ہو گئی، ابھی وہ راستے ہی میں تھا، کہ اُس نے ایک جمعیت جمع کر کے آگرے پر حملہ کیا، لیکن ناکام رہا اور ابراہیم کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، ابراہیم نے اسے نظر بند کر کے ہانسی بھجوا دیا، پھر چند روز کے بعد اس کو قتل کرا دیا، اس کے علاوہ ابراہیم نے بادشاہ ہوتے ہی میواڑ کے رانا سنگرام عرف سانگا کو شکست دی جو بہت بہادر مانا جاتا تھا، ابراہیم کو اس فتح نے غیر معمولی طور پر مغرور بنا دیا، امرائے حکومت نے اس کی خودسری دیکھ کر اُسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اُس کا اُلٹا اثر ہوا اور اُس نے اُن پر سختیاں شروع کر دیں، یہاں تک کہ اس کی تلوار سے ہزاروں بے گناہ انسانوں کا خون بہہ گیا، اس کے طرز عمل سے امرائے حکومت روز بروز بددل ہوتے گئے، یہاں تک کہ بہادر خاں نے بغاوت کی اور دوسرے امرائے حکومت بھی اُس سے مل گئے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ صوبۂ بہار اُس کی سلطنت سے علیحدہ ہو کر ایک خودمختار صوبہ بن گیا۔

دولت خاں لودھی پر عتاب صوبۂ بہار کے ہاتھ سے

نکل جانے کے بعد ابراہیم لودھی نے اپنے اُمراء کے ساتھ اور بھی سخت رویہ اختیار کیا، جس نے امراء کو اس سے مزید افسردہ اور بددل بنا دیا، امراء اس کے حاضری کے فرمان کو ٹالنے کی کوشش کرتے، ایک دفعہ ابراہیم نے دولت خاں لودھی کو جو پنجاب کا گورنر تھا طلب کیا، وہ خود تو نہ آیا، لیکن اُس نے اپنے بیٹے دلاور خاں کو ابراہیم کے پاس بھجوا دیا، دولت خاں کی اس عدول حکمی نے ابراہیم لودھی کو سخت برہم کر دیا، ہر چند اس کے بیٹے نے باپ کی طرف سے معذرت کی کہ وہ مالیہ جمع کر رہے ہیں اور چند روز میں حاضر ہو کر باریابی کا شرف حاصل کریں گے، لیکن اس کا یہ عذر ابراہیم کے دل کو صاف نہ کر سکا، ابراہیم نے ایک دن دلاور خاں کو اس قید خانہ میں بھجوا دیا جہاں بڑے بڑے امراء زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیواروں سے لٹکے ہوئے تھے، یہ نظارہ دیکھ کر دلاور خاں سہم گیا۔ اور اُسے یقین ہو گیا کہ اگر اس کا باپ یہاں آیا تو اُس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا، وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور پنجاب پہنچ کر اُس نے اپنے باپ کو حالات سے واقف کراتے ہوئے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ خود مختار ہونے کی کوشش کیجئے، ورنہ ایک روز آپ بھی قید خانے میں نظر آئیں گے۔

بابر کو دعوت دولت خاں لودھی نے پریشان ہو کر

چارۂ کار اسی میں سمجھا کہ بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی جائے۔ جیسے ہی دولت خاں کا پیغام بابر کو پہنچا وہ کابل سے فوجیں لے کر روانہ ہوگیا، دوسرے اُمرائے حکومت کو جب یہ معلوم ہوا، تو اُنھوں نے دولت خاں کی اس رائے سے اختلاف کیا، اور اُنھوں نے کہا کہ اگر مغلوں کو امداد دی گئی تو صرف ابراہیم لودھی ہی نہیں بلکہ افغانوں کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ دولت خاں نے بھی جب امراء کی رائے پر غور کیا تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا، اور بابر پنجاب پہنچ چکا تھا، پنجاب میں افغانوں نے مغلوں کا زبردست مقابلہ کیا، لیکن دولت خاں نے اس لڑائی میں اپنی پالیسی دوغلی رکھی، یعنی اُس نے کھُل کر مغلوں کا ساتھ نہ دیا اور بابر کی کوئی مدد نہ کی۔ آخر بابر نے لاہور کو فتح کر لیا، اور دیپال پور پر بھی قبضہ کر لیا۔ اُس وقت دولت خاں بھی مجبور ہو کر اس کی خدمت میں آیا، بابر دولت خاں کی پالیسی کو اچھی طرح سمجھتا تھا، لیکن پھر بھی اُس نے مصلحتاً دولت خاں کو جاگیر عطا کی، لاہور کے قبضے کے بعد بابر سرہند پہنچا، لیکن دولت خاں کے ایک بیٹے نے بغاوت کر دی، حالات کے لحاظ سے اُس نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور پنجاب پر قبضہ کر کے ۱۵۲۴ء میں وہ کابل واپس چلا گیا۔

پانی پت کی جنگ ۔ ۱۵۲۶ء میں بابر پھر ہندوستان پر

فوج لے کر بڑھا، دولت خاں اگرچہ اُس کی اطاعت قبول کر چکا تھا، لیکن بابر نے اُسے ایک قلعہ میں بند کر دیا، جہاں اُس نے وفات پائی، بابر پنجاب سے پہاڑوں کے دامن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا، اُس نے ہمایوں کو حصار پر حملے کے لئے بھیج دیا، اور چھوٹے چھوٹے فوجی دستے آگے بڑھائے تاکہ وہ ابراہیم کی فوجی نقل و حرکت کو معلوم کریں، جب وہ پانی پت کے قریب پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ ابراہیم لودھی بھی بہت بڑا لشکر لے کر مقابلے کے لئے تیار ہے۔

دونوں لشکروں کی حالت

اس لڑائی کے لئے ابراہیم کے ساتھ ایک لاکھ سپاہی اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے، اور بابر کے پاس صرف بارہ ہزار جانباز سپاہی تھے، ہُمایوں بھی حصار کو فتح کر کے بابر کے پاس میدانِ جنگ میں آچکا تھا، لطائف قدوسی میں ہے کہ مغلوں کے حملے سے عوام میں اس قدر پریشانی اور ابتری پھیل گئی تھی کہ لوگ خوف و دہشت سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے، بستیوں کی بستیاں خالی پڑی تھیں، یہاں تک کہ لوگوں کو جائے پناہ اور امن کی جگہ نہ تھی، اس وقت حضرت شیخ بھی اپنے اہل و عیال اور مریدین کے ساتھ گُتانہ نامی گاؤں میں تشریف لے گئے، آپ گُتانہ میں دریائے جمنا کے مشرقی جانب ٹھہرے ہوئے تھے،

اور دریا کے مغربی جانب سلطان ابراہیم لودھی کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا، ابراہیم لودھی کے لشکر میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ لشکر کے قرب وجوار میں مقیم ہیں تو آپ کے اکثر مریدین و معتقدین جو لشکر میں تھے جُوق جُوق آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے، یہاں تک کہ ابراہیم لودھی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ شاہی لشکر میں اُس کے ساتھ رہیں؛ جب اُس کا اصرار بے حد بڑھا تو آپ نے سلطان ابراہیم سے فرمایا کہ مجھے اِس مرتبہ خیریت نہیں معلوم ہوتی، میں تمھیں پانی پت سے آگے بڑھتا ہوا نہیں دیکھتا، تمھیں چاہئے کہ اپنے لشکر کو اس جگہ سے روانہ کر دو، آخر اس کے اصرار پر آپ نے اپنے اہل و عیال کو اپنے صاحبزادے شیخ رُکن الدین کے ساتھ گنگوہ روانہ کر دیا، اور اپنے دوسرے صاحبزادے شیخ حمید اور اپنے مرید و خادم سید راجہ کے ساتھ ابراہیم لودھی کے لشکر میں مقیم ہوئے [۱]

شیخ حمید اور سید راجا سے ارشاد

اُس زمانے میں جب کہ حضرت شیخ، ابراہیم لودھی کے لشکر میں ٹھیرے ہوئے تھے، آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ حمید اور سید راجا سے فرمایا کہ ہمارے پیروں میں حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بھی قید میں ڈالے گئے تھے، ہم نے بھی اپنے

[۱] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۷۷ ص ۶۳

پیروں کی سُنّت کو اختیار کیا ہے، تم اگر جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ لیکن دونوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں، اور ہم بھی وہی پسند کرتے ہیں، جو آپ نے پسند فرمایا ہے، عین اُس وقت جب سلطان ابراہیم اپنے لشکر کے ساتھ معرکہ آرا ہوا، ابھی دونوں لشکروں میں لڑائی چھڑی نہ تھی کہ حضرت شیخ نے شیخ حمید سے فرمایا کہ مجھے اپنے گھوڑے کی رفتار سے یقین ہوتا ہے کہ سلطان ابراہیم کو یقیناً شکست ہوگی، مناسب یہ ہے کہ ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں، لیکن اب شاید کسی وجہ سے روانہ نہ ہو سکے۔ جمعہ کے روز ۸ رجب ۹۳۲ھ کو سلطان ابراہیم نے بابر سے شکست کھائی، اور میدانِ جنگ میں مارا گیا[1]

حضرت شیخ کی گرفتاری

بابر کے سواروں نے حضرت شیخ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر لیا، اور آپ کے گھوڑے اور سامان کو لوٹ لیا، شیخ حمید اور سید راجا کے گلے میں حضرت شیخ کی سیاہ پگڑی ڈال کر اُنھیں اپنے گھوڑوں کے فتراک سے باندھ کر اپنے ساتھ لے چلے، اور حضرت شیخ کو حکم دیا کہ وہ پانی پت سے دہلی پا پیادہ ساتھ چلیں، آپ پیدل روانہ ہوئے اور کمال الدین مولانا زادہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

---

[1] "شہید شدن ابراہیم" سے ابراہیم لودھی کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

شیخ حمید اور سیّد راجا کو تشفی

حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے حضرت شیخ حمید اور سید راجا کو تشفی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، تمھارے گلے میں تمھارے پیروں کی پگڑی ہے، انشاء اللہ تم اِس پگڑی کی برکت سے اس مصیبت سے نجات حاصل کروگے، اور یہی پگڑی تمھارے لئے ذریعۂ شفاعت ہوگی۔ اگرچہ آپ میں پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی، لیکن پھر بھی آپ پانی پت سے دہلی پیدل تشریف لائے لیکن بعد میں آپ کو رہائی مل گئی، اور گنگوہ تشریف لے آئے[1]

بابر کے نام خط

لودھیوں کی بساطِ سلطنت اُلٹ کر ۱۵۲۶ء / ۹۳۲ھ میں بابر[2] ہندوستان پر قابض ہوا، اگرچہ حضرت شیخ اور آپ کے مریدین ابتداءً مغلوں سے خوش نہ تھے اور آپ کو لودھیوں خصوصاً سکندر لودھی سے اِس وجہ سے تعلقِ خاطر تھا کہ اُس نے شعارِ اسلام کو بلند کرنے کی کوشش کی، اس لئے حضرت شیخ اُس کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اخبار الاخیار میں سکندر لودھی کے صلاح و تقویٰ کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

دورِ اسکندریہ کہ زمانِ صلاح و ورع و دیانت و صیانت بود بسیارے از اکابرِ علماء از اطراف و

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۷۷۔ ص ۶۴

[2] بابر کا اصل نام ظہیرالدین محمد تھا۔

اکنافِ عالم از عرب و عجم در آن زماں تشریف آوردہ
دریں دیار توطن فرمودند۔ (اخبار الاخیار ص ۸)

(بقیہ غث نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲) اُس کے والد کا نام میرزا عمر شیخ اور والدہ کا نام قتلو نگار خانم بنت یونس خاں تھا۔ بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ کو پیدا ہوا، خواجہ عبید الاحرار نے اس کا نام ظہیر الدین محمد رکھا، لیکن چونکہ یہ نام ترکوں کی زبان پر چڑھتا نہ تھا، اس لئے بابر کے نام سے مشہور ہوا، ۸۹۹ھ میں بابر بارہ سال کی عمر میں اندجان میں موروثی تختِ سلطنت پر بیٹھا، اور پانچ دفعہ اُس نے ہندوستان پر حملے کئے۔ پہلی مرتبہ ۹۱۰ھ میں وہ بادام چشمہ کی راہ جمرود و خیبر سے گزرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کر کے موضع تربیلا جو دریائے سندھ کے علاقہ ملتان میں ہے آیا۔

دوسری مرتبہ ماہ جمادی الاولیٰ ۹۱۳ھ میں براہِ کابل ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اسی سال ذیقعدہ میں ہمایوں پیدا ہوا۔

تیسری مرتبہ وہ یکم محرم ۹۲۵ھ میں باجور کی طرف متوجہ ہوا، اور وہ قلعۂ باجور کو فتح کر کے یکم ربیع الاوّل کو کابل لوٹ آیا۔

چوتھی مرتبہ غالباً ۹۳۰ھ میں اُس نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور لاہور کو فتح کیا۔

پانچویں مرتبہ یکم صفر ۹۳۲ھ کو وہ پھر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا، اور یکم ربیع الاوّل کچھ کوٹ کے قریب سے دریائے سندھ کو عبور کر کے بھلول پور میں آیا، اور ۲۴ ربیع الاوّل کو اُس نے قلعہ ملوت فتح کیا ــــ

لیکن پھر بھی آپ نے جیسے ہی بابر برسرِ اقتدار آیا، سب سے پہلے مغل شہنشاہ کو خط لکھا، اور سے اتباعِ شریعت، آئینِ اسلام،

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲) ۱۳ر جمادی الاوّل کو اُس نے انبالے سے کوچ کیا اور جمعرات کے روز یکم جمادی الآخر ۹۳۲ھ کو وہ پانی پت پہنچا، ۸ر رجب ۹۳۲ھ کو جمعرات کے دن سلطان ابراہیم لودی سے اُس کی جنگ ہوئی جس میں سلطان ابراہیم مارا گیا۔

تاریخ داؤدی میں ہے کہ ایک شخص نے جو اس معرکہ میں موجود تھا، یہ شعر پڑھے ؎

نو سے ۴ (وپر) تھا بتیسا
پانی پت میں بھارت دیسا
آٹھیں رجب سکروار
بابر جیتا، ابراہیم ہارا

(تاریخ داؤدی مطبوعہ علی گڑھ ص ۱۰۳)

بابر نے ۶ر جمادی الاول ۹۳۷ھ کو اڑتیس سال کی حکومت کے بعد پچاس سال کی عمر میں آگرے میں وفات پائی، اور اپنی وصیت کے مطابق کابل میں مدفون ہوا۔

(ماخوذ از مقالات الشعراء ص ۸۲ تا ۸۹ وفٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ)

عدل وانصاف، پیروی خلفاء راشدین اور نماز باجماعت کی طرف اُسے توجہ دلائی، چنانچہ ایک خط میں اُس کو لکھتے ہیں:—

باید و سزد کہ برائے
شکر منعم سایۂ عدل بر عالمیان
چناں کشند کہ ہیچ کس بر ہیچ
کس ظلم نکند، و ہمہ خلق و
ہمہ سپاہ با امر و نواہی شرع
مستقیم و مستدیم بوند نماز
بہ جماعت گزارند، و علم و علماء
را دوست دارند، و در بازار
ہر شہرے محتسباں بگمارند تا
در شہر و بازار بحالِ عدل و
شرع محمدی بیارایند، و
روشن و منور گردانند، چنانکہ
در عہد سلف و خلفاء راشدین
با جمیع شرائط بے شبہ بود۔

تمہارے لئے مناسب ہے کہ
خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سارے
عالم پر انصاف کا سایہ اس طرح
کرو کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرسکے۔
اور تمام مخلوق اور فوج اوامر
و نواہی اور شریعت پر مستقیم
اور پابند ہو، اور نماز باجماعت
ادا کریں، علم اور علماء کو دوست
رکھیں، اور ہر شہر کے بازاروں
میں محتسب مقرر کرو، تاکہ وہ
شرع محمدی کے انصاف کے
مطابق ان بازاروں کو آراستہ
کریں جن شرائط کے ساتھ
زمانہ سابق اور خلفائے راشدین
کے عہد میں تھا۔

آٹھواں باب

وحدت الوجود

تصوف میں مسئلہ وحدت الوجود ایک نہایت اہم مسئلہ ہے، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے وحدت الوجود کے خیال کو فلسفے کی صورت بخشی وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی (المتوفی ۶۳۸ھ) ہیں۔ نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ ہندوستان میں تصوف کے جو سلسلے رائج تھے، وہ ایران اور عراق سے یہاں آئے تھے، سلسلۂ قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ، ان تینوں سلسلوں کے صوفیائے کرام پر وحدت الوجود کا اثر غالب تھا، اور یہ ہمہ اوست کے قائل تھے، تذکرۂ غوثیہ میں وحدت الوجود کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

وجود یعنی ہستی حقیقی ایک ہے، مگر ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن، باطن وجود ایک نور ہے جو

عالم کے لئے ایک جان کی طرح ہے۔ اسی نور باطن کا
عکس ظاہر وجود ہے، ہر اسم و صفت و فعل کہ اس
ظاہر عالم میں ہے، ان سب کا اصل وہی وصف باطن
ہے اور اس کثرت کی حقیقت حقیقۃً وہی وحدت ہے،
جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے، مختصر یہ
کہ تمام افرادِ کائنات تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی
خلق الاشیاء وھو عینھا، اور اس کثرتِ اعتباری
کا وجود اسی وحدتِ حقیقی سے ہے الحق محسوس
والحق معقول[1]۔

عارف رومی بھی وحدت الوجود کے قائل ہیں، وہ حیات و
کائنات کی کثرت کو مجازی اور اعتباری اور وحدت مطلقہ کو
حقیقی سمجھتے ہیں، جو شخص کثرت یا دوئی کو حقیقی سمجھتا ہے، مولانا
رومی اس کو بھینگے سے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کی خرابی
کی وجہ سے ایک ہی شئے کو دو دیکھتا ہے حالانکہ حقیقۃً شئے ایک
ہی ہوتی ہے۔

چشتیہ سلسلے کے بعض اور بزرگوں کی طرح حضرت شیخ
عبدالقدوس پر بھی وحدت الوجود کا رنگ شدت سے غالب
تھا، انھوں نے دسویں صدی ہجری میں اس نظریہ کی اشاعت

---

[1] تذکرۂ غوثیہ کا یہ اقتباس رود کوثر ص ۲۶۱ سے ماخوذ ہے۔

میں بڑی سرگرمی سے حصّہ لیا، لیکن باوجود اس غلو کے جو آپ کو وحدت الوجود سے تھا، وہ اُس کو محض اُسی حدتک رکھنے تھے جس حدتک اسلام مانع نہیں ہے،

مسئلہ وحدۃ الوجود پر صاحبزادوں کی حضرت شیخ سے گفتگو

لطائف قدوسی میں ہے کہ ایک دفعہ اُس زمانے میں جب آپ گنگوہ میں مقیم تھے نمازِ فجر کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور عالمِ سرمستی میں بہت دیر تک مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو فرماتے رہے، آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حمید، شیخ رکن الدین اور شیخ احمد بھی اس مجلس میں موجود تھے، حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میرے دل میں اس مسئلے کے متعلق خطرہ گزرا، اور ہم تینوں نے آپ سے عرض کیا کہ مسئلۂ وحدت الوجود کے متعلق کوئی تصریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہمیں نہیں ملتی، اور نہ شارع کے نزدیک اِس مسئلے پر دین کا مدار ہے، اور نہ اس کے متعلق کوئی وضاحت ہے، اب کہ اس مسئلے پر اس قدر شدّت اختیار کی جاتی ہے، اور ہم اُسے اپنے عقیدہ کا ایک

جز و بنائے ہوئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے آخرت میں
اس پر مواخذہ کیا جائے اور یہ ہمارے لئے دینی اعتبار سے
مضر ہو؟ آپ نے صاحبزادوں سے فرمایا، اگرچہ صراحت سے
یہ مسئلہ ہمیں شریعتِ اسلامیہ میں نہیں ملتا، لیکن اشارۃ النص
اور دلالت النص سے ہمیں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ملتا ہے،
بلکہ بعض جگہ ہمیں اس کی صراحت بھی ملتی ہے، لیکن علمائے ظاہر
اس کو متشابہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور ظاہر کے مطابق تاویل
کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تبع تابعین کے زمانے میں وجود
میں آیا ہے، اور یہ زمانہ بھی خیر القرون میں شامل ہے، اس لئے
کہ یہ قرنِ ثالث تھا، اور جنھوں نے اس مسئلہ کو وجود بخشا، وہ
مشائخین کبار، مقتدایانِ دین، اور مجتہدینِ وقت میں سے تھے،
اور تمام علماء ظاہر انھیں کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمیں
ان کے قول و فعل پر اعتمادِ کلی رکھنا چاہیے، اور یہ بات بھی اپنی
جگہ غور کے قابل ہے کہ اگر یہ مسئلہ شریعت کے خلاف ہوتا تو حضرت
امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف
امام محمد اور دوسرے آئمہ اہلِ سنت والجماعت کہ جو دین کے
بانی تھے اور دوسرے مشائخینِ کبار اور موحدین یقیناً صراحت
سے لکھتے کہ یہ مسئلہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے، اور ویسے
بھی اگر یہ مسئلہ دین کے خلاف اور باطل ہے تو علمائے اہل سنت

والجماعت کا یہ فرض تھا کہ وہ اس پر سکوت اختیار نہ کرتے بلکہ اس کے بُطلان اور رد پر شدّت اختیار کرتے، جیسا کہ علمائے حق کا مسلک رہا ہے کہ انھوں نے مسائل معتزلہ اور فلاسفہ اور اہلِ سنت والجماعت کے سوا اُن بہتّر فرقوں کے عقائدِ باطلہ کی نہایت سختی سے تردید کی ہے، کیونکہ حق سے سکوت اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے، ان تمام دلائل و شواہد سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ یہ مسئلہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف نہیں، علماء حق کی اس پر خاموشی اُس کے حق ہونے پر بمنزلہِ اقرار کے ہے، البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے بعضے کثرتِ وجود کے قائل ہیں، اکثر زہاد، عابدین اور مشائخ کبار اسی مسلک پر ہیں، اور بعضے وحدت الوجود کے قائل ہیں اور یہ بھی موحد اور عارفِ حقیقت وجود ہیں، ان میں بھی جلیل القدر علماء، مقتدائے دین اور مجتہد وقت ہیں، اور اہلِ حق کا کشف بھی اس کے حق ہونے پر شاہد ہے، اس لئے یہ مسئلہ مختلف فیہ تو ہے لیکن مخالفِ دین نہیں، اور نہ آخرت میں بندے کے لئے مضر ہے، مختصر یہ کہ مسئلہ وحدت الوجود اسرارِ الٰہی میں سے ہے، اور ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تعلق باطنی سربلندیوں اور مراتب سے ہے، ہر ایک آدمی اور ہر مرتبے کے لئے لائق و سزاوار نہیں، چونکہ یہ مسئلہ اسرارِ

الٰہی میں ہے. اس لئے اس کے اظہار کو بھی کفر کہا گیا ہے، اس لئے جب بھی کوئی منصور حلّاج کی طرح اناالحق کا نعرہ لگائے گا، اس کے لئے دار پر بھی جانا لازم ہوگا. تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مسائل کی نوعیت مختلف ہے، معذور کا مسئلہ علیٰحدہ ہے اور تندرست کا مسئلہ اُس سے مختلف ہے، اسی طرح مسئلہ شریعت الگ ہے مسئلہ طریقت الگ اور مسئلہ حقیقت الگ، اسی لئے کلمۂ طیبہ کے مفہوم و مطالب میں لامعبود الا اللہ مسئلہ شریعت ہے، لامقصود الا اللہ مسئلہ طریقت ہے، اور لاموجود الا اللہ مسئلہ حقیقت ہے، تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مسئلہ وحدت الوجود میں محققین کے اختلاف کی بنیاد ایک دوسرے ہی اختلاف پر مبنی ہے، جو لوگ کہ کثرت الوجود کے قائل ہیں وہ ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کو کہ واجب الوجود ہے، ماوراء الوجود کہتے ہیں کہ جس کو ہماری عقل ادراک نہیں کر سکتی، وہ وجود کو صفت لازمی مقتضا اس ذات کا قرار دیتے ہیں کہ وجود اس ذات سے ازلاً و ابداً جدا نہیں ہوتا۔

اور جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو عین وجود مطلق قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ موجودیت میں اعلیٰ مرتبہ وجود مطلق ہے، اور وہی واجب الوجود ہے، اس کے علاوہ بھی دونوں فریقوں کے پاس متعدد دلائل و براہین ہیں۔

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں نے اور شیخ حمید نے اس

مسئلہ میں حضرت شیخ سے اس قدر طویل گفتگو کی کہ فجر سے لے کر دوپہر کا وقت ہوگیا۔

صاحبزادوں کو تادیب

جب مجلس برخواست ہوئی تو ہماری اس طویل بحث و تمحیص سے حضرت شیخ کو یہ خیال گذرا کہ ابھی یہ لڑکے علم معرفت میں ناقص اور وحدت الوجود کے منکر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں ان لڑکوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ دوسرا مسلک و مشرب رکھتے ہیں، اور میرا مسلک و مشرب ان سے علیٰحدہ ہے، پھر میرا اور ان کا کیسے ساتھ ہوسکتا ہے، یہ کہہ کر آپ عالمِ جوش و مستی میں وہاں سے تھانیسر کی طرف پیدل روانہ ہوگئے، اس وقت جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، آدھا کوس پیدل چلنے کے بعد، آپ کو سواری کے لئے گھوڑا پیش کیا گیا، آپ نے گھوڑے پر سوار ہوکر فرمایا، میں اب تھانیسر جاتا ہوں، اور شیخ جلال سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا مسلک و مشرب رکھتا ہے، اگر وہ بھی میرے مسلک و مشرب پر نہیں تو میں اُس کو بھی چھوڑ دوں گا، یہاں تک کہ قصبہ لکھنوتی بھی گذر گیا، اور آپ کے پیچھے ہم تمام فرزندان، مریدین، اور قصبہ گنگوہ اور لکھنوتی کے لوگ چلے جارہے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی آپ سے کچھ کہہ سکے، جب دریا قریب آیا تو ہم نے خاموشی سے ملاحوں کو کہلا بھیجا کہ وہ کشتی کو

گھاٹ کے قریب نہ لائیں، شاید کہ اسی تدبیر سے حضرت شیخ گنگوہ واپس تشریف لے چلیں، لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ امیر شاہ اسلام نے جو شہنشاہ ہمایوں کی طرف سے گنگوہ کا داروغہ مقرر تھا، اور حضرت شیخ اُس پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ جرأت کرکے آپ کے گھوڑے کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور نہایت الحاح و زاری سے عرض کیا کہ حضرت کا گنگوہ سے تشریف لے جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں، جب یہ خبر شہنشاہ ہمایوں کو ہوگی تو ذات ہمایونی کو یہ خیال گزرے گا کہ شاید ہمارے داروغہ نے کسی قسم کی گستاخی کی ہے جو شیخ کو ناگوارِ خاطر گذری ہے، شہنشاہ اس جرم میں مجھے قتل کرادیں گے، قبل اس کے کہ بادشاہ مجھے قتل کرائیں، بہتر یہ ہے کہ اس جگہ آپ ہی مجھے اپنے ہاتھ سے مار ڈالیں۔ امیر شاہ اسلام کی اس گفتگو سے حضرت شیخ کا غصّہ کچھ فرو ہوا، پھر اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور آپ کو گنگوہ واپس لوٹا کر لایا، لیکن، اس پر بھی ہم فرزندوں پر عتاب کی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے ہم کو بالکل چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ ہمارے پیچھے نماز بھی نہ پڑھتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ دوسرا ہی مسلک و مشرب رکھتے ہیں، میری نماز ان کے پیچھے کیسے درست ہوسکتی ہے۔

شیخ جلال تھانیسری کی آمد

شیخ جلال تھانیسری، جو آپ کے مُرید اور خلفائے خاص میں

تھے۔ جب اُن کو یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ فوراً حضرت شیخ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور قدمبوسی کی سعادت حاصل کرنی چاہی، اُنھیں آگے بڑھتا دیکھ کر حضرت شیخ نے ڈانٹ کر فرمایا، وہیں اپنی جگہ کھڑے رہو، اور بتاؤ کہ تم کیا مسلک و مشرب رکھتے ہو، شیخ جلال نے قرآن مجید کی وہ آیتیں تلاوت کیں جو وحدت الوجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں، پھر اُنھوں نے وحدت الوجود کی تائید میں مشائخین کرام کے بہت سے اقوال بیان کئے، حضرت شیخ اُن کی یہ باتیں سُن کر بہت خوش ہوئے اور اُن کو اُٹھ کر سینے سے لگا لیا، اور بہت دیر تک عشق اور توحید کے متعلق تقریر فرماتے رہے، اُس وقت آپ کے صاحبزادے شیخ علی نے بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں وحدت الوجود کی طرف اشارہ تھا، محفل پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی، شیخ رُکن الدین کا بیان ہے کہ مجھ پر، شیخ حمید اور شیخ احمد پر دو تین روز تک حضرت شیخ کی خفگی رہی، دو تین روز کے بعد پھر آپ نہایت شفقت سے ہم سے ہم سے بغل گیر ہوئے اور بے انتہا نوازش فرمائی، اس کے بعد میں نے میرے بھائی شیخ حمید اور شیخ احمد نے وحدت الوجود پر رسالے لکھے[1]

---

[1] یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی صہ ۵۸ – ۶۰ لطیفہ ۱۷ سے ماخوذ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا حضرت شیخ کے نظریہ وحدت الوجود کے متعلق ایک بیان

حضرت شیخ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے متعلق ہمیں حضرت مجدد الف ثانی کا ایک بیان اُن کے ملفوظات میں جو زبدۃ المقامات کے نام سے جمع کیے گئے ہیں ملتا ہے، اُن کے اس بیان کی اہمیت اِس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ باوجود اِس کے کہ وہ فلسفۂ وحدت الشہود کے مؤسس اور بانی تھے، لیکن وہ کس احترام اور عظمت کے ساتھ اس سلسلے میں حضرت شیخ کے متعلق اپنے والد محترم حضرت شیخ عبدالاحد کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے نزع کے وقت حاضر تھا، سکرات کے عالم میں اُنھوں نے فرمایا کہ بات وہی ہے جو شیخ بزرگوار نے فرمائی ہے، اپنے والد کے ارشاد پر مجھے خیال ہوا کہ شاید اُن کی مراد شیخ محی الدین ابن عربی ہیں؟ میں نے اپنے والد سے پوچھا، کیا آپ کی مراد شیخ سے شیخ محی الدین ابن عربی ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میری مراد شیخ سے شیخ عبدالقدوس ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے جس کے متعلق آپ اس وقت ارشاد فرما رہے ہیں، آپ یہ سن کر خاموش ہو رہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا، وہ بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے ؎

حقیقت او سبحان ہستی مطلق ست، اما کسوتِ کونیہ خاک در چشم محجوبان می اندازد، دور و مہجور می سازد[1]

صاحبِ اقتباس الانوار کی وضاحت

زبدۃ العارفین مولانا محمد اکرم قدس سرہ۔ حضرت شیخ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کے نظریۂ وحدت الوجود پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:۔

شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل قدس سرہ از محتشمانِ روزگار، و عارفانِ صاحبِ اسرار بود، شانے بغایت رفیع، و ہمتے بلند و کرامتے داشت، درمیانِ اہلِ عشق و سماع ممتاز بود، و باتفاق مشائخ وقت کمالاتِ وے را قبول می کردند، در تربیتِ مریدان از بے نظیرانِ روزگار بود، چناں کہ باندک توجّہ مفیدانِ ظلماتِ ناسوت را بانوار مرتبہ اطلاق و لاہوت داخل می ساخت، و وے از ابتدا تا انتہا مثل نامی گرامی خویش از قیوداتِ کثرت منزہ و مقدس بود، از وجود کونی خود خلاص یافتہ دائما در

---

[1] مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسی ص ۴۲-۵ بحوالہ زبدۃ المقامات

در مشاہداۂ انوارِ مقدس و در معائنہ فناء احدیت مستغرق بودہ۔

مسئلہ وحدت الوجود پر میراں سیدی احمد سے شیخ کی گفتگو

میران سیدی احمد دانش مند ملتان کے متبحر علماء میں تھے۔ ایک دفعہ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں شاہ آباد تشریف لائے تو حضرت شیخ سے بھی ملاقات کی، حضرت شیخ نے نور المعانی شرح قصیدہ امالی جو آپ کی تصنیف تھی اُن کو دکھائی، اِس کتاب کے دیباچے میں حضرت شیخ نے وحدت الوجود کا تذکرہ کیا تھا، سید احمد دانشمند کو اس مسئلے میں دشواری پیش آئی، کیونکہ وہ علماء ظاہر میں سے تھے، اور دو وجود کے قائل تھے،۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ اِس مسئلے پر حضرت شیخ سے ان کی گفتگو شروع ہوئی، بحث نے کافی طوالت اختیار کر لی تو سیدی احمد نے کہا افسوس ہے، اگر میرے ساتھی اور سامان نہ جا چکا ہوتا تو میں چند روز حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر اس بحث کو انتہا تک پہنچا دیتا، آخر سیدی احمد حضرت شیخ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے، چند دن کے بعد اُن کی دوبارہ ملاقات حضرت شیخ

سے آگرے میں ہوئی، اور چند ماہ وہ اور حضرت شیخ یکجا رہے۔ ہر روز مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو ہوتی پھر بھی دونوں فریقین کے دلائل ختم نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ سیدی احمد نے مولانا حسام الدین متقی دانشمند کا ایک خواب بیان کیا، پھر کہا کہ اس خواب کی تعبیر یوں ظاہر ہوئی کہ مولانا حسام الدین کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی جو ایک وجود کا قائل تھا، مولانا نے اُسے سمجھایا، آپ کے سمجھانے سے وہ دو وجود کا قائل ہوگیا، حضرت شیخ نے فرمایا اگر مولانا حسام الدین اس وقت موجود ہوتے اور میری اُن سے ملاقات ہوتی تو میں ان کو عارف موحد بنا دیتا اور شرکِ دوئی سے کھینچ کر توحید یگانگی کے راستے پر ڈال دیتا، پھر سیدی احمد نے کہا: اے شیخ اللہ فی اللہ کے قول سے باز آئیے کہ اس میں آدمی کا دین سلامت نہیں رہتا، اور احکامِ دنیا و آخرت اس سے مرتفع ہو جاتے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم اللہ فی اللہ دو وجود کے کہنے سے باز آؤ کہ یہ عرفانِ حقیقی سے محرومی کی علامت ہے، اور کائنات اور انسان کا ظہور عرفان ہی کے لئے ہے، الغرض تقریباً پانچ چھ ماہ اسی بحث میں گزرے آخر سیدی احمد وحدت الوجود کے قائل ہوگئے، اور انھوں نے حضرت شیخ کے قول کو قبول کر لیا، اس وقت انھوں نے کہا سبحان اللہ اگر آپ جیسا عارف

کامل نہ ہو تو ضلالت و گمراہی دور نہ ہو سکے، پھر وہ مشکل مقالات، حالات اور مقامات مشائخ اور عوارف المعارف کے مشکل مقامات کو حضرت شیخ کے سامنے پیش کرتے اور ان کو حضرت شیخ سے حل کرتے، ایک دفعہ انھوں آپ کے صاحبزادے شیخ المشائخ شیخ حمید سے کہا کہ حضرت شیخ مجھے تفسیر عرائس کی تعلیم دیتے ہیں تم اس کے عوض مجھ سے تلویح پڑھا کرو۔

سیدی احمد اور صاحبزادوں کی ایک درخواست

اُسی زمانے میں سیدی احمد اور آپ کے صاحبزادوں شیخ حمید، شیخ رکن الدین اور شیخ احمد نے عوارف کی شرح لکھنے کے لئے حضرت شیخ سے درخواست کی حضرت شیخ نے اس درخواست کو قبول فرمایا اور عوارف کی شرح لکھی[1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۵۴ - ۵۵ لطیفہ ۶۸

نواں باب

عہدِ بابر

بابر کی فتح کے بعد لطائف قدوسی کے اندراجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابر کی فتح کے ابتدائی دور میں جب کہ ہندوستان میں اُس کی، سلطنت کی بنیاد پڑ رہی تھی اور ابھی ملک میں کافی افراتفری مچی ہوئی تھی، افغان اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے، اور مغل اُن کے تعاقب میں تھے۔ اُس وقت قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس کے ایک مخلص مرید دتّو شروانی افغانوں کے ساتھ تھے، یہ عہد بابر سے لے کر شیر شاہ سوری کے عہد تک افغانوں کے ساتھ بحیثیت ایک سپاہی کے ان جنگوں میں شریک رہے جو افغانوں اور مغلوں کے مابین ہوتی رہی ہیں۔ دتّو صاحبِ کشف و حال بزرگ تھے، اور حضرت

شیخ سے اُن کا ظاہری و باطنی ربط بہت قوی تھا، وہ بہت سے سچے خواب، اور حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس کی جانب سے بشارتوں سے سرفراز کیے جاتے تھے، یہ ایک طویل سفر کے بعد اُس زمانے میں جب کہ شیخ رکن الدین لطائفِ قدوسی" کی تالیف کا کام ختم کر چکے تھے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُن سے خواہش ظاہر کی کہ مجھے قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس کے بہت سے حالات اور کرامتیں معلوم ہیں اُنھیں بھی لطائفِ قدوسی میں شامل کر لیا جائے، چنانچہ اُنھوں نے بعض لطائف خود قلم بند کر کے شیخ رکن الدین کو دیئے جو لطائفِ قدوسی میں شامل کر دیئے گئے۔ دتّو شروانی کے جو لطائف، لطائفِ قدوسی میں شامل ہیں، اُن سے عہدِ بابرؔ، عہد ہمایوں اور عہد شیر شاہ سُوری کے بہت سے حالات، مغلوں، افغانوں کی مختلف آویزشوں کی تفصیلات، اور مختلف مواقع پر حضرت شیخ کی بشارتیں جن سے دتّو شروانی کو سرفراز فرمایا گیا تھا، ہمارے سامنے آتی ہیں، اور حضرت شیخ کے زمانے کے مختلف حالات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، دتّو شروانی کی بہت سی روایات لطائف قدوسی کے حوالے سے اس تذکرہ میں شریک ہیں اس لئے جہاں کہیں بھی اس کتاب میں واقعات و روایات کے ضمن دتّو کا ذکر آیا ہے، اُس سے مراد دتّو شروانی ہیں، اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم اُن واقعات

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو بابر کی فتح کے بعد پیش آئے، اور جن کا تعلق حضرت شیخ کی زندگی سے ہے۔

عیسیٰ خاں کو خواب میں حضرت شیخ کا ارشاد

لطائف قدوسی میں ہے کہ اس افراتفری کے دور میں جب کہ بابر دہلی پر قابض ہو چکا تھا، اور افغان اس کے خوف سے مشرق کی طرف بھاگ رہے تھے افغانوں کی ایک جماعت دریا کے کنارے جمع ہوئی، جن کا سردار مسند عالی عیسیٰ[1] خاں تھا۔

---

[1] لودھیوں کے عہد میں مسند نشین یا مسند عالی اُن کے وزرا اور اُمراء کا خطاب تھا، مسند عالی عیسیٰ خاں، خانِ اعظم، عمر خاں شروانی کا پوتا، اور ہیبت خاں اعظم ہمایوں اوّل کا بیٹا تھا، جو ۸۶۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا، اور اپنی قابلیت و صلاحیت سے سکندر لودھی کے اُمراء میں شامل ہو گیا۔ سکندر نے اسے تھٹے کی مہم پر بھی بھیجا تھا، جب عیسیٰ خاں کی واپسی میں دیر ہوئی، اور سکندر لودھی کو اس مہم کا کچھ حال نہ معلوم ہوا تو اُسے فکر پیدا ہوئی، اور اس نے عیسیٰ خاں کی کامیابی کے ساتھ واپسی کے لئے منت مانگی، سکندر لودھی کی یہ منت پوری ہوئی اور عیسیٰ خاں کامیابی اور خیریت کے ساتھ واپس آیا تو بڑی خیرات کی گئی۔

۹۰۴ھ یا ۹۰۵ھ میں جب سنبھل میں پولو کے میدان میں شروانی اور لوحانی پٹھانوں میں جھگڑا ہو گیا اور خود بادشاہ سکندر لودھی بھی اس موقع پر موجود تھا، سلیمان خاں لوحانی کے بھائی خضر خاں نے ہیبت خاں شروانی کو

دریا میں کشتیاں کم تھیں، اور افغان کشتیوں کے تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے کہ تعاقب کرنے والے مغلوں کے قریب آپہنچنے کی خبر مشہور ہوئی، ذلّو شروانی بھی اِن افغانوں کے ساتھ تھے، ان کا

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ) مارا، اور غالباً سکندر لودھی کی طرف سے اس میں چشم پوشی کی گئی تو شروانی بگڑ بیٹھے، اُنھوں نے چپکے چپکے سکندر لودھی کے بھائی فتح خاں کو اُبھارا کہ وہ بادشاہ سے بغاوت کر کے تخت و تاج کا مالک بنے، شروانی اس کا ساتھ دیں گے، فتح خاں نے یہ راز افشا کر دیا، اور یہ خبر سکندر لودھی تک بھی پہنچ گئی، اُس نے فسادی شروانیوں کو خارج البلد کر دیا، اُن میں عمر خاں کا خاندان اور اور بعض دوسرے شروانی تھے، سکندر لودھی کے عتاب سے بچنے کے لئے ہیبت خاں شروانی اور اُس کا بیٹا عیسیٰ خاں مالوہ پہنچے، اور محمود خاں خلجی کے دربار میں حاضر ہو کر امداد کی درخواست کی، غالباً ۹۲۳ھ میں سکندر لودھی نے وفات پائی۔ اور ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا، یہ شکی اور وہمی ہونے کے علاوہ بڑا غیر مستقل مزاج انسان تھا، یہ اُن امراء سے ناراض تھا جن سے اس کا باپ خوش تھا، اور اُن سے خوش تھا جن سے اس کا باپ ناراض تھا، اُس کی اس کمزوری سے ہیبت خاں اور عیسیٰ خاں شروانی نے فائدہ اُٹھایا اور دونوں باپ بیٹے ابراہیم لودھی کے دربار میں واپس آگئے عیسیٰ خاں مالوہ سے واپس ہو کر ابراہیم لودھی کا ملازم ہو گیا، بادشاہ نے اُسے کالنجر کی مہم پر بھیج دیا، جب شروانی، ابراہیم لودھی کی طرف سے اس کے بھائی جلال خاں سے لڑے تو اس میں عیسیٰ خاں بھی تھا، اس مہم کی کامیابی پر سلطان ابراہیم لودھی نے عیسیٰ خاں کو اعظم ہمایوں کا خطاب دیا، اور آگرے کا عامل بنا دیا، عیسیٰ خاں نے متعدد

بیان ہے کہ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی افغانوں میں سخت اضطراب اور پریشانی پیدا ہوئی، اتفاق سے چند کشتیاں ہم کو مل گئیں، خیال

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ ۵ صفحہ گذشتہ) بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔

عیسیٰ خاں عہد اکبری تک زندہ رہا۔ اُس نے ایک مرتبہ قنوج میں ہمایوں اور شیر شاہ کی لڑائی کے بعد بیرم خاں کی جان بچائی تھی، اکبر کی تخت نشینی کے بعد جب بیرم خاں کا طوطی بولا تو اُس نے عیسیٰ خاں کو کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے پاس آؤ تو میں تم کو سنبھل کی جاگیر جو تمھارے باپ دادا سے چلی آ رہی تھی پھر واپس دلا دوں، عیسیٰ خاں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میری عمر اب سو سال کی ہے، میں دنیا کے عیش کر چکا ہوں، عمر خاں شروانی کی اولاد کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ احسان کے بدلے میں احسان چاہے، اس لئے حاضری سے معذور ہوں۔

عیسیٰ خاں نے اکبری عہد کے اوائل میں ۹۶۲ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ اپنی وفات سے پہلے خود اپنا مقبرہ تعمیر کرانا شروع کیا تھا، اُسی میں مدفون ہوا۔

اُس کے مزار پر جو کتبہ موجود ہے اُس کی عبارت یہ ہے:۔

بنا کرد ایں روضۂ جنت ۔۔۔۔ در عہدِ دولت اسلام شاہ ابن شیر شاہ خلد ملکہ، مسند عالی عیسیٰ خاں ابن میاں ۔۔۔۔۔۔ الخوان حجاب خاص بتاریخ نہ صد و پنجاہ و چہار۔

(ماخوذ از شروانی نامہ)

تھا کہ رات گزار کر دوسرے دن ہم دریا کو عبور کریں گے، میں نے
رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ تشریف لائے ہیں، اور فرماتے
ہیں کہ عیسیٰ خاں سے کہو کہ تمھارے بکریوں کے گلّے میں ایک سُرخ رنگ
کا خصّی بکرا ہے، اُس کے گلے کے نیچے دو رگیں انگلیوں کی طرح لٹکی
ہوئی ہیں، اُس کو ذبح کر کے اُس کا ثواب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کو پہنچا کر فقرا کو کھلاؤ، اور ختم فاتحہ کر کے دریا کو عبور کرو کہ تمھاری
عافیت اسی میں ہے، ورنہ تمھارے لئے دریا کو عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔
میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ وہ خصّی بکرا حضرت شیخؒ کے سامنے خود بخود
آگیا، آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا دنّو! یہ وہی بکرا ہے، اسے اچھی
طرح پہچان لو، اور خوب یاد رکھو، جب میں صبح کو بیدار ہوا تو نمازِ فجر کے
بعد مسند نشین عیسیٰ خاں کے پاس گیا، اور اُس سے اپنا خواب بیان
کیا، عیسیٰ خاں نے یہ خواب سُن کر کہا کہ میں انشاءاللہ اس حکم کی
تعمیل کروں گا، چنانچہ ایک کشتی سامان بھر کر روانہ کی گئی، جیسے ہی
وہ کنارے پہنچی وہاں کچھ اور افغان آکر جمع ہوگئے اور وہ اس کشتی کا
تمام سامان واسباب لوٹ کر لے گئے، پھر سامان سے بھری ہوئی
دوسری کشتی روانہ کی گئی۔ ابھی وہ دریا کے کنارے پہنچنے نہ پائی
تھی کہ غرق ہوگئی، بڑی مشکل سے اس میں کا کچھ سامان غرق ہونے
سے بچایا گیا لیکن اُس میں جو آدمی تھے وہ غرق ہونے سے بچ گئے۔
لوگ اس واقعہ سے اِس قدر بددل ہوئے کہ پھر کسی کو دریا پار

کرنے کی ہمّت نہ ہوئی، اسی میں رات ہوگئی، رات کو پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم پہلے خصّی بکرا ذبح کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پُر فتوح کو ایصال ثواب کرو، اور پھر دریا کو عبور کرو، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا، اب بھی خیریت اسی میں ہے کہ تم اس خصّی بکرے کو ذبح کر کے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایصال ثواب کرو اور بعد ختم فاتحہ روانہ ہو، صبح کو جب میں بیدار ہوا تو نماز فجر کے بعد پھر میں نے عیسیٰ خاں سے اس خواب کو بیان کیا، اس وقت اس کے پاس شیخ ابدال بھی موجود تھے، شیخ ابدال نے کہا، مناسب یہ ہے کہ ہم فوراً شیخ کے ارشاد کی تعمیل کریں، عیسیٰ خاں نے مجھ سے کہا تم جاؤ اور گلّے میں سے اس خصّی بکرے کو ڈھونڈھ کر لاؤ، کیونکہ تم نے خواب میں اُس کو دیکھا ہے، میں اُٹھا اور چند قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بکرا جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا تھا گلّے سے نکل کر خود بخود میری طرف چلا آرہا ہے جب وہ میرے پاس آکر کھڑا ہوگیا، تو ہر ایک اُس کی صورت کو دیکھ کر حیران ہوگیا، شیخ ابدال نے کہا، سبحان اللہ ہمارے بزرگوں کا بھی کیا تصرف ہے، پھر میں نے حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق اُس خصی بکرے کو ذبح کیا اور اس کو پکا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایصالِ ثواب کیا گیا، پھر ہم دریا کو عبور کرنے کی طرف متوجہ

ہوئے، ہم اسی فکر و تردد میں تھے کہ کس طرح دریا کو عبور کیا جائے کہ اچانک کچھ لوگ سعید خاں کے پاس آئے، اور انھوں نے کہا کہ کچھ کشتیاں ہمارے پاس موجود ہیں، جو تمہارے لئے کافی ہوں گی، پھر ہم نے ان کشتیوں پر بغیر کسی زحمت کے دریا کو عبور کیا، اور لوگ اس واقعہ سے حیرت میں رہ گئے [۱]

سلطان محمود کی آمد، اور خواب میں حضرت شیخ کی پیشینگوئی

دریا کو عبور کرنے کے بعد افغان منتشر ہوگئے اور جس کے سینگ جہاں سمائے چلا گیا، اکثر افغان بہار کی طرف روانہ ہوگئے، اور وہیں مقیم ہوگئے۔ ایک زمانے کے بعد سکندر لودھی کا بیٹا سلطان محمود خاں وہاں پہنچا، افغانوں کو اس کے آنے سے غیر معمولی مسرت ہوئی اور منتشر افغان اس کے گرد جمع ہوگئے۔ انھوں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرکے کہا کہ اب تک ہم بغیر بادشاہ کے تھے، اب ہمارا بادشاہ آگیا ہے، اور ہم متفق ہوکر بابر سے جنگ کریں گے، سلطان محمود افغانوں کی اس جمعیت کو لے کر بہار سے روانہ ہوا، حضرت شیخ کے مرید دلّو شروانی بھی ان افغانوں کے ساتھ تھے جب یہ لشکر بنارس کے قریب پہنچا، تو بابر کی فوج بھی آن پہنچی،

---

[۱] لطائف قدوسی ص۷۲ لطیفہ ۹۱

دونوں لشکروں کے درمیان دریائے گنگا حائل تھا، لوگ بےحد پریشان تھے کہ دیکھئے اس کشمکش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، دلّو کا بیان ہے میں اسی پریشانی میں سو گیا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، آپ نے مجھ سے فرمایا دلّو! غور سے سنو، اگرچہ یہ افغان کثیر تعداد میں جمع ہوئے ہیں، لیکن یہ ابھی تک اپنی شامت اعمال میں گرفتار ہیں، بابر کی فتح اور افغانوں کی شکست مقدر ہو چکی ہے جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میری پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا، میں صبح کو عیسیٰ خاں کے پاس پہنچا، اُس وقت عیسیٰ خاں اور شیخ ابدال اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے، اور بہت پریشان تھے، میں اُن کی باتیں سُنتا رہا، شیخ ابدال نے مجھ سے پوچھا کہ تم بھی تو کچھ بتاؤ کہ ان حالات میں تمھاری سمجھ میں کیا آتا ہے، میں نے جو خواب دیکھا تھا اُن سے بیان کیا، شیخ ابدال نے کہا جو کچھ قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس نے فرمایا وہی صحیح ہے، اور مجھے بھی قراین و آثار سے ایسا ہی نظر آتا ہے کہ فتح مغلوں کی ہو گی اور افغان شکست کھائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اِس خواب کے تیسرے دن رات کو سلطان محمود بھاگ کر بہار چلا گیا، افغان منتشر ہو گئے، اور بہت سے شروانی اور افغان راجا برسنگھ کے علاقے میں بالا پٹھ چلے گئے، جہاں اس راجہ نے ان کو کچھ گاؤں دے دیئے، جن میں یہ مدتوں تک

آباد رہے [1]

ایک سنیاسی

دتّو کا بیان ہے کہ سلطان محمود شکست کھا کر بہار آیا، اور بابر سے ٹکر لینے کی تدبیریں سوچنے لگا، لطائف قدوسی میں ہے کہ اسی زمانے میں ایک سنیاسی جس کا نام انت گرو تھا مسند نشین عیسٰی خاں کے پاس آیا، اور اس سے کہا کہ بابر کی مدد بال ناتھ جوگی نے کی ہے جو تلہ نامی گاؤں میں رہتا ہے، لیکن میں افغانوں کی مدد کے لئے آیا ہوں، اگر تم چاہو تو میں لڑائی کے وقت اپنے تصرف سے مغلوں کے دانت اس طرح کھٹے کر سکتا ہوں کہ وہ تمہارے سامنے دم نہ ماریں گے، لوگوں نے سنیاسی کو سلطان محمود کے اُستاد میاں مخدوم کے سامنے پیش کیا، اُنھوں نے اُس کی ملاقات سلطان محمود سے کرائی، لیکن کسی نے سنیاسی کی باتوں پر توجہ نہیں دی، حضرت شیخ کے مرید دتّو سرورانی کا بیان ہے کہ وہ توحید پر اظہار خیال اتنے دل نشین انداز میں کرتا تھا کہ اُس کی باتوں سے متاثر ہو کر میری ملاقات اُس سے بڑھ گئی، میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں دتّو! اس سنیاسی کی صحبت سے احتراز کرو، یہ زندیق ہے اور اسے حق تعالےٰ کے پاس کوئی تقرب حاصل نہیں، میں جب بیدار ہوا تو اس خواب کو دیکھ کر

---

[1] لطائف قدوسی ص۲۳-۲۴ لطیفہ ۹۲

سخت حیران ہوا، میں نے اس سے ملاقات ترک کر دی، اس کے کچھ دن بعد میں بہار سے بالا پیٹھ چلا آیا، دو سال گزرے ہوں گے کہ ایک دن وہ سادھو بالا پیٹھ میں آیا، میں اس وقت گھر میں موجود نہ تھا، ایک گاؤں میں گیا ہوا تھا، وہ پتہ معلوم کر کے اس گاؤں میں پہنچا جہاں میں تھا، اس سنیاسی نے تین آدمی میرے پاس بھیجے، اور ان کے ذریعہ مجھے پیغام دیا کہ میں صرف تمھاری ملاقات کے لئے بالا پیٹھ آیا تھا، اب میں پریاگ تیرتھ کے لئے جا رہا ہوں، وہاں سے لوٹنے کے بعد تم سے ملاقات کروں گا، اسی رات کو پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ شیخ حمید کے ساتھ تشریف لاتے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمھیں اس زندیق سنیاسی کی صحبت سے منع کیا تھا، لیکن تم اس سے احتراز نہیں کرتے، میں نے عرض کیا کہ میں نے تو اسے چھوڑ دیا ہے، لیکن وہ مجھے نہیں چھوڑتا، ارشاد فرمایا، اچھا یہ بات ہے، پھر میں نے دیکھا کہ وہ سنیاسی بھی وہیں حاضر ہوا اور سلام کر کے ہمارے برابر کھڑا ہو گیا، حضرت شیخؒ نے اپنے پاؤں سے جوتا نکال شیخ حمید کو دیا اور فرمایا کہ تین جوتے اس سنیاسی کے سر پر لگاؤ۔ شیخ حمید نے تین جوتے اس کے سر پر لگائے فرمایا بس تین جوتے کافی ہیں، پھر مجھ سے فرمایا، اب تم مطمئن رہو، اس زندیق کی صحبت سے میں تمھیں محفوظ رکھوں گا،

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، میں بہت دیر تک اِس خواب کو دیکھ کر حیران رہا، دوسرے ہی دن میں نے سُنا کہ وہ سنیاسی اپنے آدمیوں کے ساتھ بالاپیٹھ سے بھاگ کھڑا ہوا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس بنا پر بھاگا، پھر میں نے چند دنوں کے بعد سُنا کہ وہ مغلوں کے ہاتھوں مارا گیا [1]

قلعہ مندو کو روانگی، اور حضرت شیخ کی توجّہ

حضرت شیخ کے مرید دلّو شروانی کا بیان ہے

کے چند دن کے بعد میں اور ملک روپ چند، جو میاں بِبن لودھی کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ قلعہ مندو کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہیں اس کے قریب بستی میں مسند عالی عیسٰی خاں کے پاس حضرت قطب عالم شیخ فرید شکر گنج کے نواسے شیخ احمدؒ رہتے تھے جو مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے، جب ہم بالاپیٹھ سے رخصت ہوکر قلعہ مندو کی طرف روانہ ہوئے، ہم بستی سے چار پانچ کوس آگے بڑھے ہوں گے کہ میرے پاس شیخ احمدؒ کا ایک آدمی اُن کا یہ پیغام لے کر آیا کہ شیخ احمدؒ نے فرمایا ہے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں قلعہ مندو میں سخت مصیبتوں کا سامنا

---

[1] لطائف قدوسی صہ ۹۲ لطیفہ ۹۳

کرنا پڑے گا، اگر تم میرے پاس واپس لوٹ آؤ تو میں تمھیں کچھ ایسی باتیں بتاؤں گا کہ تمھاری یہ مشکلیں آسان ہو جائیں گی، میں اُن کے اس پیغام کے پہنچنے کے بعد فوراً ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا، لیکن مجھے کچھ سستی اور گرانی طبع اس قدر محسوس ہوئی کہ میں نے اس وقت روانگی کا ارادہ بدل دیا، اور شیخ احمد کے قاصد سے، میں نے کہا کہ وہ ایک رات یہیں ٹھہر جائے، میں کل اُس کے ساتھ شیخ احمد کے پاس چلوں گا، قاصد میرے پاس ٹھہر گیا، اچانک رات کو میں نے حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں تمھیں شیخ احمد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، لیکن تم اُنہیں ایک خط لکھ دو کہ مجھے قلعہ مندو میں جو مشکل پیش آئے گی وہ خدا کے فضل اور پیرانِ چشت کے توسل سے آسان ہو جائے گی، البتہ تمھیں خود اپنی پیش آنے والی مشکل کی فکر کرنی چاہیئے، میں خواب ہی میں حضرت شیخ کے اس ارشاد کے بعد حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ شیخ احمد جو نہایت ہی بزرگ درویش اور مرنجان مرنج انسان ہیں۔ انھیں کیا مشکل پیش آسکتی ہے، ناگاہ میں نے اپنی داہنی جانب دیکھا، مجھے ایسا نظر آیا کہ ایک بہت گہرا غار ہے، اُس غار میں شیخ احمد گر پڑے ہیں، ہر چند اُس غار سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن نہیں نکل سکتے۔ خواب سے بیدار ہوا تو صبح کو میں نے یہ خواب بعینہٖ لکھ کر

شیخ احمد کے قاصد کے حوالے کیا اور اپنے نہ آنے کی معذرت چاہی، پھر ہم اُس مقام سے کوچ کر کے تین چار منزل آگے گئے تھے کہ شیخ احمد کا پیغام پہنچا کہ جو کچھ تم نے لکھا تھا مجھے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل صحیح ہے، مجھے بھی کوئی نہ کوئی مشکل پیش آنے والی ہے خدا آسان فرمائے، اور مجھے یقین ہے کہ اس پریشانی کے عالم میں جو مجھیں پیش آنے والی ہے مجھیں پیران چشت کی تائید حاصل ہو گی، جب ہم قلعہ مندو پہنچے تو کچھ لوگ ہمارے بعد بستی سے آئے، اور انھوں نے بتایا کہ تمھارے روانہ ہونے کے بعد شیخ احمد کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، افغان اُن کے اس درجہ مخالف ہو گئے کہ وہ اس شدت مخالفت کی وجہ سے وہاں ٹھہر نہیں سکے، اور اس مقام کو چھوڑ کر قلعہ چنار چلے گئے [1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۷۴-۷۵ لطیفہ ۹۴

دسواں باب

عہدِ ہمایوں

بابر نے ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء ۹۳۷ھ کو وفات پائی۔ اس کے بعد اُس کا لڑکا ہمایوں بابر کی وصیت کے مطابق تختِ نشین ہوا، ہمایوں کی عمر اس وقت چوبیس سال کی تھی، اُسے ساری عمر مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اُس کے لئے پہلی مصیبت یہ تھی کہ وہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا جس کے مختلف علاقے ایک دوسرے سے دور تھے اور اُن کے نظم و نسق کی نگرانی میں بہت دشواری تھی، دوسری مصیبت جو اُسے گھیرے ہوئے تھی، وہ اس کے تین بھائی کامران، ہندال اور عسکری تھے۔ جن کے متعلق بابر نے اُسے وصیت کی تھی کہ وہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرے، چنانچہ اُس نے زمامِ حکومت سنبھالتے ہی ان بھائیوں کے ساتھ نہ صرف

مہربانی کا سلوک کیا، بلکہ اُس نے ہر ایک کو حکمرانی کے لئے ایک ایک علاقہ دے دیا، لیکن ان مہربانیوں پر بھی وہ اُسے پریشان کرتے رہے، سب سے بڑا بھائی کامران جس کو اُس نے کابل کی حکومت دی تھی وہ اُس پر خوش نہ تھا، اُس نے پنجاب پر قبضہ کر لیا اور اُس کا مدِ مقابل بن گیا، تیسری مصیبت سکندر لودھی کا بیٹا سلطان محمود تھا، وہ اپنے باپ دادا کی کھوئی ہوئی سلطنت کے لئے اطراف جون پور میں علمِ بغاوت بلند کئے ہوئے تھا، چوتھی مصیبت اس کے لئے گجرات کا بادشاہ سلطان بہادر شاہ تھا، جو چاہتا تھا کہ موقع پا کر آگرے اور دہلی پر قبضہ کر لے۔

سلطان محمود کا انجام

سلطان محمود بن سکندر لودھی بابر کے عہد سے برابر بغاوتیں کرتا چلا آرہا تھا، اور ہمایوں کے عہد میں بھی اس نے اطرافِ جون پور میں علمِ بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ ہمایوں نے اُس کے استیصال کے لئے ایک لشکر مقرر کیا، سلطان محمود اس لشکر کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پٹنہ اور بنگالے کی طرف فرار ہو گیا، اور چند سال کے بعد ۹۴۹ھ میں وہیں وفات پا گیا۔

سلطان بہادر شاہ والیِ گجرات

اُس زمانے میں گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ بن

سلطان مظفر شاہ تھا، جس کی خواہش یہ تھی کہ وہ کسی صورت سے مغلوں کا قلع قمع کرکے اپنے حدودِ سلطنت کو آگرے اور دہلی تک وسیع کرلے، اتفاقاً مغل خاندان کے دو شاہزادے فرار ہوکر بہادر شاہ کے پاس چلے گئے، ہمایوں نے ان کی واپسی کے لئے بہادر شاہ کو لکھا، لیکن بہادر شاہ نے نہایت سخت جواب دیا، اور انھیں واپس کرنے سے انکار کردیا، اُس کے علاوہ بہادر شاہ نے سلطان بہلول لودھی کے لڑکے علاؤالدین لودھی اور اُس کے لڑکے "تاتار خاں کے اُکسانے پر جو اُس کے ملازم تھے "قلعہ چتوڑ" کو فتح کرلیا، "قلعہ چتوڑ" کو سر کرنے کے بعد اُس نے تاتار خاں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی کہ وہ "قلعہ بیانہ" کو بھی فتح کرکے پھر آگرے کا رُخ کرے، ہمایوں نے ان وجوہ کی بناء پر بہادر شاہ کی گوشمالی ضروری سمجھی اور فوجیں لے کر گجرات کی طرف بڑھا۔

دتّو شروانی کو ہمایوں اور بہادر شاہ کی آویزش کے وقت حضرت شیخ کا ارشاد

لطائف قدسی میں دتّو شروانی نے جو اس کشمکش کے وقت بہادر شاہ کے لشکر میں موجود تھے ان حالات کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اُن کا بیان ہے کہ جب بہادر شاہ نے

قلعہ چتوڑ کا اس خیال سے محاصرہ کیا کہ یہ قلعہ ایک طویل عرصہ سے کافروں کے قبضے میں ہے، اور گذشتہ بادشاہوں میں سے کسی نے بھی اس کو فتح کر کے وہاں اسلام کے پہنچانے کی کوشش نہیں کی، میں اس قلعے کو فتح کر کے اسلام کو اُس کے حدود میں پہنچاؤں گا، اُس وقت تمام کافر اس قلعے میں محصور ہو گئے۔ لیکن محاصرہ اتنا سخت تھا کہ اُنھوں نے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر ہمایوں کے پاس قاصد بھیجے کہ بہادر شاہ کی وجہ سے ہم قلعے میں محصور ہیں، اور ہمارے لئے اس وقت سخت مصیبت کا سامنا ہے، اگر اس وقت آپ ہمیں بہادر شاہ سے نجات دلائیں تو اس سفر میں جو آپ کو زحمتیں ہوں گی ہم اس کے لئے آپ کو ہر منزل کے عوض ایک لاکھ ٹنکہ دیں گے۔ ہمایوں نے اس کو منظور کر لیا، اور وہ قلعہ آگرہ سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ ابھی وہ سارنگ تک بھی پہنچنے نہ پایا تھا کہ بہادر شاہ نے اس قلعے کو فتح کر لیا۔ جب ہمایوں کو یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ سلطان بہادر کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ بہادر شاہ نے بھی قلعہ چتوڑ پر اپنی ایک فوج متعین کر کے ہمایوں کے مقابلے کے لئے پیش قدمی کی، اور قلعہ مدسور کو اپنی جائے پناہ بنا کر ہمایوں سے مقابلے کی ٹھانی، ہمایوں بھی اپنی فوجوں کے ساتھ اسی قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوا۔ بہادر شاہ

نے قلعہ مندسور کو اپنی جائے پناہ تو بنالیا تھا لیکن وہ اپنی فوجوں کے لئے غلّہ کا ذخیرہ نہ کرسکا، ہمایوں نے بہادرشاہ کی اس غلطی سے فائدہ اُٹھاکر غلّے کو روک دیا۔ بہادرشاہ کی فوج بھوکی مرنے لگی، اور اس کے لشکر میں غلّہ اس قدر مہنگا ہوا کہ ایک مظفری میں بھی ایک سیر غلّہ نہ ملتا تھا، یہاں تک کہ فوجی گھوڑوں کو ذبح کرکے کھانے لگے۔

ہمایوں کے فتح کی پیشنگوئی

بھوک سے تمام لشکر اس قدر پریشان ہوا کہ ایک بھی آدمی وہاں ٹھہرنا نہ چاہتا تھا۔ دلّو جو اُس وقت بہادرشاہ کے لشکر میں موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اُسی پریشانی کے عالم میں خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، اور فرماتے ہیں، بڑی پریشانی کا وقت ہے، دیکھو ہمایوں کی بارگاہ کی طنابیں کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں، بڑی پریشانی کا وقت ہے۔ میں نے آنکھ اُٹھاکر دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ ہمایوں کا خیمہ اس قدر بلند اور وسیع ہے کہ قلعہ منڈو اور گجرات کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے، یہاں تک کہ اُس کے خیمے کی طنابیں دریا میں نصب ہیں، جب میں نے اس منظر کو دیکھ لیا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمایوں کو فتح اور بہادرشاہ کو

شکست ہو گی، میں اس خواب کو دیکھ کر نہایت متفکر ہوا، مغرب کے وقت شور بلند ہوا کہ سلطان بہادر اور اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور جس کے جہاں سینگ سمائے وہ اسی طرف نکل کھڑا ہوا ہے، میں بھی اس بھگدڑ میں اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوا، میرے ساتھ چند گجراتی سوار، برمزید، نبیسہ ملک روپ چند تھے۔ رات اس قدر تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دیتا تھا، ہم اس اندھیرے میں راستہ بھٹک گئے۔ ہم اور ہمارے گھوڑے، کسی دوسری طرف ہی چل پڑے۔ برمزید، نبیسہ۔ ملک روپ چند بھی ہم سے جدا ہو گئے، رات میں بہت دیر تک حیرانی اور سرگردانی کے بعد میں نے اور میرے ساتھیوں نے یہ طے کیا کہ آگے چلنا بیکار ہے، ہمیں رات کو یہیں قیام کرنا چاہیئے، اور صبح کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ میں سر بزانو ہو کر رات گزارنے کے لئے متفکر و پریشان بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھے شیخ احمد کا وہ ارشاد یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ تمھیں قلعہ مندو میں مشکل پیش آئے گی، میں سوچنے لگا کہ شاید یہ وہی مشکل ہے جس کی طرف شیخ احمد نے اشارہ کیا تھا، پھر مجھے حضرت شیخ کا ارشاد یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس مصیبت کے وقت تم کو پیران چشت کی تائید حاصل ہو گی، اسی عالم میں مجھ پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ میرے پاس حضرت شیخ حمید

کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ "ہم تمہاری حفاظت کے لئے آئے ہیں، اٹھو، ہمارے ساتھ آؤ اور کسی قسم کا فکر نہ کرو، انشاء اللہ ہر طرح خیریت رہے گی، میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اٹھ کر آپ کے ساتھ ہولیا، چند قدم چلنے کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا کہ برمزید، نبیسہ، ملک روپ چند جو ہمارے ساتھ تھا، اس تاریکی میں کہیں بھٹک گیا ہے، خدا جانے اس پر کیا گزری؟ آپ نے فرمایا کہ شیخ حمید تمہاری رہبری کریں گے اور میں برمزید کو لاتا ہوں' پھر شیخ حمید ہم کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے، میں بیدار ہوا، صبح ہو چکی تھی، کل لشکر نے قلعہ مندو کا رخ کیا رات ہوئی تو جہاں ہم نے قیام کیا سوائے گھوڑوں کو گھاس کے ہم میں سے کسی کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملا۔ صبح کو پھر ہم سب روانہ ہوئے دوسری رات جب ہم نے پڑاؤ کیا تو اس جگہ ہمیں اور ہمارے گھوڑوں کو کھانے کے لئے ملا۔ کھانا کھا کر ہم سو رہے، میں نے خواب میں دیکھا کہ جنگل میں ایک گنبد ہے اور اس پر رنگ برنگ کے پرندے رقص کر رہے ہیں، میں حیرت سے سوچ رہا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے اور یہ پرندے کیسے ہیں، اسی اثنا میں مجھے ایک آدمی نظر آیا، اس نے مجھے بتایا کہ جنھیں تم پرندے سمجھ رہے ہو یہ پرندے نہیں ہیں بلکہ یہ بہادر شاہ کے لشکر کے

مقتولین کی روحیں ہیں جنھیں مغلوں نے قتل کیا ہے یہ سب روحیں پرندوں کی شکل میں متمثل ہوگئی ہیں، مجھے خیال آیا کہ کہیں برمزید (؟) کی روح بھی ان میں ہی نہ ہو، اُس آدمی نے میرے قلب میں اس خطرے کے گزرتے ہی کہا کہ برمزید (؟) کی روح بھی اسی میں ہوتی، اگر شیخ عبدالقدوس بروقت پہنچ کر اُس کی مدد نہ کرتے۔ یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھلی تو یکایک شور مچا کہ خبر آئی ہے کہ رات کو دہقانی ہم پر شب خون ماریں گے، اُسی وقت ہم روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ہمارے ساتھیوں کی جو آخری جماعت آئی وہ دہقانیوں کی قتل وغارت گری سے نہ بچ سکی، ہم قلعہ سندوہیں پہنچے، اور وہاں سے برہان پور روانہ ہوئے۔ اس سفر میں کچھ لوگ میرے ہم سفر تھے، ہر روز دہقانی ہم کو لوٹتے، اور ہمارے کچھ ساتھی اُن کے ہاتھ مارے جاتے، لیکن اس آفت میں بھی میں بحمداللہ محفوظ رہا، اور مجھے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔

برہان پور میں افغانوں کی آمد سلطان بہادر کے لشکر کے بھاگے ہوئے افغان برہان پور میں جمع تھے، وہاں میں نے دیکھا کہ ملک روپ چند، میاں بن لودھی پہلے ہی سے موجود ہیں، میں اپنے ساتھیوں سے مل کر خدا کا شکر بجالایا، پھر میں نے اُن سے برمزید کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں

ہے۔ لیکن ملک روپ چند نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا
کہ اُسے معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزری اور وہ کہاں ہے، میں نے
اُس سے حضرت شیخ کی تائید غیبی کا ذکر کیا، اور وہ تمام خواب
سُنائے جو میں نے راستے میں دیکھے تھے، اُس وقت ملک روپ چند
کو ایک گونہ اطمینان ہوا، چند روز کے بعد برمزید بھی برہان پور
پہنچا، میں نے اُس سے اُس کے حالات پوچھے، اُس نے مجھے
بتایا کہ میں بہادر شاہ کے لشکر کے لوگوں کے ساتھ راتوں رات
بھاگا، جب صبح ہوئی، اور سورج کچھ بلند ہوا تھا، کہ
ہم نے دیکھا کہ مغل ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو
لُوٹتے چلے آرہے ہیں، اُن میں سے دو سوار ہمارے پاس بھی
آئے۔ اور ہم سے کہا کہ ٹھہر جاؤ، ہم وہیں رُک گئے۔ اُنھوں نے
ہمارے سواری کے گھوڑے، سب سامان یہاں تک کہ جسم کے
کپڑے بھی اُتروا لیئے۔ اور ہمیں برہنہ جنگل میں چھوڑ کر چلے گئے
ہم سر برہنہ تنہا اس جنگل میں آگے بڑھے، دو تین کوس چلنے کے
بعد ہم حیران ہوئے کہ کدھر جائیں، یہاں تک کہ اس لق ودق
جنگل میں زندگی سے مایوسی ہونے لگی، ذہنی طور پر یہ اندیشہ
قوی ہوتا گیا کہ یقیناً ہم اس جنگل میں کسی شیر یا درندے کا لقمہ بنیں گے،
ناگاہ میرے کان میں آواز آئی کہ اے برمزید اس طرف آ، میں نے
اپنے دائیں بائیں ہر طرف نظر ڈالی لیکن مجھے آواز دینے والا کوئی

نظر نہ آیا، پھر مجھے آواز آئی کہ اے برمزید سامنے دیکھ، میں نے سامنے نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک سپید ریش بزرگ اچھا لباس پہنے، عصا ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ بغیر کسی خطرے کے مطمئن ہو کر ہمارے پیچھے آؤ۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ آگے آگے چلنے لگے، اور ہم آپ کے پیچھے روانہ ہوئے، اس جنگل میں ہم پانچ چھ کوس تک اسی طرح چلتے رہے، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اے بارخدایا یہ کون بزرگ ہیں کہ جو اس سرگشتگی کے عالم میں ہمارے لئے خضر راہ بن کر تشریف لاتے ہیں، اور اس کڑے وقت میں ہماری رہبری کر رہے ہیں۔ لیکن میں اُن کی عظمت سے مرعوب ہونے کی وجہ سے یہ نہ پوچھ سکا کہ وہ کون ہیں۔ یہاں تک کہ ہم چلتے چلتے دریا کے پاس پہنچے، ہم نے دیکھا بہادر شاہ کے لشکر کے بھاگے ہوئے فوجی اُس دریا کو عبور کر رہے ہیں، ان بزرگ نے مجھ سے فرمایا، برمزید خدا کے فضل سے اب تمھاری مشکل آسان ہو چکی ہے، اب تم بے خوف و خطر ان لوگوں کے پاس جاؤ، یہ تمھاری ہر طرح مدد کریں گے، یہ کہہ کر وہ بزرگ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے، ہم اُن فوجیوں کے پاس پہنچے، اُنھوں نے ہمارا استقبال نہایت خندہ پیشانی سے کیا اور ہمارے لئے فوراً ہی کپڑے اور کھانا مہیا کیا، اس طرح ہم

تمھارے پاس پہنچے۔ دلّو شروانی نے برمزید کو بتایا کہ وہ قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقدوس تھے، پھر اُس کے علیحدہ ہونے کے بعد جو واقعات اُن کو پیش آئے تھے وہ سب برمزید کو سنائے، برمزید یہ باتیں سُن کر اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے نیت کی کہ وہ قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقدوس کا مرید ہوگا۔[1]

دلّو شروانی کی گرفتاری اور رہائی

اُس زمانے میں کہ افغان اپنی سلطنت کے زوال کے بعد ہمایوں سے شکست کھا کر اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے، اور اُن کا ٹھکانہ نہ تھا، بہت سے افغان دکن کے قصبہ چل گاؤں میں آکر ٹھہر گئے، اِس قصبہ کا حاکم سید عمر نامی تھا، دلّو بھی اُنھیں افغانوں کے ساتھ تھے، اُن کا بیان ہے کہ میاں بین لودھی مجھ کو کبھی کبھی کسی ضرورت سے سید عمر کے پاس بھجواتا تھا، اور سید عمر بھی میرے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتا تھا، میرے اور اُس کے تعلقات میں خاصہ خلوص و یگانگت کا رنگ پیدا ہو چکا تھا، اتفاق سے ایک دن بدلو بقال نے اُس کی عدالت میں استغاثہ پیش کیا کہ میرے

[1] یہ تمام تفصیل لطائف قدوسی ص۷۵ تا ۷۸ لطیفہ ۹۵ سے ماخوذ ہے۔

ایک لاکھ ٹنکہ بن لودھی پر قرض آتے ہیں، اگر وہ روپیہ آپ مجھے دلادیں تو میں نصف رقم لے کر نصف آپ کو دوں گا، سید عمر نہایت حریص اور لالچی انسان تھا، اُس نے فوراً یہ صورت منظور کرلی، لیکن اُس سے پوچھا کہ بتاؤ کہ تمھارے اس قرضہ کی وصولی کی صورت کیا ہوسکتی ہے، بدلو نے کہا صرف ایک صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر ڈلّو کو حراست میں لے لیا جائے تو یقیناً اُسی وقت بن روپیہ ادا کردے گا، سید عمر نے یہ بات منظور کرلی لیکن مجھے اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی، میں ایک روز خالی الذہن سید عمر کے پاس گیا، بہت دیر تک اُس سے باتیں کرتا رہا، جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو میں نے اُس سے روانگی کی اجازت چاہی، اُس نے مجھے اخلاص ومحبت کا فریب دے کر روکا، رات کو میرے لئے شب خوابی کا لباس، بستر اور کھانا وغیرہ بھجوایا، اور انتہائی تعظیم وتکریم سے پیش آیا، اور صبح کو نماز فجر کے بعد مجھ سے کہا کہ میاں بن لودھی پر بدلو بقال کے اک لاکھ ٹنکے قرض آتے ہیں یہ روپیہ تم اُس سے واپس دلا دو، میں نے کہا کہ مجھے میاں بن کے اس قرض سے کیا تعلق ہے، بدلو کو چاہئے کہ وہ خود اپنے قرض کا مطالبہ کرے، بدلو بھی وہیں موجود تھا، دونوں نے کہا کہ تمھارا بن پر غیر معمولی اثر ہے، اگر تم چاہو تو یہ قرض واپس دلا سکتے ہو، ورنہ تم اپنے آپ کو ہماری قید میں اُس وقت تک تصور

کرو جب تک کہ یہ قرض چکتا نہ ہو جائے۔ میں نے کہا کہ میرے گرفتار کر لینے سے آپ کو ایک پائی بھی نہیں مل سکتی۔ اس موضوع پر میری اور اُس کی دیر تک باتیں ہوتی رہیں لیکن وہ مجھے چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ میاں بن لودھی اور دوسرے افغانوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے میرے چھڑانے کے لئے انتہائی کوشش کی، جوں جوں وہ کوشش کرتے تھے سید عمر کو یقین ہوتا جاتا تھا کہ یقیناً اس طرح قرض کی ادائے گی کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ مجھے جب یہ اندازہ ہوا کہ افغانوں کی سعی سے یہ معاملہ اور بھی شدت اختیار کرتا جاتا ہے تو میں نے اُن کو روک دیا، اور کہلا بھیجا صبر کرو اور دیکھو کہ یہ مجھے کب تک قید رکھ سکتا ہے۔ آخر سید عمر نے میری نگرانی کے لئے چند سوار اور پیادے مقرر کر دیئے، اور میں تین مہینے تک اُس کی قید میں رہا، آخر افغانوں نے متحد ہو کر یہ طے کیا کہ قید خانے پر حملہ کر کے زبردستی مجھے اُس کی قید سے چھڑایا جائے، مجھے یہ معلوم ہوا تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ اجنبی ملک میں میری وجہ سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گا، اور خدا جانے یہ فتنہ کیا صورت اختیار کرے گا۔ میں اسی پریشانی اور تردد میں سر بزانو بیٹھا تھا کہ میں نے نیم غنودگی کی حالت میں دیکھا، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پریشان نہ ہو، اٹھو اور اپنی جائے قیام کی طرف جاؤ، میں نے عرض کیا کہ

میں کیسے جا سکتا ہوں، دروازے پر پہرے دار موجود ہیں، فرمایا
آج کی رات تم یہاں نہیں رہ سکتے، تمھیں اپنی جائے قیام پر
جانا چاہئیے، رہا پہرے دار تو میں ان سے بھگت لوں گا تمھیں
یہاں سے روانہ ہونا چاہیئے، میں ہوشیار ہوا اور بہت دیر تک
یہ سوچتا رہا کہ مجھے یہاں سے نکلنے کی کیا صورت اختیار کرنی
چاہئیے، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، میں نے عصر کی نماز
کے بعد پہرداروں سے کہا کہ مجھے قضائے حاجت کی ضرورت
ہے، تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلو، پہرے داروں نے کہا
اچھا جلدی سے فارغ ہو کر آؤ، اور دو آدمی میرے ساتھ کر دیئے
میں نے تھوڑی دور چل کر ایک سے کہا کہ تم یہیں ٹھیرو، اور
ایک میرے ساتھ چلے، وہ اس پر راضی ہو گیا، جب ہم قصبہ سے
باہر آ گئے تو میں نے اپنی جائے قیام کا رُخ کیا، اور اسے باتوں
میں لگائے رکھا تاکہ اُسے یہ محسوس نہ ہو کہ میں اپنی جائے قیام
کی طرف بڑھ رہا ہوں، یہاں سے میری جائے قیام تقریباً
ایک کوس تھی، جب ہم نے آدھا کوس اسی طرح طے کر لیا،
اور مغرب کا وقت ہونے لگا، تو پہریدار نے مجھ سے کہا کہاں
جا رہے ہو، رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی ہے، اتنی دیر
لگانے پر میرے ساتھی مجھے مار ڈالیں گے، میں نے کہا کہ
اب ہم بالکل مناسب جگہ پر آ گئے ہیں، اور اُسے باتوں میں لگا کر

بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ جگہ نظر آنے لگی، جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، میں نے اپنے غلام سے جو اُس وقت بھی میرے ساتھ تھا چپکے سے کہا کہ وہ میرے ٹھکانے پر جاکر افغانوں سے کہے کہ وہ چور چور کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ہمارا تعاقب کریں۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا، پہرہ دار مجھے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اس طرح میں اپنی جائے قیام پر آیا میاں بن سے ملاقات ہوئی، بہت سے لوگ جمع ہو گئے، اور پوچھنے لگے کہ تم نے کس طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کی، میں نے تمام واقعہ بیان کیا، میاں بن اور دوسرے افغانوں نے سن کر کہا، حضرت شیخ نے بہادر شاہ کے حادثے کے وقت بھی تمھاری مدد کی تھی، اور اب بھی شیخ کی تائید تمھارے ساتھ ہے، صبح کو تمام افغانوں نے جل گاؤں کو چھوڑ کر برہان پور کی طرف کوچ کیا [1]

اولیاء گجرات کو حضرت شیخ کا پیغام

غالباً اُس زمانے میں جب کہ ہمایوں اپنے بھائی عسکری کو گجرات کا حاکم بنا کر واپس لوٹ گیا تھا، اور گجراتیوں نے بغاوت کر کے سارے علاقے اُس سے چھین لئے تھے، بہادر شاہ دوبارہ گجرات کا سلطان بن چکا تھا، اور ہمایوں دوسری

[1] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۹۶ صفحہ ۷۸۔۷۹

مرتبہ گجرات پہنچ کر بہادر شاہ سے لڑ رہا تھا، اُس زمانے کے واقعات کے ضمن میں دلّو شروانی کا بیان ہے کہ جب ہمایوں بادشاہ گجرات گیا، اور احمد آباد میں خیمہ زن ہوا، سلطان بہادر اُس وقت مقام دیو میں تھا، سلطان بہلول کا لڑکا سلطان علاؤالدین لودھی بُرہان پور سے سلطان بہادر کی مدد کے لئے روانہ ہوا، اُس وقت میں اور ملک روپ چند سلطان علاءالدین کے ہمراہ تھے، جب مقام نندربار میں پہنچے تو وہیں میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ قطب الاقطاب شیخ عبدالقدوس گنگوہی تشریف لائے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اے دلّو، یہاں آؤ، اور گجرات پہنچ کر پیرانِ گجرات کو ہمارا پیغام پہنچاؤ، ہمارا اسلام اُن سے کہو، اور ہمارا پیغام دو کہ ہمایوں بادشاہ اسلام کی تخریب میں مصروف ہے، اور بغیر کفر و اسلام کے امتیاز کے سب کو تباہ و برباد کر رہا ہے، اگر تم راضی ہو تو ہم گجرات آئیں، اور ہم تم متفق ہو کر ہمایوں کو گجرات سے نکال دیں، اگر تم کو یہ منظور ہو کہ ہم ہند و جائیں اور وہاں سے اُس کو نکال دیں اور تم گجرات سے اُس کو باہر کرو تو ہم اس پر بھی تیار ہیں تاکہ اسلام کو امن و قرار حاصل ہو، میں نے عرض کیا کہ گجرات یہاں سے بہت دور ہے، میں وہاں کیسے پہنچ سکتا ہوں، اور پھر میری واپسی کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ فکر مت کرو، تم آسانی سے وہاں پہنچ کر لوٹ آؤ گے، میں

خواب ہی میں میں احمد آباد پہنچا، اور حضرت قطب عالم شاہ منجھن بخاری کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ اُن کی قیام گاہ پر گجرات کے مشائخین اس کثرت سے جمع ہیں کہ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں، میں حیران تھا کہ حضرت شیخ کا پیغام کس کو پہنچاؤں کہ اچانک ایک آدمی میرے پاس آیا، اُس نے مجھ سے پوچھا کہ دلّو تمھارا نام ہے، میں نے کہا ہاں، اُس نے مجھ سے کہا کہ تمھیں قطب عالم شاہ منجھن یاد فرماتے ہیں میں اس کی ساتھ چلا، لوگوں نے ہمیں راستہ دے دیا، جب میں حضرت کے قریب پہنچا تو میں نے ادب سے سلام کیا، فرمایا شیخ عبد القدوس نے جو پیغام تمھیں دے کر بھیجا ہے بیان کرو، میں نے بلفظہٖ آپ کا پیغام بیان کیا، شاہ منجھن نے فرمایا اچھا، دلّو! تم طویل سفر کرکے آرہے ہو، پہلے کھانا کھاؤ پھر ہم تمھیں جواب دیں گے، پھر آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ کھانا لائے، اُسی وقت وہ آدمی چاولوں کی ایک پلیٹ جس میں خوب گھی پڑا ہوا تھا لایا، آپ نے فرمایا، کھاؤ، میں نے دو چار لقمے ہی کھائے تھے کہ حضرت قطب عالم شیخ احمد کھٹّو[1] نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم ہمارے مہمان ہو،

---

[1] شیخ احمد کھٹّو گجرات کے عظیم المرتبت اولیاء اللہ میں تھے۔ آپ کی ولادت کھٹّو نامی موضع میں ہوئی جو نواحِ اجمیر میں تھا، آپ نے بابا اسحاق مغربی سے تربیتِ باطنی حاصل کی، بابا اسحاق کی وفات کے بعد حرمین شریفین کی

ہمارے یہاں چلو اور کھانا کھاؤ، پھر ہم تمھیں حضرت شیخ عبدالقدوس کے پیغام کا جواب دیکر رخصت کریں گے۔ حضرت شیخ منجھن بخاری نے کہا بہتر ہے تم ان کے ساتھ جاؤ، اور ہمارا بلکہ تمام گجرات کے مشائخ کا سلام حضرت شیخ عبدالقدوس کو پہنچاؤ۔ حضرت شیخ عبدالقدوس کے پیغام کا جو جواب تم کو شیخ احمد کھٹو دیں، وہ تمام پیران گجرات کی طرف سے ہے، اور ہم اس پر ہر طرح تیار ہیں، میں حضرت شیخ منجھن بخاری کو سلام کرکے رخصت ہوا، اور خواب ہی میں حضرت شیخ احمد کھٹو کے گھر آیا، وہاں بھی بہت سے مشائخ جمع تھے، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ان کے لئے کھانا لاؤ، خادم ایک پلیٹ میں عمدہ قسم کے چاول جن میں خوب گھی پڑا ہوا تھا لایا، میں نے خوب سیر ہو کر کھایا، جب میں نے کھانے سے ہاتھ روکا تو شیخ احمد کھٹو نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہمارے مہمان

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ لبسلسلہ سلہ) زیارت سے مشرف ہو کر آپ سلطان مظفر کے زمانے میں جب کہ وہ نہر والہ کا حاکم تھا، گجرات تشریف لائے۔ سلطان مظفر جب گجرات کا بادشاہ ہوا تو اس نے اصرار کیا کہ آپ گجرات ہی اقامت اختیار فرمائیں، اس کے اصرار پر آپ نے گجرات کے موضع سرکھیج میں سکونت اختیار فرمائی، تحفۃ المجالس کے نام سے آپ کے ایک مرید سید محمد ایرجی نے آپ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، شیخ احمد کھٹو نے ۸۴۹ھ میں وفات پائی۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۶ وتحفۃ الکرام جلد اوّل صفحہ ۲۲۰)

ہو، اچھی طرح سیر ہو کر کھاؤ، میں نے عرض کیا کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھا لیا ہے، پھر فرمایا کہ اب تم رخصت ہو، اور حضرت شیخ عبد القدوس کو ہمارا اور تمام پیران گجرات کا سلام پہنچا کر کہو کہ آپ پہلے یہاں تشریف لائیں، پھر آپ اور ہم یکجا ہو کر ہمایوں کو گجرات اور مندو سے نکال دیں گے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو، اور اس ملک میں امن قائم ہو، پھر آپ نے مجھے رخصت کیا، اور میں رخصت ہو کر حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا، مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کس طرح گجرات پہنچا اور کس طرح لوٹ کر آیا، اور میں نے پیران گجرات کا جواب حضرت شیخ کو پہنچایا۔ آپ نے فرمایا اچھا پہلے ہم گجرات جائیں گے یہ فرما کر آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے، میں جب نیند سے بیدار ہوا تو بہت دیر تک اس خواب کے متعلق سوچتا رہا کہ یہ کیسا خواب ہے، پھر میں نے یہ خواب ملک روپ چند سے بیان کیا، اور اس نے اس خواب کا تذکرہ سلطان علاء الدین سے کیا، سب کو یقین ہو گیا کہ اب ہمایوں گجرات میں ٹک نہیں سکتا، پندرہ دن کے بعد خبر آئی کہ سلطان بہادر دیو پٹن سے کوچ کر کے حضرت شیخ احمد کھٹو کی درگاہ پر حاضر ہوا، اس کے بعد اس نے ہمایوں سے جنگ شروع کی، اس جنگ میں ہمایوں نے شکست کھائی، بہت سے مغل مارے گئے، اور ہمایوں

شکست کھا کر آگرے کو لوٹ گیا۔[1]

سلطان بہادر کی وفات اور گجرات کے متعلق حضرت شیخ کی پیشینگوئی

لطائف قدوسی میں ہے کہ سلطان علاء الدین جب قلعہ جانپانیر میں پہنچا تو وہاں خبر ملی کہ سلطان بہادر کھنبایت پہنچ چکا ہے، دتّو کا بیان ہے کہ سلطان علاء الدین نے ہمارے ذریعہ چار ہاتھی اور سات سو اشرفیاں بطور مبارکبادی سلطان بہادر کو بھجوائیں ہم کھنبایت میں سلطان بہادر کے پاس پہنچے کہ اطلاع ملی کہ فرنگی چند جہاز آتشی اسلحہ سے بھر کر پٹن دیو پر قبضہ کرنے کے لئے آرہے ہیں، یہ خبر سُن کر سلطان بہادر تیزی سے پٹن دیو کی طرف روانہ ہوا، اُس کے چند دن بعد ہی سلطان علاؤ الدین کھنبایت پہنچا، اُس نے مجھے تمام عہدے داروں کا سردار مقرر کر کے اپنے پرگنے دھولقا میں بھجوایا، اور مجھ سے کہا کہ تم دھولقا میں قیام کرو اور میں جو تم کو لکھوں اُس کو تعمیل کرو، میں دھولقا پہنچا، ابھی دھولقا میں مجھے چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں کہ دتّو اجس قدر

---

[1] لطائف قدوسی ص ۷۹-۸۰ لطیفہ ۹۷

بھی جلد ممکن ہو تم گجرات سے نکل جاؤ، یہاں بڑی تباہی آنے والی ہے، ورنہ تمھیں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا، میں نے عرض کیا کہ میں تنہا ہوں، راستہ پُر خطر ہے، اور بغیر کسی رفیقِ سفر کے یہاں سے جانا سخت مشکل ہے، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا تم جلد یہاں سے روانہ ہو، گھبراؤ نہیں، ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ تمھیں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی، صبح کو جب میں بیدار ہوا تو میں اس خواب سے سخت پریشان ہوا، میں نے پرگنے کے دوسرے عہدے داروں سے کہا کہ میں جانا چاہتا ہوں، اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم بغیر سلطان علاء الدین کے حکم کے تم کو روانگی کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں، اُنھوں نے سلطان علاء الدین کو لکھا کہ دتّو رخصت پر جانا چاہتا ہے۔ اس خط کے ملتے ہی سلطان علاء الدین نے دو آدمی بھیجے اور پرگنے کے عہدہ داروں کو لکھا کہ دتّو کو اُس کے گھر میں نظر بند کر دو، وہ گھر سے نکلنے نہ پائے۔ اگر اس پر بھی وہ گھر سے نکلنے کی کوشش کرے تو اُس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو، دتّو کا بیان ہے اُن دو آدمیوں میں سے جن کو سلطان علاء الدین نے بھیجا تھا، ایک میرا دوست تھا، اُس نے مجھے خفیہ طور پر یہ سب باتیں بتائیں اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ عنقریب تمھارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی۔

غیبی امداد

ابھی میری نظربندی کی تیاریاں ہو ہی رہی تھیں اور باقاعدہ طور پر میں نظر بند نہ کیا گیا تھا ایک مسافر دھولقا میں آیا، اتفاقاً میری اُس سے ملاقات ہوئی، میں نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے مجھے بتایا کہ میں یہاں اُونٹ فروخت کرنے کے لئے ٹھٹھہ سے آیا ہوں، پھر کہنے لگا کیا بات ہے میں تمھیں سخت پریشان اور متفکر پاتا ہوں، میں نے اُس سے اپنا تمام واقعہ بیان کیا، وہ میرے واقعات کو سُن کر بیحد متاثر ہوا، اور کہنے لگا تو پھر تم یہاں سے جانا چاہتے ہو، میں نے کہا ہاں، میں ایک منٹ بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا، لیکن یہاں کے راستے پُر خطر اور میں اس ملک کے راستوں سے بالکل ناآشنا ہوں، بغیر کسی رہبر کے سفر نہیں کر سکتا، یہ وہ مجبوری ہے کہ میں یہاں پڑا ہوا ہوں ورنہ میں ایک منٹ بھی یہاں نہ ٹھہرتا، اُس نے کہا گھبراؤ نہیں اگر تم یہاں سے جانا چاہتے ہو تو میں اس مُلک کے چپّے چپّے سے واقف ہوں، میں تمھاری رہبری کروں گا، اور تمھیں برہان پور تک پہنچا دوں گا، اور اگر تم چاہو تو میں تمھیں قلعہ مندو تک یا قلعہ جانپانیر تک بھی پہنچا سکتا ہوں، مجھے اس کی باتوں سے اطمینان ہوا، وہ مجھے بہت دیر تک دلاسا و تسلّی دیتا رہا، پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ آج رات کے پچھلے پہر میں تمھیں لینے کے لئے آؤں گا تم تیار رہنا، لیکن اس کی خبر

مطلقاً کسی کو نہ ہونی چاہیے، ورنہ تمھیں یہاں سے نکلنا سخت دشوار ہو جائے گا۔ میں اُس کی ہدایت کے مطابق رات کو بالکل تیار ہو گیا۔ وہ حسبِ وعدہ رات کے پچھلے پہر آیا، اور ہم دہولقا سے مشہور راستوں کو چھوڑ کر غیر معروف راستوں سے روانہ ہوئے، رات اس قدر تاریک تھی کہ مطلقاً اندازہ نہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے کہاں لئے جا رہا ہے، میں دل ہی دل میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا تھا، اُس نے میرے اندیشوں کو محسوس کر لیا، اور ایک دم سواری کو روک کر کہنے لگا، میں تمھیں غیر معروف راستوں سے اس لئے لایا ہوں کہ اس ملک میں راتوں کو ڈاکو گھومتے رہتے ہیں، جو مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں، تم اپنے دل میں کسی قسم کے شبہ کو جگہ نہ دو، میں اپنے شیخ کا تصور کر کے اُس کے ساتھ چلنے لگا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، اور ہم ایک قصبے میں پہنچے، وہاں سے ہم قلعہ جانپانیر کی طرف روانہ ہوئے، میں نے اُس شخص سے کہا کہ میں تمھارا شکر گزار ہوں، یہاں سے قلعۂ جانپانیر قریب ہے، ہم خطرات سے نکل چکے ہیں، اب میں تنہا قلعہ جانپانیر جا سکتا ہوں، تم واپس لوٹ سکتے ہو، اُس شخص نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں تمھیں قلعہ مندو یا برہان پور تک پہنچا کر واپس ہوں گا، میں نے ہر چند اصرار کیا لیکن وہ نہ مانا، آخر ہم قلعہ جانپانیر میں پہنچے، وہاں مجھے تقریباً ڈھائی ہزار بچھڑے ہوئے رفیق مل گئے۔

اور میں اُن کے ساتھ قلعہ مندو کی طرف روانہ ہوا، ہم اپنے ہم سفر کی دوسری منزل میں تھے کہ رات کو بھیلوں نے شب خون مارا، اکثر لوگ مجروح ہوئے، بے حد لوٹ مار ہوئی، لیکن ہم محفوظ رہے، اور قلعہ مندو میں پہنچے، ہم نے اپنے اس سفر کے واقعات لوگوں کو سُنائے، لوگ ہمارے واقعات کو سُن کر حیرت میں پڑ گئے، ہمیں قلعہ مندو میں پہنچ کر پندرہ ہی روز ہوئے تھے کہ خبر آئی کہ سلطان بہادر ہمایوں سے شکست کھا کر فرنگیوں کے جزیرہ کی طرف گیا، لیکن ان سے فریب و دغابازی کے آثار محسوس کر کے واپس لوٹا، اور انھوں نے دریا ہی میں اُسے قتل کر دیا۔ میں نے اپنے مقام پر پہنچ کر خدا کا شکر ادا کیا[1]

شیخ محمد اکرام کا تبصرہ

عہدِ ہمایونی کے یہ تمام واقعات اُس وقت کے ہیں جب حضرت شیخ حیات تھے، شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب رودِ کوثر کے صفحہ ۵۷ پر ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

> شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وفات ۱۵۳۷ء میں ہوئی لیکن مغلوں اور افغانوں کی کشمکش اس کے بعد بھی جاری رہی، اور اُس میں شیخ کے بعض مریدوں نے حصّہ لیا، لطائف قدوسی میں کئی ایسے واقعات درج

---

[1] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۹۸ ص ۸۱ و ۸۲

ہیں جن کی تاریخی صحت مشتبہ ہے، لیکن جن سے اُس زمانے کے خیالات و رجحانات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہم اس باب کے شروع میں لکھ چکے ہیں کہ دلّو شروانی عہد بابر سے لے کر شیر شاہ سُوری کے عہد تک مغلوں اور افغانوں کے ساتھ بحیثیت ایک سپاہی کے شریک تھے، اس سلسلے میں لطائف قدوسی میں ہمیں جو روایتیں ملتی ہیں، اُن میں سے اکثر کے راوی یہی دلّو شروانی ہیں، غالباً شیخ محمد اکرام صاحب نے ان روایتوں کو اس وجہ سے مشتبہ قرار دیا ہے کہ دلّو شروانی کا بیان دوسرے عام مورخین سے مختلف ہے، لیکن ہماری رائے میں محض اس بنا پر کہ دوسرے مورخین ان واقعات کو بیان نہیں کرتے یا دلّو شروانی کا بیان دوسرے مورخوں سے مختلف ہے، ان واقعات کو مشتبہ نہیں بناتا، کیونکہ دلّو شروانی افغانوں کی طرف سے بحیثیت ایک سپاہی کے اُن لڑائیوں میں شریک رہے، افغانوں اور مغلوں کی جھڑپوں میں دلّو شروانی کی پوزیشن ایک شاہدِ عینی کی سی ہے، البتہ وہ مقامات جہاں اُنھوں نے اپنے رجحان طبع کے مطابق واقعات پر افغانوں کی حمایت میں کوئی تبصرہ یا اظہارِ خیال کیا ہو قابلِ غور ہو سکتے ہیں، لیکن ہمیں کہیں بھی دلّو شروانی کا کوئی تبصرہ یا اظہار خیال اُن کے چشمِ دید واقعات پر نہیں ملتا، وہ

صرف اُن واقعات کو بیان کرتے ہیں جن میں وہ شریک تھے، اور اُن واقعات کے متعلق اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہیں، دتو شروانی کی ثقاہت کے متعلق بھی اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مخلص مریدوں میں ہیں، اور شیخ رکن الدین جیسے جلیل القدر بزرگ نے اُن کی روایات کو اپنی کتاب میں داخل کیا ہے۔

نندربار کے واقعہ پر جسے ہم گذشتہ اوراق میں "اولیاءِ گجرات کو حضرت شیخ کا پیغام" کے عنوان سے نقل کر آئے ہیں، شیخ محمد اکرام صاحب نے رودِ کوثر کے صفحہ ۶ے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

> ہمایوں کی یہ مخالفت مغلوں کے خلاف افغانوں سے ہمدردی کے علاوہ اِس وجہ سے بھی تھی کہ اُس نے گجرات کے اس بادشاہ (بہادر شاہ) کے خلاف چڑھائی کی تھی، جس نے چتوڑ فتح کر کے اسلام کو راجپوتانہ میں سربلند کیا تھا، چنانچہ جب شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان سے نکال دیا تو بعض مذہبی حلقوں میں خوشی کا اظہار کیا گیا، اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اُن میں شامل تھے لیکن یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی، چند ہی سال بعد ہمایوں نے شاہ ایران کی مدد سے ہندوستان دوبارہ فتح کر لیا، اور اس کے بیٹے اکبر نے

مغلیہ حکومت کی بنیادیں اس ملک میں اس طرح مستحکم
کیں کہ صدیوں تک انھیں جنبش نہ ہوئی [1]

شیخ صاحب کا یہ فقرہ "لیکن یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی" اس
واقعہ کی صداقت کو مذبذب بنا دیتا ہے۔ لطائف قدوسی کے
لطیفہ ۹۷ میں نندربار کے خواب کا واقعہ اس طرح منقول ہے:۔

چوں بادشاہ ہمایوں در گجرات رفت۔ در شہر معظم
احمد آباد قرار گرفت، وسلطان بہادر در مقام دیو بود،
وسلطان علاؤالدین پسر سلطان بہلول از مقام برہان پور
بطرف سلطان رواں شد، ایں جانب وملک روپ چند
ہمراہ سلطان علاؤالدین بودند در مقام نندربار رسیدیم،
در شب در خواب حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقدوس
حاضر شدند، فرمودند اے دتّو! بیشتر بیا و پیغام گزاری
ما با پیرانِ گجرات بکن، اے دتّو! در گجرات برو و کل پیرانِ
گجرات را اسلامِ ما برساں، و بگو کہ ہمایوں بادشاہ اسلام
را تاراج می کند، و میانِ کفر و اسلام فرق نمی کند، ہمہ را
تاراج می کند، ما بمدد اسلام و بمدد شما آمدہ ایم، اگر رضاء
شما باشد بیائیم، و ما و شما یک جا شدہ، ہمایوں بادشاہ
را از ولایت گجرات دور کنیم، و اگر رضاء شما باشد در

---

[1] رود کوثر ص ۷۶

ولایت مندو بہ ویم تا ہمایوں را از آنجا دور کنیم و شما
از ولایت گجرات دور کنید، تا اسلام را امنے و قرارے باشد[1]

یہ واقعہ اُس زمانے سے متعلق ہے جب ہمایوں گجرات کو فتح کر کے اپنے بھائی عسکری کو گجرات کا حاکم بنا کر واپس ہو گیا تھا، لیکن ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ گجراتیوں نے بغاوت کر کے سارا گجرات واپس لے لیا، اور بہادر شاہ دوبارہ گجرات کا سلطان بن گیا، ہمایوں نے دوبارہ گجرات پہنچ کر سلطان بہادر کو شکست دی، اور اُس نے فرنگیوں کے ہاتھوں دریا میں وفات پائی، لیکن جب ۱۵۳۹ء اور ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو پیہم شکستیں دیں تو وہ بمشکل جان بچا کر بھاگا، اور پندرہ سال تک جلاوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا، اور اس طرح حضرت شیخ کا وہ ارشاد پورا ہوا جس کی طرف نندربار میں دنو کو ہمایوں کے متعلق خواب میں اشارہ کیا گیا تھا، رہا یہ امر کہ ہمایوں پندرہ سال کے بعد دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو گیا تو ہمیں اس خواب میں کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ اُس کا یہ اخراج گجرات سے دائمی تھا، اور نہ حضرت شیخ نے مغلوں کے متعلق کوئی ایسی پیشین گوئی کی تھی کہ اُن کی سلطنت ہندوستان میں قائم نہ ہوگی، غالباً حضرت شیخ کا یہ غصہ اور اُن کی خفگی ہمایوں کے اُن افعال سے

---

[1] لطائف قدوسی. لطیفہ ۹۷ ص ۷۹ و ۸۰

تھی جن کی طرف آپ نے اشارہ متذکرہ بالا خواب میں فرمایا ہے، اور جن کا ظہور ہمایوں کی طرف سے گجرات کی لڑائیوں میں ہوا ہوگا۔

البتہ آپ کے حالاتِ زندگی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو لودھیوں سے ہمدردی اور مغلوں سے ابتداءً جب تک کہ ان کا تسلط ہندوستان پر نہ ہوا تھا بظاہر ایک گونہ مخالفت تھی ۔ ہمارا خیال ہے کہ لودھیوں سے حضرت شیخ کا یہ تعلقِ خاطر محض اُن کی اسلام دوستی، اتباعِ شریعت، تقویٰ اور صلاح کی بنا پر تھا، اور ابتداً مغلوں کی مخالفت کی بناء شاید یہ ہو کہ افغانوں کی حکومت میں ایک طویل عرصے تک رہنے کی وجہ آپ کو ان کے متعلق اُن کی نیکی اور دینداری کا تجربہ تھا، لیکن مغل چونکہ ہندوستان کے لیئے بالکل نئے تھے، اور اُن کے متعلق کوئی قیاس قائم نہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ ہندوستان کے لئے کیسے ثابت ہوں گے، اس لیئے شاید آپ کی جدوجہد یہ ہو کہ حکومتِ وقت کی تائید کی جائے، لیکن جب مغل برسرِ حکومت آئے تو وہ مخالفت باقی نہ رہی، اور آپ نے اُن کو بھی لودھی فرماں رواؤں کی طرح اتباعِ شریعت، ترویج اسلام، نماز با جماعت اور دینی امور کے قیام کی طرف توجہ دلائی، جیسا کہ آپ کے اُن خطوط سے ظاہر ہے جو آپ نے بابر، ہمایوں اور اُن کے امیر تردی بیگ کے نام لکھے ہیں۔

ہمایوں کی نظر میں حضرت شیخ کی عظمت

ہمایوں ۱۵۳۰ء میں تخت نشین ہوا،
اور حضرت شیخ نے ۱۵۳۷ء وفات پائی، اس طرح سات سال تک
حضرت شیخ ہمایوں کے عہد میں حیات رہے، ہمایوں سے حضرت
شیخ کی مخالفت کا اندازہ دلو کے اس خواب سے ہوتا ہے جو دربار
میں اُنھوں نے دیکھا تھا، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت شیخ حیات
تھے۔ ممکن ہے کہ آپ کی یہ مخالفت اُس کے علم میں بھی ہو، لیکن
حضرت شیخ سے ہمایوں کو بڑی عقیدت تھی۔ صاحبِ مراۃ الاسرار
نے لکھا ہے کہ ہمایوں حقائق و معارف کے علم کے لئے حضرت
شیخ عبدالقدوس حنفی کی صحبت میں حاضر ہوتا تھا کہ شیخ اِس فن میں اُس
دور کی عظیم ترین اور ممتاز شخصیت تھے مراۃ الاسرار کے
الفاظ یہ ہیں :-

حضرت قطب العالم	حضرت قطب العالم بندگی
بندگی شیخ عبدالقدوس گنگوہی	شیخ عبدالقدوس گنگوہی
قدس سرہٗ زندگانی دراز یافتہ	قدس سرہٗ نے طویل عمر پائی،
از وقتِ سلطنتِ سلطان	وہ سلطان بہلول لودھی کی
بہلول لودھی تا زمانِ سلطنت	حکومت کے زمانے سے
سلطان نصیر الدین محمد ہمایوں	سلطان نصیر الدین محمد ہمایوں

بادشاہ بر مسندِ ارشاد مستقیم بود، و سلاطینِ وقت بخدمت وے نیازمندی و اخلاص تمام داشتند، چناں کہ مکتوبات کہ باسم ہر یک سلاطینِ وقت خود نوشتہ بود. نقل آں ہنوز موجود ست۔ و ہم وے می نویسد کہ علامی ابوالفضل در تذکرۃ الاولیا بنشتہ ست کہ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ در علمِ حقائق و معارف صحبت با حضرت شیخ عبدالقدوس حنفی می داشت کہ او در آں فنِ ممتاز بود[1]

بادشاہ کے زمانے تک مسندِ ارشاد پر مستقیم تھے، اور سلاطینِ وقت اُن کی خدمت میں انتہائی نیازمندی اور خلوص رکھتے تھے۔ اُسی کی بنا پر آپ نے ہر ایک بادشاہِ وقت کے نام خطوط لکھے تھے جن کی نقل اب تک موجود ہے اور اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ ابوالفضل تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ محمد ہمایوں بادشاہ علمِ حقائق و معارف میں حضرت شیخ عبدالقدوس حنفی سے ملاقات رکھتا تھا اس لئے کہ حضرت شیخ اس فن میں ممتاز تھے[1]

---

[1] مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسی مرتبہ مولانا مشتاق احمد انبہٹوی ص ۶

صاحبِ سیر المتاخرین نے ہمایوں کو جو عقیدت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے تھی اُس کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :-

جنت آشیانی با برخے کار آگہاں بزاویۂ او (شیخ عبدالقدوس) در شدے، وانجمن آگہی گرمی پذیر رفتے[1]

---

[1] سیر المتاخرین جلد اوّل - ذکر اولیائے ہند ص ۲۳۶ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔

گیارھواں باب

عہدِ شیر شاہ

شیر شاہ سُوری کا نام فرید خاں تھا، اُس کی پیدائش بہلول لودھی کے زمانے میں ہوئی، جب ہمایوں گجرات میں بہادر شاہ سے لڑ رہا تھا، اِس نے پہلے بہار پر قبضہ کیا، پھر بنگال پر حملہ آور ہوا، ہمایوں اُس کے مقابلے کے لئے بنگال پہنچا تو شیر شاہ بہار کے مشہور قلعے رہتاس گڑھ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا، ۱۵۳۹ء میں جب وہ بنگال سے واپس ہوا، تو شیر شاہ سوری نے قلعہ رہتاس سے نکل کر بکسر کے متصل چونسہ کے مقام پر ہمایوں کا مقابلہ کیا، اس مقابلے میں ہمایوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے بے تحاشا دریائے گنگا میں کود پڑا، اور نظام

سقّے نے اسے اپنی مشک پر بٹھا کر دریا کے پار کیا، ہمایوں نے دوبارہ قوت جمع کر کے شیر شاہ کے مقابلے کی کوشش کی ۱۵۴۰ء میں قنوج کے متصل مقام بلگرام پر شیر شاہ سے اُس کی دوسری مڈبھیڑ ہوئی یہاں بھی اُس نے ایسی شکست فاش کھائی کہ اسے اُسے پندرہ سال تک جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سُوری آگرہ پہنچ کر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

حضرت شیخ کی جانب سے شیر شاہ کی فتح کی بشارت

حضرت شیخ عبد القدوس نے شیر شاہ کے تخت نشین ہونے سے تین سال پہلے وفات پائی، لیکن اُس کے تمام تاریخ نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ نہایت عادل اور منصف مزاج حکمران تھا، انصاف کے معاملے میں اس کی نظر میں امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم امیر و غریب ادنیٰ اور اعلیٰ سب برابر تھے، وہ حضرت شیخ کا ہمعصر تھا۔ سکندر لودھی ہی کے عہد میں بڑی حد تک ممتاز ہو چکا تھا، اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ شیخ اُس کی صلاحیتوں، اسلامی غیرت اور جوہر قابل سے واقف ہوں گے، شاید حضرت شیخ کے اسی تعلقِ خاطر کا نتیجہ تھا، جو شیخ کی جانب سے عالم رویا میں دلو شروانی پر منکشف ہوا۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ جب ہمایوں بنگال سے واپسی پر دریائے گنگا کے کنارے قصبہ بھوج پور میں منزل انداز ہوا۔ اُس کے دوسری طرف شیر شاہ اس کے مقابلے کے لئے خیمہ زن تھا، اس موقع پر ہمایوں نے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے کہا اگر میں اس مرتبہ افغانوں کے مقابلے میں کامیاب ہو گیا، اور انھیں شکست ہوئی تو افغانوں کا نام صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹا دوں گا کہ اُن کے ایک بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ دتو جو اس جنگ میں شیر شاہ کی فوج میں موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہمایوں کی اس تقریر سے ہم سب بیحد متفکر ہوئے، یہاں تک کہ ہمایوں نے گنگا پر کشتیوں کا پُل قائم کیا اور دریا کے کنارے گھیرا ڈال دیا، اس صورتِ حال سے ہم سب نہایت پریشان تھے، میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ دتو! دیکھو شیر شاہ کا خیمہ کتنی بلندی اور وسعت کے ساتھ نصب ہے۔ وہ دیکھو اُس کے خیمہ کی طنابیں ہمایوں کی لشکر گاہ میں نصب ہیں، دیکھو ہمایوں بادشاہ کا خیمہ گر پڑا۔ اور مغل سراسیمہ ہو کر بھاگ رہے ہیں، وہ دیکھو ہمایوں بادشاہ مغلوں سے کہہ رہا ہے کہ مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں بھاگے جاتے ہو، لیکن کوئی اس کی نہیں سُنتا، وہ دیکھو ہمایوں بادشاہ کس قدر پریشان پھر رہا ہے، پھر حضرت قطبِ عالم نے فرمایا

دلّو! تم نے ان بادشاہوں کا حال دیکھا، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پھر فرمایا کہ شیر شاہ کو فتح ہوگی، اور ہمایوں شکست کھائے گا، کیونکہ شیر شاہ کو بزرگانِ دین کی تائید حاصل ہے، میں اس خواب سے بیدار ہوا تو میری پریشانی دور ہو چکی تھی اور میں اپنے آپ کو بالکل مطمئن پاتا تھا، اس خواب کے چار روز بعد دونوں فوجوں میں جنگ شروع ہوئی اور ہمایوں کو حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق شکست فاش ہوئی [۱]

شیر شاہ کے دور میں دلّو پرگنہ کانتہ کی عملداری پر

شیر شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں سنبھل کی منصفی مسندِ عالی عیسیٰ خاں کے تفویض کی، اور پرگنہ کانتہ تلہر اور جہدار بھی اس کے سپرد ہوا، عیسیٰ خاں وہاں پہنچا، دلّو بھی اس کے ساتھ تھے، عیسیٰ خاں نے وہاں پہنچ کر دلّو سے کہا کہ تم پرگنہ کانتا کے انتظام کے لئے جاؤ۔ اُنھوں نے معذرت کی اور وہیں مسندِ عالی عیسیٰ خاں کے ساتھ رہنا چاہا۔ عیسیٰ خاں خاموش ہوگیا، رات کو دلّو نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ اُن سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم پرگنہ کانتہ جاؤ، وہاں ایک بوڑھی سیّد زادی رہتی ہے جو بیکس ہے، اُس کی تمام املاک جو مدّت ہوئی دوسروں کی

---

[۱] لطائفِ قدوسی صہ ۸۳ لطیفہ ۱۰۰

تحویل میں آچکی ہیں، وہ تمھارے پاس آئے گی، دتّو! دوسرے ہی دن صبح کو پرگنہ کا بتہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے پر چند دن بعد وہی بوڑھی سیدزادی دتو کے پاس آئی، اور دتّو نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بعینہ اپنا وہی حال اُس ضعیفہ نے بیان کیا، دتّو نے حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق اس سیدزادی کی ہر ممکنہ مدد کی، یہاں تک کہ اس کے حالات بہتر ہو گئے اور وہ خوش حال ہو گئی، اور دتّو کو دعائیں دیتی ہوئی لوٹ گئی، جب بھی وہ دتّو کے پاس آتی دتّو اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق اُس سے نہایت عنایت سے پیش آتے اور وہ خوش ہو کر اپنے گھر لوٹتی، ایک مدت کے بعد جب دتّو عیسٰی خاں کے پاس آئے، تو اُس سیدزادی کو بھی اپنے ساتھ لائے، عیسٰی خاں سے اُس کی سفارش کر کے اُس کو کچھ زمین دلائی، کچھ اور بیوہ عورتیں جو اس ضعیفہ کے ساتھ آئیں تھیں اُن کو بھی تھوڑی تھوڑی زمینیں دلائیں، سب خوش ہو کر اپنے وطن کو لوٹ گئیں[1]۔

---

[1] لطائف قدوسی ص ۸۳-۸۴ لطیفہ اوّل۔

بارھواں باب

کرامات

کشف و کرامات بزرگی کی دلیل نہیں، اسی بنا پر بعض بزرگوں کا یہ مقولہ آج بھی زباں زد ہے "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدائے تعالیٰ اپنے اولیاء کو اس نعمت سے بھی نوازتا ہے جو اُن کی بزرگی کی عظمت کو سمجھنے کے لئے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے، جمہور علمائے اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں، قرآن و حدیث میں بھی ہمیں اُن کے اس مسلک کی تائید میں بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جو اولیاء کے کرامات کے حق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی زندگی میں بھی ہمیں خرقِ عادات کے واقعات ملتے ہیں جو واقعتاً کرامات تھے،

اُن کے راوی ان کے مرید و خلفاء اور بعض متاخرین ہیں، جن کی صداقت و ثقاہت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ ہم نہیں پاتے۔

کرامات و خرق عادات کے متعلق حضرت شیخ کا طریقۂ کار

لطائف قدوسی میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رُکن الدین نے کرامات و خرق عادات کے متعلق حضرت شیخ کے طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ حضرت قطب عالم گمنامی کو پسند کرتے اور اسرار الٰہی کے اخفاء میں بیحد اہتمام فرماتے تھے، اگرچہ آپ صاحبِ کرامات تھے، لیکن خود اپنی اپنی کوئی کرامت کسی پر ظاہر نہ فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی تحریضی طور پر مریدین و مخلصین کے سامنے اپنی بعض کرامتوں کا اظہار فرماتے تھے، یا بے اختیاری میں کوئی چیز ظاہر ہو جاتی تھی[1]۔

اس ضمن میں حضرت شیخ رکن الدین نے لطائف میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ جب میں حضرت شیخ سے مرید ہوا تو مجھے آپ نے کسی ذکر و شغل کی تلقین نہ فرمائی۔ ایک دن مجھے خیال ہوا کہ میرا وقت فضول ضائع ہو رہا ہے، میں نے حضرت شیخ کی اجازت کے بغیر آپ کے کتب خانے سے اوراد و

---

[1] لطائف قدوسی ص۱۳۔ لطیفہ ۳۶

وظائف کی کتاب نکالی، اور اشراق و چاشت کی نماز اُس کتاب کی ہدایات کے مطابق پڑھنے لگا، ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابھی اوراد و وظائف کا شغل مت اختیار کرو۔ جب میں تم سے کہوں اُس وقت اختیار کرنا، میں آپ کے اِس ارشاد کے بعد ڈرنے لگا اور مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ پہ نورِ باطن کی وجہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی، یہ اور بات ہے کہ آپ اُن چیزوں کو بیان نہیں کرتے اور پوشیدہ رکھتے ہیں، حدیث میں ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ رکن الدین لکھتے ہیں کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ کسی کے سامنے اپنے منازلِ سلوک کو بیان نہ فرماتے تھے، بلکہ ہمیشہ اپنی ہیچ مدانی کا اظہار فرماتے البتہ جب کوئی سالک راہِ طریقت کی سیر کرتے ہوئے تصوف کی کسی منزل پر پہنچتا، اُس وقت آپ اس سالک سے فرماتے کہ ہم بھی اِس منزل سے گزرے ہیں، اور اُس کے بعد کی آنے والی منزل کی کیفیت اور حالات سے اُس سالک کو آگاہ فرماتے پھر ارشاد فرماتے کہ کوشش کرو تاکہ تم اِس منزل سے نکل کر اُس منزل میں پہنچ سکو۔ میں نے بارہا تجربہ کیا کہ سالک کو وہی پیش آتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ فرماتے تھے، ورنہ اس کے علاوہ آپ کی عام عادت یہ تھی کہ آپ اسرار

الٰہی کو کبھی فاش نہ فرماتے تھے، آپ کی قوتِ تحمل اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آپ دریا کو پیئے ہوئے تھے لیکن ڈکار نہیں لیتے تھے، مگر کبھی حالت سکر و سرمستی میں بعض عجیب و غریب کلمات آپ کی زبان سے نکل جاتے تھے[1] جن کا ذکر "شطحیات" کے عنوان کے تحت اسی کتاب میں ملے گا۔

کڑیوں کی درازی

لطائف قدوسی میں ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ کا قیام شاہ آباد میں تھا، آپ کے ایک مُرید ملک مبارک خضر آبادی نے پہاڑ سے آپ کے گھر کی چھت کے لئے کچھ کڑیاں بھجوائیں، جیسے ہی یہ کڑیاں آئیں شاہ آباد کے عامل نے فوراً ہی بڑھئی اور کاریگر مقرر کیے تاکہ وہ جلد سے جلد چھت ڈالیں، کاریگروں نے جب ان کڑیوں کی پیمائش کی تو وہ طول میں اس قدر چھوٹی تھیں کہ حجرے کی دیواروں تک نہیں پہنچتی تھیں کاریگر سوچنے لگے کہ یہ کڑیاں بیکار ہیں، جب تک دوسری کڑیاں نہ آئیں گی چھت کی تکمیل نہیں ہوسکتی، جب یہ خبر حضرت شیخ کو معلوم ہوئی تو فرمایا میں تو ایک درویش و فقیر ہوں یہ بھی ایک مرید نے بھیج دی تھیں، اب میں دوسری کڑیاں کہاں سے لاسکتا ہوں، اگر اللہ چاہے گا تو یہی کڑیاں لمبی ہو جائیں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے اور اپنے عصا سے اُن کڑیوں کی پیمائش

---

[1] لطائف قدوسی صـ۳۲ لطیفہ ۳۸

کی اور فرمایا کہ انھیں اٹھاؤ اور دیواروں پر رکھو، کاریگروں نے اٹھایا اور دیواروں کے سرے پر رکھا، قدرت الٰہی سے یہ کڑیاں اس قدر دراز ہو گئیں کہ دیواروں کے باہر تک پہنچی تھیں، یہ کڑیاں آپ کے حجرے میں مغلوں کی تاخت و تاراج تک موجود تھیں۔[۱]

چھپّر بندی زمانۂ قیام شاہ آباد میں ایک دفعہ حضرت شیخ کی بیوی نے صحن خانقاہ میں چھپّر ڈلوانا چاہا، چھپّر باندھنے کا کام شروع ہوتے ہی حضرت شیخ حجرے سے باہر تشریف لائے اور چھپّر ڈالنے والوں سے فرمایا آج یہاں چھپّر نہ ڈالو، حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید نے عرض کیا کہ یہاں تو پہلے بھی چھپّر ڈالا جا چکا ہے اور یہ ایسی جگہ ہے کہ ہر وقت یہاں سے چھپّر ہٹایا جا سکتا ہے، اس لئے اس میں کیا مضائقہ ہے، آپ خاموش ہو گئے، ابھی چھپّر آدھا ہی بندھا تھا کہ گجرات سے محمود قوّال آیا، وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے گانا شروع کیا، حضرت شیخ پر وجد کی کیفیت اس درجہ طاری ہوئی کہ آپ نے وہ چھپّر توڑ کر پھینک دیا، اور صحن میں وجد فرمانے لگے۔[۲]

مولا چندن شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میرے استاد مولانا

---

[۱] لطائف قدوسی - لطیفہ ۳۹ ص ۳۲

[۲] لطائف قدوسی - لطیفہ ۳۷ - ص ۳۲

جُنّدن جو حضرت شیخ کے نہایت مخلص مریدوں میں تھے، کپڑے دھونے کے لیئے کندی ندی کے کنارے گئے، وہاں ایک حسین وجمیل عورت کو دیکھا، اس کے حسن وجمال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریب تھا کہ اُن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد ہو جائے، یکایک اُن کی نظر ندی پر پڑی دیکھا کہ وسط ندی میں حضرت شیخ کھڑے ہوئے ہیں، حضرت شیخ کے دیکھتے ہی اُن میں خجالت وشرمندگی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور نیکی نے بدی پر غلبہ پایا۔ وہاں سے واپسی کے بعد کئی دن تک مولانا جندن شرمندگی و خجالت کی وجہ سے شیخ کے سامنے حاضر نہ ہوئے، ایک دن اتفاق سے اُن سے ملاقات ہوگئی، حضرت شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کوئی حرج نہیں، شیخ اپنے مریدوں کا محافظ ہوتا ہے[1]

صوفی شیخ جعفر

صوفی شیخ جعفر حضرت شیخ کے خاص خادموں میں سے تھے، اُن کے جسم میں حرارت کی یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ ہر وقت کہتے تھے کہ میں جلا جا رہا ہوں، حقیقت میں اُن کے جسم میں حرارت اس قدر شدّت اختیار کر چکی تھی کہ جو اُن کے قریب جاتا وہ اُس کی گرمی کو محسوس کرتا، اُن کی موت میں کوئی شبہہ باقی نہ تھا، حضرت شیخ کو ان کی حالت کی خبر ہوئی، فرمایا وہ تو ہمارا خادم ہے،

---

[1] لطائف قدوسی ص ۳۳ لطیفہ ۳۹

اور ہیں اس کے بغیر ایک لمحہ کے لیے بھی راحت میسر نہیں، اگرچہ وہ مایوسی کی منزل میں ہے مگر خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ اسے از سر نو زندگی مل جائے، یہ فرما کر آپ نے پانی دم کر کے انھیں پلوایا، اور خدا کے فضل و کرم سے انھوں نے اسی وقت شفا پائی[1]

شیخ بڈھن حضرت شیخ کے بھانجے شیخ بڈھن ردولی کے قریب موضع مہوندہ میں رہتے تھے۔ اسی موضع میں شیخ بہاؤ الدین نامی ایک صاحبِ حال بزرگ کا بھی قیام تھا، ایک روز صبح صادق کے وقت شیخ بڈھن اس درویش کے حجرے کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ حجرے میں چراغ روشن ہے، شیخ بڈھن کے دل میں خیال گزرا کہ یہ کس قسم کے درویش ہیں جو صبح صادق کے وقت عبادت الٰہی سے غافل ہو کر سو رہے ہیں، شیخ بہاؤ الدین نے اپنی کشفی قوتوں سے شیخ بڈھن کے اس سوءِ ظن کو محسوس کر لیا اور انھیں سخت غصہ آیا، انھوں نے چاہا کہ وہ چراغ اٹھا کر زمین پر دے ماریں، اور اس طرح وہ شیخ بڈھن کو اپنے تصرف روحانی سے ہلاک کر دیں، حضرت شیخ جو اس وقت گنگوہ میں تھے، جو ردولی سے تقریباً تین سو کوس کے فاصلے پر ہے، آپ نے عالم کشف میں یہ تمام واقعہ مشاہدہ فرمایا

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴۴ لطیفہ ۴۲

اُسی وقت شیخ بہاؤالدین کے پاس تشریف لائے، اور اُن سے فرمایا کہ یہ میری اولاد ہے، آپ اسے معاف کر دیں تو اچھا ہو، شیخ بہاءالدین نے جواب دیا کہ میں چراغ اُٹھا چکا ہوں، مردانِ حق اپنے ارادے کو نہیں بدلتے، اب تم بتاؤ کہ میں اس کو کس پر ماروں، یکایک اسی وقت شیخ عمر کی روح جسمانی صورت کے ساتھ حاضر ہوئی، شیخ عمر پرگنہ ردولی کا حاکم تھا، اور نہایت ہی ظالم انسان تھا، شیخ بہاءالدین نے وہ چراغ جو اُن کے ہاتھ میں تھا، شیخ عمر پر دے مارا، صبح کو یہ تمام واقعہ خود شیخ بہاءالدین نے شیخ بڈھن سے بیان کیا، چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ شیخ عمر مغلوں کے ہاتھوں مارا گیا[1]

کمال اغوان پانی پتی

کمال اغوان پانی پتی حضرت شیخ کے خاص مریدوں میں تھے۔ بیان کرتے ہیں میں چند روز ملحدوں کی صحبت میں رہا، ان کی ہم نشینی نے میرے عقیدوں میں تزلزل پیدا کر دیا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ عیاذاً باللہ دوزخ حقیقت میں کوئی چیز نہیں، محض تخویف اور ڈرانے کے لئے دوزخ کا نام لیا جاتا ہے، میں اسی خلجان میں مبتلا تھا کہ حضرت شیخ نے اپنی توجہ کامل سے مجھے ان آنکھوں سے خواب میں دوزخ پوری سوزش اور ہیبت کے ساتھ دکھلائی

---

[1] لطائف قدوسی صد ۳۵ لطیفہ ۴۵

اس کے بعد میں نے اپنے عقیدۂ فاسد سے توبہ کی پھر میں نے رسالہ "جامِ جہاں نما" پڑھنا شروع کیا، یہ رسالہ علمِ توحید پر ہے اس میں توحید کو دو دائروں کی تمثیل دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کے مضامین اس قدر دقیق ہیں کہ ان کا سمجھنا نہ صرف غیر عالم کے لئے مشکل ہے بلکہ اُن سے گمراہی کا بھی اندیشہ ہے۔ جن دنوں میں اس رسالے کا مطالعہ کر رہا تھا حضرت شیخ نے خواب میں کئی مرتبہ اس کے مطالعے سے مجھے منع فرمایا، لیکن میں پڑھنے سے باز نہ آیا، اور میں نے ان خوابوں کو اضغاث و احلام سے تعبیر کیا، ایک روز میں اس رسالہ کو پڑھ رہا تھا، مجھ پر غنودگی طاری ہوئی میں نے اسی عالم میں خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ اپنے ایک خادم صوفی شیخ جعفر کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور شیخ جعفر سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ ہر چند میں کمال کو اِس رسالے کے پڑھنے سے منع کرتا ہوں مگر یہ باز نہیں آتا، مجھ پر اس خواب کے بعد ایک خوف طاری ہو گیا، اور میں نے اس رسالے کا پڑھنا بند کر دیا، اس کے بعد مجھے جب کبھی بھی کوئی دشواری اور مشکل پیش آئی، میں نے اِس کے متعلق ہمیشہ حضرت شیخ سے عرض کیا، اور حضرت شیخ نے اُس کے متعلق جو کچھ بھی ارشاد فرمایا اُس پر عمل کرنے سے مجھے نہایت اطمینان و سکون حاصل ہوا [1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۶۷ لطیفہ ۸۲

صاحبِ سیرالاقطاب کی ایک روایت

صاحب سیرالاقطاب کی روایت ہے کہ ایک دفع حضرت شیخ موضع چھلاچ پور میں تشریف لائے جو نواح پانی پت میں ہے، رات کے وقت آپ ذکروشغل میں مصروف تھے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی کہ آپ نے اچانک بلند آواز سے فرمایا اے گاؤں والو جلد از جلد اس گاؤں کو چھوڑ دو، اور اپنا سامان اور مویشی لے کر نکل جاؤ کہ یہاں آگ لگنے والی ہے، لیکن اس گاؤں کے لوگوں نے حضرت شیخ کے اس ارشاد پر توجہ نہ دی، پھر آپ نے بار بار بلند آواز سے ان کو متوجہ کیا، لیکن آپ کی بات پر کسی نے کوئی دھیان نہیں دیا، تھوڑی دیر بعد اس گاؤں میں آگ لگی اور سب جل کر خاکستر ہو گئے۔

حضرت جلال پانی پتی کی ایک روایت

صاحبِ سیرالاقطاب کے شیخ، حضرت جلال پانی پتی کے ایک صاحبزادے تھے، اُن کے ملفوظات کو مؤلفِ سیرالاقطاب نے "جواہر اعلیٰ" کے نام سے جمع کیا ہے، "جواہر اعلیٰ" میں اُنھوں نے اپنے مرشد کی ایک روایت نقل

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے شیخ مجھ سے بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ موسم برسات کی ایک رات میں حضرت شیخ شرف الحق والدین بوعلی قلندر پانی پتی کے مزار پر حاضر ہوا، جب میں روضۂ مبارک میں داخل ہوا، تو دیکھا کہ حضرت شیخ بوعلی قلندر[1] اپنے سر کو اپنی قبر پر رکھے ہوئے، اور پاؤں ایک ایسے شخص کے زانو پر رکھے ہوئے ہیں، جو آپ کی قبر کے پائینتی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی پیشانی انوارِ ولایت سے منور نظر آتی تھی، یہ منظر دیکھ کر مجھ پر ایک خوف

---

[1] شیخ بوعلی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا، ان کے والد کا نام سالار فخر الدین اور والدہ کا نام بی بی حافظہ جمال تھا۔ شیخ بوعلی قلندر کا آبائی سلسلۂ نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبدالرحمان بن عبدالرحیم بن وانک بن امام اعظم ابوحنیفہ، شیخ بوعلی قلندر کی ولادت ۶۰۵ھ میں پانی پت میں ہوئی۔ آپ نے بہت ہی اوائل عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے قریب درس و تدریس میں مشغول رہے، اس دور کے جلیل القدر علماء اور اکابر اُن کے علم و فضل کے معترف تھے، لیکن جب تصوف کی راہ میں قدم رکھا تو آپ پر جذب و سکر کی کیفیت غالب آ گئی۔ اسی عالمِ جذب و سرمستی میں تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی۔

کی کیفیت طاری ہوئی اور میں وہیں اپنی جگہ خوف وحیرت سے کھڑا رہ گیا، تھوڑی دیر بعد وہ شخص اٹھا، اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ ۵ صفحہ گذشتہ)

پھر پانی پت کے قریب موضع بڈھا کھیڑہ میں مقیم ہو گئے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا خلیفہ اور صاحب اخبار الاخیار نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے۔

ایک دفعہ عالم جذب و سرمستی میں آپ کی مونچھیں حدود شرعی سے بڑھ گئیں، مولانا ضیاء الدین سنامیؒ آپ کے ہمعصر تھے، اور اتباع شریعت کا ان کو بے حد خیال تھا، انھوں نے شیخ بوعلی کی ڈاڑھی کو پکڑ کر مونچھوں کو شریعت کے مطابق کاٹ دیا، مولانا ضیاء الدین سنامی کے تشریف لے جانے کے بعد شیخ بوعلی اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر بار بار کہتے تھے کہ یہ ڈاڑھی بھی کتنی مبارک ڈاڑھی ہے جو شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی، سلطان جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی آپ سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتے تھے، ۱۳ر رمضان ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء کو حضرت شیخ بوعلی قلندر واصل الی اللہ ہوئے، پانی پت میں آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے حضرت بوعلی قلندر کی تصانیف میں (۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار (۴) رسالہ عشقیہ مشہور ہیں۔
(بزم صوفیاء بحوالہ سیر الاقطاب ص ۲۳۵ / ۲۶۰)

مجھے حضرت شیخ بو علی قلندر کے قدموں میں ڈال دیا، اور کہا کہ یہ میرا پیرزادہ ہے، اور میں اسی گھرانے سے دولتِ باطنی سے مشرف اور خوش وقت ہوا ہوں، اس کے بعد وہ شخص اور شیخ بو علی قلندر میری نظروں سے غائب ہو گئے، میں فاتحہ پڑھ کر روضۂ مبارک سے لوٹ آیا، اس واقعہ کے سات سال بعد میں نے پھر اُس شخص کو اُسی نورانی شکل و صورت کے ساتھ کرنال میں دیکھا، وہ واقعہ مجھے یاد آیا، اور میں نے فوراً اس کو پہچان لیا، یہ حضرت شیخ المشائخ قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی حنفی تھے۔[1]

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ مقدمہ مولانا مشتاق احمد انبہٹوی ص۶

تیرھواں باب

شطحیات

اس باب کو شروع کرنے سے قبل میں اپنے محترم اور فاضل دوست مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی جو مولانا رشید احمد گنگوہی محدث علیہ الرحمہ کے پوتے ہیں، اور خود بھی صاحبِ علم و فضل ہیں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جب میں نے اُن کو اس کتاب کے سلسلے میں بعض ضروری مواد کی کے لئے لکھا تو اُنہوں نے نہ صرف اس مواد کی فراہمی کے لئے سعیِ بلیغ فرمائی، بلکہ اس کتاب کی تالیف کے لئے اپنے بعض ضروری مفید اور گراں قدر مشوروں سے بھی مجھے ممنون فرمایا، چونکہ اُن کے مشوروں کا تعلق زیادہ تر شطحیات اور وحدت الوجود سے ہے، اس لئے میں اُن کے خط کو بجنسہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ ان کے بعض خیالات سے اختلاف کے باوجود اُن کی افادیت

سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے مجھے اپنے ایک گرامی نامے میں لکھا:-

ایک بات عرض کرنا اپنی مشرقی ثقافتِ فکر کے لحاظ سے ضروری ہے، میری آپ کی ثقافت مشترک اور مکتبۂ فکر متحد ہے، مگر بعض جہات و شئونِ فکر، تجربات و مشاہدات اور فضاؤ ماحول کے اختلاف کے سبب متاثر ہو سکتے ہیں، بہرحال آپ کی پیرزادگیت (معافی چاہتے ہوئے ذرا بےتکلفی کے انداز میں) اور دکن میں عمر کا ایک معتد بہ حصہ گزارنا ایسی چیز نہیں کہ اُس سے صرفِ نظر کی جا سکے حالات سے جس طرح تعصب پیدا ہو سکتا ہے، نا اہن کبھی ممکن ہے، یہ ایک مشورہ ہے، گو بغیر استشارہ کے ہے، آپ محسوس نہ فرماویں۔

تصوف فقہ باطن اور تزکیۂ نفس و اخلاق ہے، ولی اللّٰھی اصطلاح متعینہ کے مطابق عدالت، طہارت، اخبارات اور خشوع سے تزئین و تہذیب بالفاظِ دیگر سیر الی اللہ اور فی اللہ ہے، جس میں راہِ پرخطر اور احوال پُرآشوب ہیں، نفسیاتی مدوجزر اور طبعی انفعالات پھر اُن کے الوان و کوائف سب بےشمار

بعض دفعہ مقام تو رفیع ہوتا ہے، مگر اس کے حال و آثار غیر وقیع، کبھی بالعکس، بحالتِ نزول عروج کی حکایت ہوتی ہے، مگر وفورِ حیرت کے سبب تعبیر و ادا ناقص و ناتمام ہو کر مضمون کو منکر و موحش بنا دیتی ہے، گاہ بحالتِ عروج بیان و اظہار مدارکِ عامہ سے بلند ہونے کے سبب لغوِ محض سمجھا جاتا ہے، حالانکہ وہ مغز تمام سراپا معانی ہوتا ہے، شہودِ مایجل عن العلوم العادیۃ انما ھو التجرد الصرف، کبھی ظہور کیف ہوتا ہے، معانی مقصود سے معرّا، اصلاحِ صوفیاء میں کسی کو شطحیات، کسی کو ہفوات کہا جاتا ہے، "انا الحق"، یہ وحدت الوجود، یہ غایۃ الوصلۃ، یہ مسائلِ اتحاد اپنی جگہ صحیح اور مطابقِ واقع ہیں، مگر سرامر واقعی نہ قابلِ بیان ہے، نہ اُس کا اظہار کما ہو ممکن، انفرادی احوال خلوت ہیں، اجتماعی مقام جلوت نہیں، حال واقعی ہے، مگر ہے ناقص "جعل اللسان علی الفواد دلیلا" بے شک ہے، مگر ضروری نہیں کہ دلالت و ادا مکمل اور تعبیر وافی ہو، نقص تعبیر و ادا مخاطب کے لئے بعض دفعہ تو فتنہ انگیز ہو جاتا ہے، ارباب کشف و ابصار اپنے حال میں مجبور ہوتے ہیں، مگر ارباب فہم و

استدلال اپنے منصب پر مامور ہے

مولوی ہرگز نہ چھوڑیں گے خدا گو بخش دے
گھیر ہی لیں گے پولس والے سزا ہو یا نہ ہو

بایں حالات اس منصورانہ فکر و ذہنیت کا کسی بزرگ کے لئے محلِ کمال و مدح میں مناسب نہیں معلوم ہوتا، لطائف قدوسی میں حضرت شیخ سے صاحبزادوں کی بحث و مجادلہ اس موضوع پر نظر سے گذری ہوگی، ہم لوگ بربنا حسنِ ظن و عقیدتِ کمالِ واقعی ایسے اکابر بلند احوال حضرات کی بارگاہ میں معذوری کا لیسنس پیش کرتے ہیں، دوسرے لوگ ایسا نہیں کر سکتے، یہ مسئلہ اپنی ہیئتِ متعارفہ کے اعتبار سے "خیر القرون" میں نہیں اٹھنا چاہئے، مسئلے کا منشا سالک کا محض ایک انفعال ہے، ہم آہنگی سکر کے ساتھ، نہ صحت حواس کے ساتھ، صحو کے ساتھ ہو تو حدودِ قانونی باقی رہتی ہیں، جیسا کہ یہی حضرات جب صحو کی حالت میں ہوتے ہیں تو "فالرب ربٌ" والعبد عبدٌ و شتان "ما بینھما" یہی فرماتے ہیں، ذرا سکر آیا، حدود کا اضمحلال ہوا، محو کا حصار ٹوٹا، اور پکار اٹھے ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ
پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

یا سہ عشق را از سر بہ منظوری و وجہ ناظری
گاہ وامق خواندہ نامش گاہ عذرا کردہ

ارباب عقل و استدلال اور حامیانِ نظم و آئین، محافظین شرع و قانون اس پر برہم ہو جاتے ہیں اور نہیں رعایت کرنا چاہتے، باوجود یہ جانتے کہ یہ اُن کا حال ہے سہ

قوم اذا ھجروا من بعد ما وصلوا
ماتوا وان عاد وصلٌ بعدہ بعثوا
تری المحبین مرعی فی دیارھم
کفتیۃ الکھف لا ید رون ما لبثوا

اور باوجود اس احساس کے اُن کا لون اور ٹون ہے سہ

اقتلونی یا ثقاتی	ان فی موتی حیاتی
وحیاتی فی مماتی	ومماتی فی حیاتی
والذی حی قدیم	غیر مفقود الصفات
وانا منہ رضیع	فی حجور المرضعات

یہ حضرات کہتے ہی رہتے ہیں سہ

ارباب جنوں کی باتوں پر کیوں اہلِ خرد ہنستے ہیں نظر
ساحل ہی پہ رہنے والوں کو اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

یہ ان حضرات کا طوفانی دور ہوتا ہے، اس میں حقائق عقائد، اقدار، دلائل سب سے نظر مرتفع ہو جاتی ہے، اور

برہان، وجدان علوم سب کے حدود سے نکل کر کیفِ حظوظ ولذّات میں ایسا استغراق ہوتا ہے کہ

لکل امریٔ شعب من القلب فارغ
وموضع نجوی لایرام اطلاعها

کے مطابق خود بھی موضع نجویٰ، اس کی اطلاع، اور اُس کے تعیّنات وتنزلات کا شعور نہیں رہتا۔ ع

یا طیب من یلقی من اللّذات

بہر حال مقصد یہ ہے کہ بات تو واقعی ہے مگر اظہار وتعبیر ناقص، حال ہے مقام نہیں، منصورانہ "انا الحق" تاریخ تصوف کا ایک وحشتناک اور تاریک باب بن گیا ہے، کم فہموں نے اس کو کمال سمجھا، ظاہر پر محمول کیا، اور حقیقتِ حال کی توجیہ نہ کر سکے، کسی نے گستاخانہ تنقید سے تخفیف کی، اربابِ فہم نے حقیقتِ حال سمجھ کر مقام سے جدا رکھا اور معذور سمجھا اگر کمال یا مقام ہوتا تو معیاری حضرات، انبیاء اور صحابہ بھی انا الحق پکارتے، وحدت الوجود کا عنوان صراحۃ النصوص اور دلالۃ النصوص سے ثابت ہوتا، بلکہ یہ اصطلاحی "وحدۃ"، اور نفیِ کثرت کتاب و سُنت کا روشن باب ہوتا، حالانکہ یہ محض اشارۃ النص اور کنایۃ کی موہوم سی چیز ہے باصطلاح خصوصی اور

بمعنی خاص سے

جائے معاد و مبدأ ما وحدت ست و بس

ماں درمیانِ کثرتِ موہوم والسلام

کثرت کو اگر موہوم حقیقی مان لیں تو تشریعاتِ سائرہ اوامر و نواہی سب ہی ختم ہو جائیں۔

میری حقیر رائے ہے کہ حضرت الشیخ کی سوانح میں ایسی چیزیں نہ لائی جائیں کہ لوگ نہ توجیہ کر سکیں گے، نہ جو چیز جس درجہ کی ہے اُس درجہ و مقام پر محصور رکھ سکیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ سادہ لوح عقیدت مند یا اس کو کمال و مقام سمجھنے کے فتنے میں مبتلا ہوں گے، یا نقص و زوال سمجھ کر شیخ رح کے علوِ مقام کی تخفیف کے مظلمہ کا شکار ہوں گے، اول ضلال عدول عن الطریق ہوگا، ثانی ظلم یعنی وضع الشیٔ فی غیر محلہ ہے، جو اصل توجیہ اور نقطۂ وسط و اعتدال ہے، اس پر قائم نہ رہیں گے، اور توجیہ کے ساتھ اگر کچھ لکھا جائے گا تو توجیہ کی زبان خاص اور علمی ہوگی، عوام کے مدارک اُس کی گرفت نہ کر سکیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے کہ مغلوب الحال عشاق کی شطحیات لپیٹ کر رکھ دینے کی چیزیں ہیں،

نہ صحافت و خطابت اور مجالس و منابر پر لانے کی، خلوت کو جلوت کرنا صحیح نہیں، اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

چڑھے جو دار پہ منصور راہ تھی ہی غلط
خدا بنے تھے تو چھپنا ہی اُن کو لازم تھا

اس لئے کہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، حیٌّ ستیرٌ، ایسی کہ ؎

بے حجابی یہ کہ ہر ذرّے سے جلوہ آشکار
اُس پہ طرّہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

مستور کی عریانی .... حجابِ عظمت و کبریائی سے ہے، آخرت میں بھی رہے گا (حدیث)

یہ مسئلہ اس عنوان کے ساتھ سب سے پہلے شیخ اکبر ابنِ عربی کی زبان و قلم پر آیا، مگر اس احتیاط سے آیا کہ ایک طرف تو بخیالِ عوام دفع استدراک کرتے ہوئے فرمایا:- "فالرّبُّ ربٌّ والعبدُ عبدٌ وشتّان ما بینھما" دوسری طرف مثال سے واضح فرمایا "اما غایۃ الوصلۃ فھی ان یکون الشیٔ عین ماظھر کما رایت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المنام وقد عانق محمد ابن حزم الظاھری المحدّث، فغاب الواحد فی الآخر ولم نر الا واحداً وھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فھذہ غایۃ الوصلۃ

وھو المعبر عنہ بالاتحاد"۔ مگر بعد میں صوفیاء کے
یہاں اس پر ایسا کلام ہوا کہ یہ حضرات تو دل کی لگی
اور سوختہ سامانی میں سب کچھ کہتے رہے، اور نا فہم مرادِ
متکلم سے ناآشنا صاحبِ حجاب مفتوں ہوتے رہے۔
یہ اپنی ایک حقیر رائے ہے جو عرض کی، دیر کے بعد
ملاقات، اور ایک ذی علم صاحبِ تصنیف سے، اس
لئے ذرا بیان و تحریر میں طوالت آگئی۔ اہلِ علم سے
مخاطبت ویسے بھی کیف آگیں ہے، ایک خاص علمی
مسئلے پر جو گہری پہنائی رکھنے والا ہے ؎

کیا علم کی لذت سے بھی بڑھ کر ہے کوئی چیز
یہ حال تو بس محفلِ حیرت میں کھلے گا

اس لئے آپ کا زیادہ وقت اس تحریر میں لے گیا،
دعا کی درخواست ہے۔ والسلام۔

مولانا عبدالرشید محمود کے اس پُرمغز مکتوب کے نقل کرنے
کے بعد، ہم اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ الفاظ جو
صوفیائے کرام کی زبان سے عالمِ سکر و مستی میں نکلتے ہیں اُن کو اصطلاحِ
تصوف میں شطحیات کہتے ہیں۔ اکابرِ صوفیا کے شطحیات مشہور ہیں۔
یہ شطحیات عوام اور اہلِ ظاہر کے لئے ناقابلِ فہم، اور اُن کے ظاہری
معنی پر بعض اوقات عمل کرنا موجبِ گمراہی ہوتا ہے، یہ حقیقت میں

شطحیات صوفیہ کے رموز و کنائے ہیں، جس سے ان کے صحیح مفہوم کو متعین کرنا صرف اہل بصیرت کا کام ہے، لیکن ان شطحیات سے کسی بزرگ اور اہل نظر سے سوءِ ظن اختیار کرنا یہ بھی صحیح نہیں۔

حضرت شیخ چونکہ اکثر سکر و مستی کی کیفیت طاری رہتی، اس عالم سکر و مستی میں بعض کلمات آپ کی زبان مبارک سے ایسے نکلے ہیں جنھیں حضرت شیخ کی شطحیات کہا جا سکتا ہے بحیثیت ایک تذکرہ نگار کے آپ کی سیرت کے اس پہلو کو پیش کرنا بھی ہمارا فرض قرار پاتا ہے لیکن ان شطحیات کو آپ کی تاریخ و تذکرے کے جزو ہونے کی حیثیت سے پڑھنا چاہئے۔ یہ وجدانی کیفیتیں جو آپ کے الفاظ میں ڈھل گئی ہیں، انھیں شریعت و احکام کا درجہ دینا، یا اُن سے عقاید و اعمال کا استنباط کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

لطائف قدوسی میں شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب حضرت شیخ پر حالتِ سماع میں وجد کی کیفیت پیدا ہوتی تو عالم ہی دوسرا ہوتا تھا، آپ کی اس وقت کی کیفیات کا ادراک محالات میں سے تھا، الفاظ اُس کیفیت کے ادا کرنے کے متحمل نہیں، جنھوں نے آپ کی اس حالت کو دیکھا ہے وہی کچھ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں، کبھی کبھی عالمِ سرمستی میں آپ کی زبان سے کلماتِ شطحیات نکلتے تھے، ایک دفعہ عالمِ سرمستی میں فرمایا "تو آنم کہ عرش را بر فرش زنم" اکثر وجد کی حالت میں آپ یہ الفاظ فرماتے تھے کہ "خیمہ خود را در بہشت برم"

ایک دن عالم کیف میں فرمایا کہ "چترِ شاہی بر سرِ طفلانِ ماست" اسی طرح ایک روز عالمِ مستی میں فرمایا: "یاران پردہ نماند جبرئیل می گوید فرمان می شود کہ مغفور ست الحمد للہ علیٰ ذٰلک" ایک روز حالت سماع و وجد میں فرمایا کہ "وقتے کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام با حضرت حق سبحانہٗ وتعالےٰ تکلم کردہ بود ما نیز حاضر بودیم" ایک روز برخوردار مطرب ملتانی نے ایسے سوز و گداز سے گایا کہ حضرت شیخ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی حالت میں آپ نے اُس سے فرمایا "واللہ ترا عرش دادیم وکرسی دادیم وبہشت دادیم" ایک روز میرے بھائی شیخ علی نے کوئی چیز پڑھی، آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی عالم سرمستی میں شیخ علی سے فرمایا کہ یہاں آؤ، جب وہ قریب ہوئے تو اُنھیں بغل میں لے کر فرمایا "شاہ شاہانی" [۱]

منصور کے متعلق اظہار خیال

شیخ رکن الدین کی روایت ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں جو ہمارے حوالے تھی، ایک جمعہ کو خطیب حاضر نہ تھا، میں نے خطبہ پڑھا۔ اُس وقت حضرت شیخ بھی موجود تھے۔ یہ خطبہ حضرت شیخ کی تصنیف تھا، جب میں اِس خطبہ کو پڑھ رہا تھا تو مجھ پر رقت طاری ہوئی، اور حضرت شیخ پر بھی ایک عجیب کیفیت طاری تھی آپ نے اُسی حالت میں ایک دردناک نعرہ لگایا، نماز جمعہ اور

---

[۱] لطائف قدوسی ص۴۵ لطیفہ ۶۴۔

سنتیں اُسی سکر کی حالت میں جلدی سے ادا کیں، اور مسجد سے باہر تشریف لے آئے۔ اس موقع پر شیخ احمد بی بی اولیاء کے نولسے بھی موجود تھے، اُن کے ساتھ دو قوّال تھے، آپ نے ان کو اپنے سینے سے لگایا، اور شورش و سرمستی میں بعض عجیب باتیں آپ کی زبان سے نکلیں، اُس وقت اُن دو قوالوں نے گانا شروع کیا، ایک عجیب حالت پیدا ہو گئی۔ حضرت شیخ اسی مستی و مدہوشی کی کیفیت میں حضرت شیخ قطب عالم خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک کی طرف روانہ ہوئے، اسی سماع اور رقص کی کیفیت میں اس میدان کے قریب پہنچے کہ جس کے متصل سرائے شیخ عبد الصمد جون پوری واقع ہے۔ وہاں لوگوں کا بے حد ہجوم ہو گیا، یہاں تک کہ شیخ عبد الصمد جون پوری بھی اس شور و ہنگامے کو سُن کر اپنے گھر سے باہر نکل آئے۔ اور وہ حضرت شیخ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی خانقاہ میں لے گئے، وہاں بہت سے قوّال آ گئے؛ اور سماع شروع ہوا جس نے ذوق و شوق میں اور بھی اضافہ کر دیا، یہ مجلس عشا تک قائم رہی، اسی مستی کے عالم میں حضرت شیخ نے نعرہ لگایا کہ نادانوں نے منصور[1] حلّاج کو سولی پر چڑھا اور مار ڈالا، اگر میں اُس وقت وہاں موجود ہوتا تو

---

[1] ابوالمغیث حسن حلاج بن محمد البیضاوی ۲۴۴ھ کے قریب بیضا (فارس) کے نواح طور میں پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابوالمغیث تھی، اور اُن پر سکر کی کیفیت غالب تھی، حلّاج اُن کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ

اُس کو ہرگز نہ قتل ہونے دینا، شیخ عبدالصمد نے کہا، اے شیخ! کہا

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ لہ صفحہ گذشتہ) ایک دن وہ اپنے دوست حلاج (دُھنیے) کی دوکان پر تشریف لے گئے، اُس کو کسی کام سے بھیجا، اور روئی کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے رہے، روئی ایک طرف اور بنولے ایک طرف ہوتے رہے، اُس وقت سے وہ حلّاج کہلائے، اُنھوں نے مقتدر کے زمانے میں انا الحق کا نعرہ لگایا اور منگل کے روز ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ کو بغداد کے محلّہ باب الطاق میں سولی پر چڑھائے گئے، سولی کے بعد اُن کے جسم کو آگ میں جلایا گیا، سفینۃ الاولیاء میں ان کے قتل کی تاریخ ۲۵ ذی الحجہ اور نفحات الانس میں ۲۴ ذی قعدہ مندرج ہے، مخبر الواصلین میں اُن کی تاریخ وفات پر ایک قطعہ مذکور ہے، جس میں اس شعر میں ان کی تاریخ وفات نکالی گئی ہے ؎

سال تاریخ قتلِ آں مغفور　　گشت "مقبول پاک حق" مشہور

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ منصور نے ستانوے سال کی عمر پائی ۳۰۹ھ۔

منصور کے متعلق مشائخ میں اختلاف ہے، شیخ عمرو بن عثمان مکّی، ابو یعقوب اور علی بن سہیل اصفہانی جیسے متقدمین صوفیا نے اُن کا انکار کیا ہے، اور اُن کو مجہول قرار دیا ہے، شیخ ابو بکر شبلی، ابو العباس بن عطا، شیخ عبداللہ خفیف، شیخ ابو القاسم نصیر آبادی، شیخ ابو سعید ابو الخیر، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری، شیخ ابو القاسم گرگانی اور پیر علی ہجویری صاحب کشف المحجوب اور متاخرین مشائخ اُن کے معتقد ہیں، اور اُن کو بزرگ مانتے ہیں، ان بزرگوں کا کہنا ہے کہ معاملہ کا مہجور، مجہول نہیں ہوتا، منصور کو جو کچھ

جاتا ہے کہ امام ابو یوسف[۵۲] نے مجتہد وقت تھے انھوں نے اس کے سولی پر چڑھانے کا حکم دیا تھا، حضرت شیخ نے فرمایا ہیں ان کو

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ) جھیلنا پڑا وہ غلبۂ شوق، جذبۂ عشق اور مراتب و مدارج کو ضبط نہ کرنے کی وجہ سے تھا، وہ عالم بےخودی اور فرطِ عشق میں "اناالحق" کہہ بیٹھے۔ صاحبِ کشف المحجوب کا بیان ہے کہ میں نے منصور کی پچاس تصانیف بغداد اور اس کے نواح خوزستان، فارس اور خراسان میں دیکھیں۔

(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء۔ مصنفہ داراشکوہ قادری تذکرہ منصور حلاج، و فٹ نوٹ مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی ص ۲۳۲-۲۳۳ وکشف المحجوب ص ۱۲۷)

۵۲ امام ابو یوسف کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم تھا، کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ ۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے، امام ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، عباسی بادشاہوں میں مہدی نے آپ کو ۱۵۹ھ میں بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا، مہدی کی وفات کے بعد ۱۶۹ھ میں بھی آپ ہادی کے عہد خلافت میں بھی قاضی رہے، پھر ہارون الرشید نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں ابتداءً آپ کو قضاوت پر بحال رکھا اور بعد میں آپ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر ترقی دی، ۲۷ رجب ۱۸۲ھ کو ستر سال کی عمر میں حضرت امام ابو یوسف نے وفات پائی، آپ کی قبر بغداد میں ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حسب ذیل قطعہ میں آپ کی تاریخ ولادت و تاریخ وفات نکالی ہے۔

یہی کہتا ہوں، پھر شیخ عبد الصمد نے کہا کہ اے شیخ! جب منصور کو دار پر چڑھایا گیا تو بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کا ہر قطرۂ خون جو زمین پر گرتا تھا، اُس سے اللہ منقوش ہو جاتا تھا، یہ دیکھ کر لوگوں نے بطریقِ ملامت حضرت امام ابو یوسف سے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے ایسے شخص کو قتل کرا دیا، امام ابو یوسف نے یہ سُن کر دوات کو جو اُن کے سامنے رکھی ہوئی تھی زمین پر اُلٹ دیا، اس سیاہی کا جو قطرہ زمین پر گرا اُس سے بھی ہر جگہ اللہ منقوش ہو گیا، حضرت امام ابو یوسف نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کے بعد تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میں حق پر ہوں۔ حضرت شیخ پر شیخ عبد الصمد کی اس گفتگو نے جوش و سرمستی کی مزید کیفیت طاری کر دی، آپ نے فرمایا، سبحان اللہ عجیب بات ہے دوات کی سیاہی کو اس کی دلیل بنایا جاتا ہے کہ منصور کو

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

آں امامِ خلق و مقبولِ آلہ

ہست یوسف زبدۂ اہلِ یقیں

ماہ دیں گو "قطب" خواں تولیدِ او

سال ترحیلش "امامِ اہلِ دیں"

۱۸۲ھ

ماخوذ از امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ مؤلفہ مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۱۳۹ و سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت امام ابو یوسف و خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۷۴

نہ قتل کیا جاتا، کیونکہ جب سپاہی جو جہاد میں سب سے ہے حق کی خبر دیتا ہے تو انسان جو خلاصۂ موجودات ہے، جب وہ خبر حق دیتا ہے تو وہ کیوں دار کا مستحق قرار پاتا ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے شیخ عبدالصمد کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسف نے منصور کے قتل کا حکم دیا تھا صحیح نہیں کیونکہ امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کے زمانے میں ۱۸۲ھ میں وفات اور منصور ۳۰۹ھ میں دار پر چڑھائے گئے۔

نبوت اور ولایت کے فرق کی توضیح میں حضرت شیخ کا ایک خاص قول

لطائف قدوسی میں ہے کہ ایک دفعہ میر یونس علی بیگ حضرت شیخ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ پر سرمستی کی کیفیت طاری ہے، اس حالت کو دیکھ کر انھوں نے حضرت شیخ سے ساز کے بجانے کی اجازت طلب کی، ساز کا بجنا تھا کہ حضرت شیخ پر محویت اور بے خودی کی کیفیت اس درجہ طاری ہوئی کہ آپ کو کسی چیز کا شعور نہ رہا، اس وقت شیخ فرید دانش مند تھانیسری بھی حاضر تھے، اسی عالم سرمستی میں حضرت شیخ کی زبان سے کچھ کلمات شطحیات نکلے۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

محمدؐ مصطفیٰ در نقاب قوسین اوادنی رفت و باز گردید،

واللہ ما باز نہ گردیم "

پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد اسی حالت میں اپنے اس قول کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عہدہ دار ولنگر دار تھے، اس لئے آپ واپس تشریف لے آئے۔ اور ہم جان باختہ وجہاں تاختہ کیسے لوٹ سکتے تھے، شیخ کا اشارہ عہدہ داری ولنگرداری سے عہدۂ نبوت ومقام رسالت کی طرف تھا، اور لنگر سے مراد آپ کی وہ دعوتِ عامہ تھی جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا، پھر آپ نے اسی کیف وسرمستی کے عالم میں فرمایا کہ خدا ہی جانتا ہے ہم کہاں ہیں، پھر آپ نے بعض اسی قسم کے اور کلمے بھی فرمائے [۱]

علّامہ اقبال کا حضرت شیخ کے قول پر تبصرہ

معراج نبوی کے متعلق حضرت شیخ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے خطبات میں تحریر فرمایا ہے کہ " یہ ایک بہت بڑے صوفی مسلمان ولی اللہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، صوفیانہ ادب

(فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ سلہ) لطائف قدوسی ص ۴۸ - ۴۹ لطیفہ ۶۵

[۱] لطائف قدوسی ص ۶۴ تا ۶۵ لطیفہ ۸۷

کے سارے سرمائے میں شاید ہی کوئی اور ایسی مثال مل سکے، جہاں ایک مختصر سے جملے میں نبی اور ولی کے نفسیاتی فرق کو اس درجہ صاف اور واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہو" [۱]

شطحیات کے متعلق حضرت شیخ کی رائے

شطحیات کے متعلق حضرت شیخ نے اپنے ایک مکتوب میں جو آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ حمید الدین کے نام لکھا ہے، اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا۔

و بعضے از اہلِ ظاہر	اور بعض اہلِ ظاہر
شطحیات گویند، بداں	شطحیات کہتے ہیں،
معنی کہ خلاف ظاہر ست،	جیسا کہ لیس فی الدارین
چنانچہ لیس فی الدارین	غیر اللہ (نہیں ہے
غیر اللہ و انا الحق	دارین میں سوائے
و سبحانی ردِّ آں جائز	اللہ کے) وانا الحق و
نیست کہ اقوالِ اہلِ حق	سبحانی ان کا رد کرنا
و اہلِ سنت و جماعت اند،	جائز نہیں، کیونکہ یہ

---

[۱] اسلام میں مذہبی افکار کی تجدید۔ ڈاکٹر اقبال، کے چھ خطبات۔

و قبول آں لازم نیست
کہ معصوم نیند، روا
باشد کہ لغزیدہ باشند،
انبیاء معصوم اند اقوالِ
ایشاں را شطحیات نگویند
و مجمل و متشابہ خوانند[1]

اقوال اہلِ حق اور اہلِ
سنّت والجماعت کے
ہیں اور ان کا قبول کرنا
بھی لازم نہیں کہ اِن
کے کہنے والے معصوم
نہیں ممکن ہے کہ اُن
سے ان اقوال میں لغزش
ہوئی ہو، انبیاء علیہم السلام
معصوم ہیں اُن کے
اقوال کو شطحیات نہیں
کہتے بلکہ اُن کو (اصطلاح
میں) مجمل و متشابہ
کہتے ہیں۔

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب چہل و پنجم بنام شیخ حمید۔

چودھواں باب

مجاذیب سے ملاقاتیں

قیامِ ردولی اور اس کے بعد بھی حضرت شیخ کی ملاقاتیں بہت سے مجذوبوں اور قلندروں سے رہی ہیں، ان مجاذیب نے آپ کو مختلف بشارتیں دی ہیں، اور آپ نے بھی ان کو بعض نصیحتیں فرمائی

ملک یونس دیوانہ

قصبۂ ردولی میں جہاں بہت سے علماء و فضلاء جمع تھے، وہیں چند مجاذیب صاحبِ کرامات بھی تھے، جو حضرت شیخ سے نہایت التفات کے ساتھ پیش آتے، اور آپ کو مختلف بشارتیں دیتے تھے۔ انھیں میں سے ملک یونس دیوانہ بھی تھے، جو سڑکوں پر برہنہ پھرا کرتے تھے، صاحبِ کرامات تھے، جب

حضرت شیخ کو دیکھتے، یا زاہد یا زاہد کہہ کر پکارتے اور حضرت شیخ سے مخاطب ہو کر کہتے، اِس قدر مصلّٰی بلند کرو جیسا کہ سلطان ابراہیم ادہم[1] نے بلند کیا تھا۔

ملک یونس دیوانہ کا ایک سوال

ایک دن ملک یونس دیوانہ نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ اگر خدائے تعالےٰ دوزخ و جنت کو نہ پیدا کرتا تو شاید لوگ حق تعالےٰ کو نہ پوجتے، آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ متصف صفاتِ کمالیہ سے ہے، اور ہم اس کے بندے ہیں، اور بندوں کے لئے ہر حال میں مولیٰ تعالیٰ

---

[1] حضرت ابراہیم بن ادہم بن منصور بن یزید بن جابر ابو اسحاق تمیمی عجلی، مشہور اولیاء میں سے تھے اور بلخ کے رہنے والے تھے، وہ تصوف میں سلسلۂ ادہمی کے موسس و بانی ہیں۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ شام میں گزرا، مشہور ہے کہ وہ بلخ کے شہزادے تھے، اور انھوں نے ترک دنیا کر کے درویشی اختیار کی تھی اور مسلکِ فقر و خدا پرستی میں مراتبِ اعلیٰ پر فائز تھے، حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ انھوں نے ۱۶۰ھ اور ۱۶۲ھ کے درمیان ایک بحری جنگ میں یونانیوں کے ہاتھ سے شہید ہو کر وفات پائی، اور اغانی کی روایت کے مطابق جزیرۃ الغربی (دجلہ) میں مدفون ہوئے۔ (فٹ نوٹ، مقالات الشعراء ص ۲۱۶ و ۲۱۷)۔

کی عبادت اور بندگی لازم ہے، رہی دوزخ و جنّت، سو بہشت خدا کے فضل اور دوزخ اس کے انصاف پر موقوف ہے، اگر اس کا فضل ہو تو بندے کو جنّت میں لے جائے گا، اور اگر عدل پر آئے تو دوزخ میں لے جائے گا۔ یونس مجذوب آپ کی یہ بات سُن کر روانہ ہو گیا۔[۱]

میاں تاجن دیوانہ ردولی میں ایک اور مجذوب میاں تاجن تھے، یہ جب حضرت شیخ سے تنہائی میں ملاقات کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ بالکل صاحبِ ہوش ہیں، اُس وقت کوئی آثار جذب اور دیوانگی اُن میں نہ پائے جاتے تھے، لیکن جیسے ہی کوئی دوسرا آجاتا، تو اُن پر جذب و دیوانگی کی کیفیت طاری ہوتی اور دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگتے۔

ایک دن حضرت شیخ نے اُن سے پوچھا کہ آپ پر یہ کیفیت کیسے طاری ہوئی، تاجن نے جواب دیا کہ ایک رات میری ملاقات خواجہ خضر علیہ السلام سے ہوئی، حضرت خضر نے مجھ سے فرمایا کہ دریائے عشق جوش مارنا چاہتا ہے، اس وقت سے میری یہ حالت ہوئی ہے کبھی کبھی میاں تاجن حضرت شیخ کے سامنے جُھک کر ہندی کا یہ فقرہ کہتے "ہونکھوری تیری"۔[۲]

---

[۱] لطائف قدوسی ص۸ لطیفہ ۹

[۲] " " ص۹ لطیفہ ۱۰

بھیکا مجذوب ردولی میں ایک دوسرے مجذوب بھیکا نامی، تھے، حضرت شیخ اور ایک اور صوفی اُن کے پاس آنے جاتے تھے، اُنھوں نے حضرت شیخ کو اہلِ کمال ہونے کی بشارت دی، اور حضرت شیخ پر نہایت شفقت کرتے تھے، ایک دن دوسرے صوفی سے کسی بات پر خفا ہو گئے، اُن کو ڈانٹا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بھیکا کی بشارت کے مطابق حضرت شیخ قبولیت اور کمال کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے، اور وہ صوفی جن پر اُن کا عتاب تھا، راہِ تصوف کو چھوڑ کر پیادوں میں بھرتی ہوئے اور اس کوچے سے بالکل نابلد ہو گئے۔ [1]

شیخ ابراہیم مجذوب ایک دفعہ حضرت شیخ مخدوم العالم حضرت بابا فرید گنج شکر، اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی زیارت کے لئے ملتان تشریف لے گئے، جب آپ پرگنہ دیبال پور میں پہنچے تو وہاں شیخ ابراہیم نامی ایک مجذوب رہتے تھے، جو صاحبِ خرق عادات و کرامات تھے، اور علماءِ ظاہر ظاہر کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، اُن کی سختی اور دہشت کی وجہ سے علماء اُن کے پاس نہ جاتے تھے، جب حضرت شیخ اُن کے پاس پہنچے تو وہ آپ کے استقبال کے لئے آئے، اور حضرت شیخ کے قدموں میں گر پڑے، حضرت اُن کو قدموں سے اُٹھاتے تھے،

---

[1] لطائف قدوسی ص۹ لطیفہ ۱۱

لیکن وہ نہیں اُٹھتے تھے، حضرت شیخ بار بار فرماتے تھے، استغفر اللہ، استغفر اللہ،
اور وہ مجذوب بار بار کہتے تھے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ حق یہی ہے، آخر حضرت
شیخ نے اُن کو زبردستی بغل میں دبا کر قدموں سے اُٹھایا، جب آپ شیخ ابراہیم
مجذوب سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن سے دُعا کی درخواست کی،
ابراہیم مجذوب نے کہا کہ اے شیخ خدا خوب جانتا ہے کہ میں خود محتاجِ دعا ہوں[1]۔

شیخ حسین سرہرپوری قلندر

آپ کے زمانے میں شیخ حسین سرہرپوری[2] ایک
ایک قلندر تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ اُن کی ملاقات کے لئے
گئے۔ ظہر کا وقت تھا۔ لیکن شیخ حسین نے نماز نہیں پڑھی، پھر شیخ
حسین نے حضرت شیخ سے ترکِ نماز کے متعلق اشارتاً معذرت
کرتے ہوئے کہا، اے عزیز! اگر کسی کی آستین ناپاک ہو، جب تک
وہ پاک نہ ہو، اُس کی نماز کیسے درست ہو سکتی ہے، پھر کہنے لگے
کچھ لوگ پہلے بھی ایسے تھے، اور اب بھی اور آیندہ بھی ہوں گے

---

[1] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۳ صفحہ ۳۹

[2] شیخ حسین قلندر سرہرپوری سید نجم الدین کے مرید تھے، سید نجم الدین شیخ
نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ شیخ حسین قلندر جون پور میں مقیم تھے،
اور ممتاز دانشوروں میں سے تھے، ان کا کتب خانہ بھی عظیم الشان تھا،
لیکن مشربِ قلندریہ رکھتے تھے اور بمقدار سترِ عورت لباس پہنتے تھے،
اور ظاہری حیثیت سے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (لطائف قدوسی ص۲۲ لطیفہ ۳)

جو ہمیشہ طہارت میں مشغول رہتے ہیں، جب یہ طہارت سے فارغ ہوں گے تو نماز کی منزل میں آئیں گے، پھر اُنھوں نے کہا کہ تمھیں جاننا چاہیئے کہ طہارت سے میری مُراد طہارتِ حقیقی اور نماز سے میری مُراد حقیقی نماز ہے اور وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر اللہ سے واصل ہو جاتا ہے، اسی منزل کے متعلق کہا گیا ہے۔

الوضوء انفصال	وضوء انفصال غیر اللہ
والصلوٰۃ انصال فمن	اور نماز اتصالِ حق کا نام
لم ینفصل عن الغیر	ہے، پس جو شخص غیر حق سے
لم یتصل بالحق۔	منقطع نہیں ہوا، حق سے کیسے متصل ہو سکتا ہے۔

کچھ دن کے بعد حضرت شیخ نے شیخ حسین کی یہ گفتگو حضرت قطب عالم شیخ فرید مسعود گنج شکر کے نواسے شیخ محمد فخر[1] کے سامنے

---

[1] شیخ محمد فخر الدین بن کبیر الدین جون پوری سہروردیہ سلسلے کے شیوخ میں تھے وہ جون پور میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے عہد کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، پھر دس سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس کے بعد درس و تدریس کو چھوڑ کر زہد و عبادت کی طرف مائل ہو گئے۔ اور پے در پے چلّے کھینچے، یہاں تک کہ اُن پر معرفت کے دروازے کھل گئے، اور بہت سے لوگوں نے فیوضِ باطنی حاصل کیے۔ شیخ فخر الدین نے ۸ شعبان ۹۶۴ھ کو وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ بحوالہ گنج ارشدی ص ۲۵۷)

پیش کی جو اپنے وقت کے بہت بڑے دانشور، صاحبِ باطن، اور شہر جون پور کے لوگوں کے اساتذہ میں تھے، شیخ فخر نے یہ گفتگو سُن کر فرمایا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتے، شیخ حسین بھی راہِ طریقت کے راہی ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ ہم نے راہِ تصوف اختیار کی ہے، اور وہ قلندریہ طریقے پر گامزن ہیں لیکن آدمی بخیل ہیں، ہمیں بلاتے ہیں، جب ہم جاتے ہیں تو اپنے تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیتے۔ لہ

شیخ حسین قلندر سے حضرت شیخ کا ایک استفسار

ابتدائی ریاضتوں اور مجاہدوں کے زمانے میں حضرت شیخ اکثر شیخ حسین سرہرپوری قلندر کی مجلس میں تشریف لے جاتے تھے، لیکن وہ عالمِ مستی میں کسی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اگر کوئی کچھ سوال کرتا تو اُسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹال دیتے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ ایک سوال کی غرض سے اُن کی مجلس میں تشریف لائے، ابھی حضرت شیخ اُن سے سوال بھی کرنے نہ پائے تھے کہ اُنھوں نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ ردولی کے اطراف میں سُرخ خربوزے ہوتے ہیں یا نہیں، شیخ خاموش ہو گئے، اور آپ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد

لہ لطائف قدوسی لطیفہ ۳۱ ص ۲۴

شیخ حسین قلندر نے پوچھا کہ دریائے جمنا کے کنارے سلطان بہلول اور سلطان حسین شرقی میں جو جھڑپیں ہو رہی ہیں، اُس کے متعلق لوگوں کی زبان پر کیا چرچے ہیں، اِس پر حضرت شیخ سے ضبط نہ ہو سکا، آپ نے ذرا سخت لہجے میں فرمایا، اے شیخ جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں وہ اِس قسم کی حکایتیں سُننے کے لئے نہیں آتے، جس شخص کا مقصد یہ حکایات ہوں اُسے بازار جانا چاہیئے، وہاں اُسے اس قسم کی حکایتوں اور خبروں کا بہت مواد مل سکتا ہے، حضرت شیخ کے اس ارشاد پر شیخ حسین ذرا سنبھلے اور نہایت تواضع اور انکسار سے آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، حضرت شیخ نے فرمایا، اس شعر کی وضاحت فرمائیے کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے ؎

آتش بزنم بسوزم ایں مذہب وکیش
عشقت بنہم بجائے مذہب در پیش

شیخ حسین نے یہ شعر سُن کر اہلِ مجلس کی طرف رُخ کر کے ارشاد فرمایا۔ دوستو! اِس قسم کا سوال ہر ایک کا حصّہ نہیں، یہ صرف شیخ عبد القدوس ہی کا حصّہ ہے، جو تجرید و تفرید کے بلند مرتبے پر فائز ہیں اور گُدڑی پہنتے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

کہ یہ شعر عین القضاۃ[1] کا ہے، اور ان کے مکاتیب کے مجموعہ میں چوبیسویں خط میں اُنھوں نے اپنے کلام کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، جسے مَیں نے نہایت احتیاط سے ایک بڑے صندوق میں ایک چھوٹی سی صندوقچی میں محفوظ رکھ چھوڑا ہے، عین القضاۃ نے اس خط میں لکھا ہے کہ میرے شعر سے دو قسم کے معنی سمجھ میں آتے ہیں، ایک تو وہ صحیح معنی ہیں، جو حقیقت میں اس شعر کا مفہوم ہیں لیکن یہ مفہوم صرف وہی اخذ کر سکتے ہیں، جو اپنے وقت کے جنید اور شبلی ہیں، اور ایک معنی غلط ہوتے ہیں جو عموماً علمائِ ظاہر اخذ کرتے ہیں، پس اگر تم چاہو تو میں وہ معنی بیان کردوں جو علمائِ ظاہر بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ میں خود دانشمند نہیں ہوں، اور خود عین القضاۃ نے ان معنی کو کذب سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کذب کو کیا بیان کروں۔ اور چونکہ میں اپنے وقت کا جنید اور شبلی بھی نہیں ہوں اس لئے اس کے صحیح

---

[1] اسم گرامی اور کنیت ابو الفضائل عبداللہ بن محمد المیانجی، اور لقب عین القضات تھا، ہمدان کے رہنے والے تھے، شیخ محمد بن حمویہ اور امام احمد غزالی کی صحبت میں رہے، آپ کی عربی اور فارسی کی تصانیف آپ کے فضل و کمال پر روشن دلیل ہیں۔ آپ نے ۵۳۳ھ میں وفات پائی (سفینۃ الاولیاء)۔

مفہوم کے بیان کرنے سے قاصر ہوں، غرض کہ شیخ حسین قلندر اسی قسم کی باتیں کرتے رہے، اور شعر کا کوئی مفہوم بیان نہ کیا یہاں تک کہ محفل برخاست ہوگئی [۱]

فرقہ قلندریہ اور ملامتیہ کے متعلق شیخ کا ارشاد

شیخ رکن الدین نے ایک مرتبہ حضرت شیخ سے عرض کیا کہ شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف میں ملامتیہ اور قلندر کا تذکرہ کیا ہے، ہمیں ان کے حق میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے؛ فرمایا چونکہ شیخ الشیوخ نے اُن کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے، اس لئے ہمیں ماننا چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے قلندریہ کو دیکھا اور سُنا ہے کہ ترکِ فرائض میں کسی قسم کا باک نہیں کرتے۔ چنانچہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی اور خواجہ کرک کرکی قلندر وغیرہ، اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ شیخ حسین سرہر پوری ثم جونپوری قلندر تارکِ فرائض تھے، باوجود اس کے کہ اُن کا شمار بہت بڑے علما میں تھا، پھر فرمایا کہ میں نے شیخ محمد فخر الدین جون پوری سے کہا کہ شیخ حسین نماز نہیں پڑھتے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے لیکن

---

[۱] ماخوذ از لطائف قدوسی صـ۲۲-۲۳ لطیفہ ۳۰

وہ قلندریہ راستے پر گامزن ہیں اور ہم راہِ تصوف پر عزیزمن!
ظاہری اعتبار سے قلندریہ سے ترکِ فرائض اس وجہ سے
ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اُن کو ایسا روحانی مرتبہ عطا کیا ہے
اور یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ بیک وقت و بیک حال
اسی روح اور جسد کے ساتھ کئی جگہ دکھائی دے سکتے ہیں
پس اس کا امکان ہے کہ ایک جگہ جہاں وہ تارک فرائض دکھائی
دے رہے ہوں، اسی وقت وہ دوسرے مقام پر اس فرض
کو بجا لا رہے ہوں یا دوسری تاویل اس کی یہ ممکن ہے کہ عقل
جس پر شرعی تکلیفات کا دارومدار ہے، اُس میں خلل پیدا
ہو چکا ہے اور وہ معتوہ (دیوانہ) کے حکم میں ہیں اور دیوانہ
و مجنوں پر تکلیفاتِ شرعیہ نہیں، پس وہ شرعی احکام کی
بناء پر مکلّف نہیں [1]

---

[1] لطائف قدوسی ص۲۲ لطیفہ ۲۸

پندرھواں باب

حضرت شیخ عبدالقدوس اور سماع

حضرت شیخ عبدالقدوس کو باوجود غیر معمولی اتباعِ شریعت کے اُس شورش و سرمستی کی کیفیت کی وجہ سے جو ہر وقت آپ پر طاری رہتی تھی سماع سے غیر معمولی شغف تھا، لیکن اس شغف کے باوجود آپ نے کبھی سماع کو شرعی رنگ نہیں دیا، بلکہ جب کبھی یہ مسئلہ ایک شرعی سوال کی صورت میں آپ کے سامنے آیا، آپ نے اپنے عمل پر شریعت کے حکم کو ترجیح دی، اور اپنے آپ کو مجبور معذور ظاہر کر کے ہمیشہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کو سربلند رکھا۔

سماع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق ابتدا ہی سے علماء اور مشائخ میں بڑا اختلاف رہا ہے، بعض مشائخ اس کو روحانی ترقی کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں، بعض علماء نے اس کو

بالصراحت حرام قرار دیا ہے، بعض محتاط بزرگوں نے "نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم" کہہ کر اپنا دامن بچایا ہے۔ بہرحال اس مسئلے کے مختلف پہلو ہیں، جن سے سیر حاصل واقفیت کے لئے امام ابن تیمیہ کا "رسالہ السماع والرقص"، ابن جوزی کی کتاب "تلبیس ابلیس" فخر الدین زرّادی کا رسالہ "اصول السماع" امام غزالی کی کتاب "کیمیائے سعادت" شیخ ہجویری کی کتاب "کشف المحجوب" اور شیخ عبدالحق کا رسالہ "قرع الاسماع باختلافِ اقوال المشائخ و احوالہم فی السماع" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مولانا محمود کاشانی نے مشائخ کے لئے سماع کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ را از کثرت معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے و ملالتے در قلوب و نفوس حادث شود، و قبض و یاسے کہ بموجب فتورِ اعمال و قصورِ احوال بود، طاری گردد و بس مشائخ متاخر از برائے رفع ایں عارضہ، و دفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع اصواتِ طیبہ و الحانِ متناسبہ و اشعار مہیّجہ مشوقہ بر وجہے کہ مشروع بود نمودہ اند۔ [1]

---

[1] مصباح الہدایت ص ۱۸۲

سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ سماع کو روحانی غذا قرار دیتے تھے لیکن اس کے آداب کا بھی سختی سے خیال رکھتے تھے۔ شیخ نظام الدین کا ارشاد تھا کہ سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ اور مباح، اگر صاحبِ وجد کو حق کی طرف زیادہ میلان ہے تو سماع اس کے لئے مباح ہے، اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو سماع اس کے لئے مکروہ ہے، لیکن جس سالک کا دل تمام تر مجاز ہی کی طرف مائل ہو تو اس کے لئے سماع حرام ہے۔ جب سالک کا میلان حق کی طرف بالکل ہو تو سماع اس کے لئے حلال ہے، پھر سماع کے حلال ہونے کے لئے بھی چار شرطیں تھیں۔

(۱) مسمّع (گانے والا) مردِ کامل ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔

(۲) مستمع (سُننے والا) یادِ حق سے غافل نہ ہو۔

(۳) مسموع۔ یعنی جو چیز گائی جائے فحش نہ ہو۔

(۴) آلاتِ سماع یعنی مزامیر موجود نہ ہوں۔

مشائخ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز بھی موجود نہ ہو تو سماع حرام ہے لیکن رفتہ رفتہ سماع کے بارے میں یہ اصول ختم ہوتے گئے، یہاں تک کہ آخری دور میں شاہ کلیم اللہ نے فرمایا کہ:-

امروز قدرِ راگ مشائخ　　　　آج مشائخ راگ کی قدر

نمی شناسند و آداب را رعایت	نہیں پہچانتے اور اُس کے
نمی کنند سلہ	آداب کی رعایت نہیں کرتے۔

حضرت شیخ اوجھر کا احتساب

۸۸۰ھ (سلطان بہلول لودھی کے عہد) میں ایک جلیل القدر عالم شیخ حسام الدین المعروف بہ شیخ اوجھر بغداد سے دہلی پہنچے، اور قطب خاں سلطان بہلول کے چچازاد بھائی کے توسط سے شاہی ملازموں کے سلسلے میں منسلک ہو گئے، اور چند روز کی خدمت کے بعد لشکر کے عہدۂ احتساب پر فائز ہوئے، جب سلطان بہلول لودھی نے وفات پائی اور سکندر لودھی اُس کی جگہ تخت نشین ہوا، تو شیخ اوجھر اسی خدمت پر مامور تھے، ایک دن سکندر نے اُن سے مرحمتِ شاہانہ کی بنا پر فرمایا کہ آپ جو کچھ آرزو رکھتے ہوں بیان فرمائیے تاکہ میں آپ کی منشاء کے مطابق اُس کی تکمیل کروں، شیخ اوجھر نے اُس کی دین پروری اور عدالت گستری کو دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ مجھے ممالکِ محروسہ کا عہدہ احتساب سپرد فرمایا جائے اور ایک جماعت میری مدد کے لئے متعین فرمائی جائے تاکہ بدعات و منکرات اور منہیات کو جو ممالکِ محروسہ میں پھیلی ہوئی ہیں دور کروں، سلطان سکندر نے گرز بردار وں کی ایک جماعت، اور چند سلطانی ملازم، اور چند

سلہ مکتوبات کلیمی ص ۸۳

تبحر عالم اور بہت سی کتابیں جو کئی اونٹوں پر لادی گئیں، ان کے سپرد کیں، اور ایک فرمان اُن کے محتسب اعلیٰ ہونے کا جاری کیا، شیخ اوجھر بادشاہ سے رخصت ہو کر صوبۂ گجرات، دکن اور مالوہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور انھوں نے ان صوبوں میں پہنچ کر اکثر منہیاتِ شرعیہ کا انسداد کیا، اور تمام مشائخین، قضاۃ، علماء، شرفاء اور مفتیوں سے اس مضمون کے محلکے لئے کہ آج سے کوئی متنفس امورِ نامشروعہ اور ممنوعہ کا مرتکب نہیں ہوگا، شیخ اوجھر اپنے تفصیلی دورے کے بعد دہلی واپس لوٹے، اور بارگاہِ شاہی میں اپنی رپورٹ پیش کی، اور وہ محلکے پیش کئے، جو انھوں نے مختلف مقامات پر قضاۃ، علماء، اور شرفاء سے لئے تھے، بادشاہ ان کی رپورٹ سے بیحد خوش ہوا، دہلی میں چند روز قیام کے بعد وہ صوبۂ لاہور اور ملتان کے دورے پر روانہ ہوئے اور ان صوبوں میں بھی انھوں نے منہیات اور غیر شرعی امور کا انسداد کیا، جب یہ قصبہ پانی پت پہنچے تو شیخ اوجھر نے اپنے ساتھ کے علماء سے کہا کہ آؤ پہلے گنگوہ جا کر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو تائب کریں جو اپنے آپ کو قطب العالم کہتا ہے، بعض غیر امور شرعی کا مرتکب ہے، گانا سنتا ہے، اور وجد و حال میں زندگی بسر کرتا ہے، اور مشرب وحدت الوجود پر قائم ہے، اس سے محلکہ لے کر پھر آگے روانہ ہوں گے۔ مختصر یہ کہ یہ لوگ گنگوہ پہنچے، اور تالاب کے کنارے شیخ عبداللہ کی درگاہ

کے متصل قیام کیا، اور حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ وہ شریعت کی
پابندی کریں اور گانا اور وجد و حال چھوڑ دیں، حضرت شیخ نے
اس حکم کو منظور کر لیا، چنانچہ دو تین روز بغیر سماع اور وجد و
حال کے گذرے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ
شیخ اوجھر کے خوف کی وجہ سے آپ نے سماع و وجد چھوڑ دیا
ہے، جب حضرت شیخ کو لوگوں کا یہ کہنا معلوم ہوا تو فرمایا ہم
مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی اولاد ہیں، ہم شرع کے حکم
بجالاتے ہیں، اور ہم نے اس کو قبول کر لیا ہے، یہاں تک
کہ چھ روز بغیر سماع اور وجد کے گذرے اور لوگوں کی زبان
پر یہ چرچا اور بڑھا کہ حضرت شیخ نے شیخ اوجھر کے خوف
سے سماع بالکل چھوڑ دیا ہے، صاحبزادوں نے ایک روز پھر
حضرت شیخ کی خدمت میں لوگوں کا خیال ظاہر کر کے عرض
کیا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں، حضرت
شیخ خاموش ہو گئے۔ شیخ اوجھر بھی اس زمانے میں وہیں
مقیم تھے۔ ایک رات حضرت شیخ تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے
اتفاق سے ایک کنیز جوار پیستے ہوئے ایک ہندی دوہا گا رہی
تھی، آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی، اور آپ نے ایک
نعرہ مارا جو گاؤں کے لوگوں نے پانچ چھ کوس تک سُنا، پھر
آپ نے شیخ اوجھر کو کہلا بھیجا کہ آتش زدہ لکڑی جنگل میں نہ

خشک کو چھوڑتی ہے نہ تر کو، تمام کو جلائے ڈالتی ہے، اگر تم اسے دور کر سکتے ہو تو آؤ، شیخ اوجھر نے یہ دیکھ کر کہ رات ہے اور رات کو جانا مناسب نہیں کہلا بھیجا کہ میں صبح کو آؤں گا، جب صبح ہوئی تو نماز فجر کے وقت انھوں نے آدمی کو بھیجا کہ خبر لائے کہ حضرت شیخ کس عالم میں ہیں، معلوم ہوا کہ آپ اسی عالم میں ہیں، اس خبر کے سنتے ہی شیخ اوجھر پر عجیب کیفیت طاری ہوئی پا برہنہ دُرّے کو ہاتھ میں لے کر علما اور لشکریوں اور گرزبرداروں کو ساتھ لے کر آپ کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے، جیسے ہی دروازے پر پہنچے، شیخ اوجھر میں ایک نئی تبدیلی پیدا ہوئی، دُرّہ اُن کے ہاتھ سے گر پڑا، خانقاہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ قطب عالم پر وجد کی کیفیت طاری ہے، یہ بھی مجلس میں ایک طرف جا کر کھڑے ہو گئے، لیکن شیخ کی جلالی کیفیت دیکھ کر عالم یہ تھا کہ دم مارنے کی مجال نہ تھی یہاں تک کہ شیخ اوجھر پر کھڑے کھڑے خوف اور لرزے کی کیفیت طاری ہو گئی، حضرت شیخ اسی وجد کی کیفیت میں شیخ اوجھر کے قریب پہنچے، اور اپنا ہاتھ اُن کے کاندھوں پر رکھا اور پھر رقص فرمانے لگے، پھر آپ شیخ اوجھر کے پاس آئے، اور پھر ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، غرض یہ کہ چھ مرتبہ آپ نے شیخ اوجھر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، ساتویں مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ اوجھر کے

سر پہ ہاتھ رکھا، ہاتھ کا سر پر رکھنا تھا کہ شیخ اوحد نے اپنی دستار کو زمین پر پٹک دیا اور ایک نعرہ مار کر یہ آیت پڑھی:۔

انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

اور حضرت شیخ کے گرد گھومنے لگے، جب حضرت شیخ کو افاقہ ہوا، شیخ اوحد حضرت شیخ کے پیروں میں گر پڑے اور کہنے لگے حضور میں آج مسلمان ہوا ہوں، اور مسلمانی کے مرتبے کو پہنچا ہوں اور اب میں کہتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ، حضرت شیخ نے فرمایا ابھی تو اسلام دور ہے، لیکن امید ہے کہ ایک روز یہ تمھارا حصّہ ہوگا، یہ فرما کر آپ عبادت خانے میں تشریف لے گئے۔ اور شیخ اوحد اپنی جائے قیام پر لوٹ آئے، واپس لوٹنے کے بعد شیخ اوحد کے ساتھیوں نے اُن سے پوچھا کہ بتائیے تو سہی کہ آپ کو کیا واقعہ پیش آیا، شیخ اوحد نے کہا کہ جب میں شیخ کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ خانقاہ کے دروازے پر دو خوفناک شیر مُنھ کھولے ہوئے بیٹھے ہیں، میں ڈر گیا، پھر میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ وجد و رقص کے عالم میں ہیں، اور آپ نے دونوں شیروں کے مُنھ پر ہاتھ رکھ چھوڑا ہے اور مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے، اسی عالم میں دروازے سے گزر کر آپ کی مجلس میں پہنچا۔ آپ وجد رقص میں تھے، اُس وقت

آپ کی نظر مجھ پر پڑی، نظر کا پڑنا ہی تھا، میں کانپ اٹھا، اور میرے ہوش و حواس جاتے رہے، اِس عالم میں جب حضرت شیخ نے پہلی مرتبہ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا، مجھے ایسا محسوس ہوا، جیسے تمام زمین میرے کاندھوں پر رکھ دی، جب دوسری مرتبہ آپ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آپ نے تمام زمین پہاڑوں کے ساتھ میرے کاندھے پر رکھ دی، تیسری مرتبہ جب آپ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا آسمانوں کو میرے کندھے پر رکھ دیا ہے، جب چوتھی مرتبہ آپ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا زمین و آسمان اور کرسی میرے کاندھے پر رکھ دیتے ہیں، جب پانچویں مرتبہ آپ نے ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا تو میں نے دوزخ کا معاینہ کیا، جب چھٹی مرتبہ آپ نے ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا تو میں نے بہشت کا مشاہدہ کیا، جو پاکوں کی جگہ ہے، جنھوں نے خدا کو ایک وجود کے ساتھ دیکھا اور جانا ہے، جب ساتویں مرتبہ آپ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو میں نے بے اختیار اپنی دستار کو زمین پر پٹک دیا، اور آپ کے گرد گھومنے لگا، اس کے بعد شیخ احمد تمام مال و متاع کو جو اُن کے پاس تھا اپنے ساتھیوں اور اہلِ شہر میں تقسیم کر کے حضرت قطبِ عالم کی بارگاہ میں پہنچے، اور طلبِ حق میں مشغول ہو گئے، اور چند دن کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد،

آپ نے حضرت قطب عالم سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، سلطان سکندر لودھی کو جب شیخ اوجھر کے واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ حضرت شیخ کا اور بھی مرید و معتقد ہو گیا۔[1]

سماع کے متعلق شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی کے نام حضرت شیخ کا ایک مکتوب

شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی جو حضرت شیخ کے مخلص مریدوں میں تھے، اُنھوں نے ایک مرتبہ حضرت شیخ کو سماع سُننے کے بعد اپنی کیفیت لکھی، حضرت شیخ نے اُن کو جواب میں لکھا:

شیخ الاسلام برادرم شیخ عبدالرحمٰن دام عرفانہ فی الذوق والشوق از فقیر حقیر عبدالقدوس اسمٰعیل الحنفی بدانچہ شوقِ سبحانی و ذوق ربّانی در وقت سماع کہ ذوقِ عارفاں در آنست و شوقِ عاشقاں بر آنست دست می دہد و روزی می شود غنیمت میداند	شیخ الاسلام برادرم شیخ عبدالرحمٰن دام عرفانہ والذوق والشوق۔ فقیر حقیر عبدالقدوس اسمٰعیل الحنفی کی جانب سے معلوم ہونا چاہئے کہ سماع کے وقت میں کہ عارفوں کا ذوق اس میں ہے اور عاشقوں کا شوق اس میں

---

[1] ماخوذ از لطائف قدوسی ص ۱۰۷ تا ۱۰۹

وسعادتِ ابدی خوانند، حضورِ مجلس سماع عارفاں برائے سعادتِ ایں دولت ست ہر کرا ست مبارکباد[1]

ہے اگر حاصل ہو، اور انسان کا نصیبہ ہو تو غنیمت جانو اور سعادت ابدی تصور کرو، عارفوں کا مجلسِ سماع میں حاضر ہونا اسی دولت کے حاصل کرنے کے لئے ہے، (یہ نعمت) جس کسی کو حاصل ہو قابلِ مبارکباد ہے۔

پھر آگے چل کر تحریر فرمایا:—

اجتماع دوستان خدائے تعالیٰ وحضورِ ایشان در مجلسِ سماع از جہتِ طمع ایں دولت ست، تا از برکتِ مجلسِ سماع دلہائے مردان بیچارہ مفلسے را ذوقے رو بنماید وشوقے دست دہد[2]

خدائے تعالیٰ کے دوستوں کا اجتماع اور اُن کا مجلسِ سماع میں حاضر ہونا، اس دولت کی طمع میں ہے کہ تاکہ مجلسِ سماع کی برکت سے اُن مفلس اور بیچارہ مردوں کو بھی ذوق کی نعمت حاصل ہو اور شوق

۱؎ منتخب مکتوبات قدوسیہ مکتوب سی ونہم ص ۱۱۱

۲؎ ماخوذ از لطائف قدوسی ص ۱۱۱

کی دولت سے مالا مال ہوں۔

پھر طالبِ سماع کو پابندیِ شرع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

و مع ذلک ایشاں ابو الوقت
نیز اند تا در صفت وقت
خود اقامت شرع کردہ اند۔
و نماز باوقات گذاردہ اند و
جمعہ و جماعت ترک نکردہ اند
کہ ہر چہ یافتہ انداز دولتِ
اقامت شرع یافتہ اند، و
ہر دولت کہ داشتن از دولتِ
اقامتِ شرع داشتند، و
چنداں نباید آفتاد کہ
از وقت بیفتد و
قساوت روئے آرد
کہ شیطان را دراں
دخل بود و بعضے بندیاں
را ایں واقعہ پیش
آید والعیاذ باللہ

اور اس کے ساتھ صوفی ابو الوقت
ہوتے ہیں (یعنی وقت کے
تقاضوں کو پورا کرتے ہیں)
وہ اپنے اوقات میں اقامتِ
شرع کرتے ہیں، اور نماز
اپنے وقت کی پابندی کے
ساتھ ادا کرتے ہیں، اور جمعہ و
جماعت کو ترک نہیں کرتے
کہ جو کچھ انھوں نے حاصل
کیا ہے۔ وہ شرع کی دولت
کو قائم رکھنے کی وجہ سے
پایا ہے، اور وہ جو کچھ بھی
دولت رکھتے ہیں دولتِ
شرع کے قائم رکھنے کی
وجہ سے رکھتے ہیں، اور
اتنا نہ گرنا چاہیے کہ وقت کے

لہ منتخب مکتوباتِ قدوسیہ۔ مکتوب سی و نہم ص ۱۱۳

من ذالک ؎ | تقاضوں کو بھول جائے، اور اس میں قساوت پیدا ہو جائے کہ جس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے، بعض مبتدیوں کو یہ واقعہ پیش آتا ہے۔

فلسفۂ سماع پر حضرت شیخ کا ایک ارشاد

رُشد نامہ میں حضرت شیخ نے اس دوہے کے ضمن میں ؎

جو جھو جی توات بھلاجی جیتی تو راج
دو ہوں پنواری ہے سکھی ماندل باجواج

فلسفۂ سماع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

اے برادر نیظرے	اے برادر ایک مثال
از من گوش دار، آب	مجھ سے سُنو، کنویں کا
چاہ بیروں نیاید، تا آنکہ	پانی اُس وقت تک باہر
اور اکشندہ نباشد، ہمچناں	نہیں آتا، جب تک کہ
اسرارِ الٰہی ست کہ در	اُس کا کھینچنے والا نہ ہو،
دلِ تست، سماع پاید	یہی حال اسرارِ الٰہی کا

آرزندۂ آں اسرار ست،	ہے جو تیرے دل میں ہیں،
ودرباب سماع فتوے	سماع اُن اسرارِ الٰہی کو تیرے
شرع ست جائز لاھلہ	قلب سے باہر لانے والا
وحرام لغیرہ واہلِ	ہے، اور سماع کے بارے
سماع کسے راگویند کہ ہیچ	میں شریعت کا فتوے
صوتے جز پیامِ دوست	یہ ہے کہ وہ اُس کے اہل
نشنود، و ہیچ جمالے بغیر	کے لئے جائز ہے، اور
دوست نہ بیند۔[1]	نااہل کے لئے حرام ہے،
	اہلِ سماع اُس شخص کو
	کہتے ہیں کہ کوئی آوازِ پیام
	دوست کے سوا نہ سُنے،
	اور دوست کے جمال کے
	سوا کوئی جمال نہ دیکھے۔

---

[1] رُشد نامہ قلمی ص ۲۵ مملوکہ صوفی بشیر احمد قدوسی سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس (کراچی)۔

سولھواں باب

حضرت شیخ اور اتباعِ شریعت

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی باوجود اِس کے کہ اہلِ عشق وسماع میں ممتاز تھے، لیکن اتباعِ سنت کا ہر حال میں خاص طور پر خیال رکھتے تھے، ہمیشہ آپ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ احکامِ شریعت و سنّت نبوی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، یہاں تک کہ وجد وحال اور عالمِ سرمستی میں بھی احکامِ شریعت آپ کے پیشِ نظر رہتے تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز دہلی میں حضرت شیخ سے عرض کیا کہ مولانا شعیب[1] اہلِ علم اور خوش الحان ہیں اور جمعہ کے روز اپنی مسجد میں ممبر پہ

[1] مولانا شعیب بہت بڑے عالم و عامل اور فرشتہ صورت تھے، نہایت اچھے واعظ اور خوش الحان تھے، جب وہ وعظ فرماتے اور قرآن مجید پڑھتے تو

تفسیر کلام اللہ بیان کرتے ہیں۔ وہاں حفاظ کا اجتماع ہوتا ہے،

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

سڑک سے گذرنے والے اگرچہ سر پہ بوجھ ہی کیوں نہ لئے ہوئے ہوتے، آپ کی تلاوت قرآن سننے کے لئے رُک کر کھڑے ہو جاتے شہر کے بڑے بڑے علماء اُن کے وعظ میں حاضر ہوتے، شہر کے بہت سے لوگ اُن کے شاگرد تھے، اُن کے والد مولانا منہاج صغر سنی ہی میں لاہور سے تحصیلِ علم کے لئے دہلی تشریف لائے، آپ نے دہلی میں رہ کر حصولِ علم میں نہایت محنت کی، یہاں تک سلطان بہلول لودھی کے عہد میں وہ شہر کے مفتی مقرر ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا شعیب کے والد مولانا منہاج زمانہ طالب علمی میں بعض دکانوں سے آٹا اور گھی مانگتے، اور چراغ بنا کر رات کو مطالعہ کرتے، پھر صبح کو اُسی چراغ کی روٹی بناتے اور اُسے کھا لیتے، مدتوں آپ نے اسی طرح گذاری تاکہ علم کی دولت کو حاصل کریں۔

یہ بھی منقول ہے کہ وہ درویش کہ جن سے شیخ یوسف قتال نے نعمتِ باطنی حاصل کی، پہلے مولانا شعیب کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ مولانا میں تم کو کچھ سکھلانا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ درسِ تعلیم و تذکیر چھوڑ دیں۔ مولانا شعیب نے ان مشاغل کے ترک کو اپنی مصالح کے خلاف سمجھا، اور درویش سے کہا کہ میں نے علم کے حصول میں بہت محنت اٹھائی ہے اور میں اپنی آخروی نجات انھیں مشاغل میں سمجھتا ہوں، ان مشاغل کا چھوڑنا میرے اختیار سے باہر ہے، لیکن جب آپ

اگر آپ بھی کسی جمعہ کو تشریف لے چلیں تو اچھا ہو، فرمایا اچھا ہم بھی کسی روز اُس مجلس میں شریک ہوں گے، چنانچہ ایک دن جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ آپ مولانا شعیب کی مسجد میں تشریف لے گئے، اُس وقت مولانا شعیب منبر پر تفسیر بیان کرنے میں مشغول تھے، اُن کی آواز کو سُنتے ہی حضرت شیخ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور مستیِ عشق و سکرِ معرفت میں ڈوب کر آپ اسرارِ الٰہی بیان فرمانے لگے، یہاں تک کہ مولانا شعیب خاموش ہو گئے، اور اس انتظار میں رہے کہ حضرت شیخ کو سکون ہو تو وہ تفسیر بیان کریں، لیکن حضرت شیخ پر عشق و سرمستی کی کیفیت اس قدر غالب تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی، آخر مولانا شعیب منبر پر سے اُتر آئے، شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں نے اُسی عالم میں حضرت شیخ کو سواری پر سوار کر کے روانہ کیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گذشتہ) کچھ مجھے بتائیں گے، میں اس میں مشغول ہو جاؤں گا۔ اور یہ مشاغل مجھ سے خود بخود چھوٹ جائیں گے، اور آپ کی بتائی ہوئی مشغولی مجھ پہ غالب آجائے گی، درویش نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور مولانا شیخ یوسف قتال کے پاس گیا، اُن سے بھی درویش نے وہی بات کہی جو مولانا شعیب سے کہی تھی۔ اُنھوں نے درویش کی بات مان لی، اور جو درویش نے کہا اُس کی تعمیل کی۔

مولانا شعیب نے ۹۳۶ھ میں وفات پائی، اُن کی قبر حوض شمسی کے بالائی حصہ پر ملک زین الدین کی خانقاہ کے متصل ہے۔

(اخبار الاخیار۔ تذکرہ مولانا شعیب ص ۲۲۵/۲۲۶)

عصر کی نماز کے لئے آپ شیخ المشائخ شیخ نصیر الدین[1] دانشمند کی مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں اُن کے لڑکے اور درویش حاضر تھے، اور میرے اُستاد شیخ فتح اللہ[2] بھی وہاں موجود تھے، شیخ نصیرالدین نے جب آپ میں لرزہ اور بیقراری دیکھی تو اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت شیخ کو کیا بیماری ہے؟ اور وہ اس بیماری میں کیوں گھر سے باہر نکلے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ کو بیماری نہیں بلکہ یہ وہ عشق کا زخم ہے جو اُنھیں مولانا شعیب کی مسجد میں لگا ہے، اُس وقت سے آپ کا یہ حال ہے، یہ سُن کر تمام مجلس حیران ہو گئی، بعدہٗ آپ اُسی عالم میں وضو کر کے نمازِ عصر کے لئے تیار

---

[1] شیخ نصیرالدین بن سماء الدین بن فخرالدین حنفی دہلوی، دہلی کے اکابرِ مشائخ میں تھے، اُنھوں نے اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور اُنھیں سے بیعت کی اور اپنے والد کے بعد اُن کی جگہ مسندِ رُشد و ہدایت پر متمکن ہوئے، شیخ نصیرالدین نے دہلی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۴ بحوالہ شمس التواریخ صفحہ ۳۷۴)

[2] شیخ فتح اللہ بن نصیرالدین بن سماء الدین ملتانی دہلوی اپنے دور کے اکابر علماء میں تھے، وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے والد اور اپنے دادا سے تعلیم حاصل کی، اُن کے ارشدِ تلامذہ میں شیخ رکن الدین صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور دوسرے مشائخ علماء ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۴ ۲۵۵)

تیار ہوتے، عین حالت عشق و مستی میں بھی شریعت کے مطابق آدابِ وضوء کے ادا کرنے میں نہایت احتیاط برتی، سب کو حیرت ہوئی کہ باوجود اِس عالمِ مستی کے احکامِ شریعت کے بجالانے میں کس قدر احتیاط برتتے ہیں، ایسی احتیاط نہ سُنی اور نہ دیکھی گئی [۱]

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ عین موسم سرما میں جب برف گرتی تھی، حضرت شیخ صحن خانہ میں بیٹھ کر برہنہ سر وضو کرتے تھے، اور حسبِ عادت رات کو کئی مرتبہ وضو کے لئے اُٹھتے تھے، یہ دیکھ کر ہمیں فکر ہوئی کہ حضرت شیخ کے سر پر وضو کرتے ہوئے برف گرتی رہتی ہے، اگر آپ کی وضو کی کُرسی سایہ میں کر دی جائے تو آپ کو آرام ملے گا۔ ہم نے اِس خیال کو آپ سے عرض کیا فرمایا کہ میرے سر پر سردی اثر نہیں کرتی، اس لئے کہ جب میں کُرسی پر وضو کے لئے بیٹھتا ہوں گرم ابخارات میرے سر سے نکلتے رہتے ہیں، اور میرے سر کو سردی پہنچنے نہیں پاتی، اسی طرح آپ آخر عمر میں عین موسم سرما میں بیت الخلاء یا باریک پیرہن میں تشریف لے جاتے، اور وہاں دیر لگ جاتی خیال ہوا کہ اگر آپ نیم آستین پہن لیا کریں تو اچھا ہو، کیونکہ ضعف کا زمانہ ہے، اور سردی بہت ہے، چنانچہ آپ سے عرض کیا گیا، فرمایا کہ سرما ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے [۲]

---

[۱] لطائف قدوسی - ص ۶۱ لطیفہ ۷۳

[۲] لطائف قدوسی - ص ۶۶ لطیفہ ۸۰

ایک روز حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ابتدائی ریاضتوں کے زمانے میں خواب میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل تشریف لائے ہیں، اور آپ نے ایک کتاب میرے سامنے رکھی ہے، میں اُسی حالت میں اپنے دل ہی دل میں کہہ رہا ہوں کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت جبرئیل کسی پر کچھ لے کر نازل نہیں ہوسکتے، ایسا نہ ہو کہ شیطان مجھے دھوکا دے رہا ہو، اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں، اور حضرت جبرئیل امین آپ سے کلام کر رہے ہیں، اس وقت مجھے اپنے خطرے کا جواب مل گیا۔ کیونکہ شیطان کی مجال نہیں کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمکلام ہو، پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرئیل روانہ ہو رہے ہیں میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ جبرئیل نے مجھے ایک کتاب دی ہے، میں اُسے کیا کروں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کتاب تو ہمارے اتباع سے متعلق ہے اُسے اپنے پاس رکھو، پھر اس خواب کی تعبیر اس طرح ظاہر ہوئی کہ حضرت شیخ اتباع سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قدر راسخ تھے کہ شرع شریف سے ذرہ بھر تجاوز احکامِ ظاہر و باطن میں روا نہ رکھتے تھے، نہ اس کو اپنے لئے پسند فرماتے تھے، نہ دوسروں کے لئے جائز

رکھتے تھے، اگر آپ کسی کی کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھتے تو اُس سے بیزاری اور براءت کا اظہار فرماتے، اور اُسے اپنے پاس نہ آنے دیتے تھے۔ اگرچہ حضرت شیخ کو مختلف جماعتوں سے واسطہ پڑتا تھا، مگر ان کی صحبت سے مخالف دین کوئی بات بھی آپ پر اثر انداز نہ ہوتی تھی، البتہ وہ لوگ آپ کی صحبت سے صراط مستقیم پاتے تھے [۱]

حضرت شیخ کا مسلک

حضرت شیخ مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کے شدت سے پابند اور فقۂ حنفی کے پیرو تھے، آپ نے اپنے ایک خط میں شیخ مودود خراسانی کو علماءِ سُوء کی بد کرداریوں اور بدعت و ضلالت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا:-

عزیز من! کار آسانست چنانکہ امروز پدید آمدہ ست. علم را وسیلت دنیا کردہ اند، و تصانیف و قصائد براہلِ دنیا می پردازند۔ و از ایشاں طلبِ دنیا و طمع دنیا می دارند، ایں طائفہ نزدِ اہلِ حق دشمن حق تعالیٰ اند۔

پھر اِسی خط میں آن کو اہلِ حق کے مسلک کی وضاحت اور عملی اور اعتقادی گمراہیوں پر متنبہ کرتے ہوئے لکھا:-

---

[۱] لطائف قدوسی ص ۱۹ لطیفہ ۲۸۔

تنزہ از ضلالت و اعتقاد ایں شرط راہِ مردانِ خدا و اہلِ حق ست، ومن علامۃ السنۃ والجماعۃ فضل الشیخین وحب الختنین، من فضّل احداً علی الشیخین فرشیاً کان اوعرشیاً ولیّاً کان اوعلیّاً وھو من اھل الضلالۃ والخارج من اھل الھدایۃ، واصرار العصیان یورث سلب الایمان والعیاذ باللہ من ذلک فاین المقام والحال، فمن انکر تفضیل الشیخین ان کان انکارہٗ فی حد المعصیۃ فھو عاص ویجب علیہ التوبۃ، وان کان انکارہ فی حد الکفر فلاعذر لہ فی الآخرۃ ولا کلام ولا بحث فیہ فانہ مردود من حیث لایظن القبول [۱]

زُبدۃ المقامات میں حضرت مجدد الف ثانی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، اُس دور کے ایک عالم شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری [۲] نے جو

---

[۱] مکتوباتِ قدوسیہ ص ۲۹۵ - مکتوب ۱۳۴ بنام شیخ محمد مودود اہلِ علم خراسانی

[۲] شیخ عبدالوہاب بخاری، محمد بن رفیع الدین حسینی بخاری کے صاحبزادے تھے اُن کا سلسلۂ نسب جلال حسین بن احمد بخاری کے توسط سے حضرت سیّد جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جا ملتا ہے، شیخ عبدالوہاب ۸۶۹ھ میں فاطمہ بنت قطب الدین بن کبیر الدین بن اسماعیل بن

سید جلال الدین بخاریؒ[1] کی اولاد میں تھے، اپنی ایک تفسیر جو اُنھوں نے

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ ۲ صفحہ گذشتہ) محمود حسینی بخاری کے بطن سے اُچ میں پیدا ہوئے، اور اپنے خسر صدر الدین بن حسین بن کبیر الدین حسینی بخاری سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور ایک عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے، پھر اپنے شیخ کی حیات میں حج و زیارت کے لئے حجاز گئے۔ اور وہاں سے لوٹ کر ملتان میں مقیم ہو گئے، پھر ملتان سے دہلی تشریف لائے، اور شیخ عبد اللہ بن یوسف قریشی ملتانی سے بیعت کی اور دوبارہ حج و زیارت کے لئے حجاز تشریف لے گئے، اور وہاں سے لوٹ کر آخر عمر تک دہلی میں مقیم رہے سلطان سکندر لودھی اُن کی بےحد تعظیم و تکریم کرتا تھا، حاجی عبد الوہاب نے وہ تفسیر جس کا تبصرہ متن میں ہے اوائل ربیع الثانی ۹۱۵ھ میں شروع کر کے اس کی تکمیل اُسی سال ۱۷ شوال کو کی، اس تفسیر میں قرآنی آیات سے زیادہ تر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب کا استنباط کیا گیا ہے۔ اور اسرار محبت کو واضح کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے یہ تفسیر غلبہ حال میں لکھی۔ اس لئے اکثر وہ چیزیں جو اس میں ذکر کی گئی ہیں صحیح نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی تصانیف میں شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک رسالہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں عربی میں چند قصائد بھی ہیں۔

شیخ عبد الوہاب نے ۹۶۳ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۲۳-۲۲۴)

[1] سید جلال الدین بخاری کا لقب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا، صاحب سیر العارفین نے اس لقب کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ایک دفعہ عید کے دن آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ صدر الدین اور شیخ رکن الدین کے

لکھی تھی حضرت شیخ کے پاس بھجوائی، حضرت شیخ نے جب اس تفسیر کو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵) مزاروں پر حاضر ہو کر مراقبہ کیا، اور مراقبے میں ان بزرگوں سے عیدی طلب کی توان بزرگوں کی طرف سے آپ کو عیدی کے طور پر "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا، جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی بھی آپ کو ملتا بے اختیار "مخدوم جہانیاں" کہہ کر پکارتا تھا، چونکہ آپ نے بہت سیر و سفر کیا تھا اس لئے آپ کو "جہاں گشت" بھی کہتے تھے۔ اخبار الاخیار میں ہے۔

سیاحت بسیار کردہ و از بسیار اولیاء نعمت و برکت یافتہ

حضرت مخدوم جہانیاں کے دادا سید جلال سرخ بخاری سب سے پہلے بخارا سے بھکر آئے، اور بھکر سے ملتان آکر سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی سے بیعت کی اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا، بھکر کے قیام کے زمانے میں اُنھوں نے وہاں کے ایک رئیس سید بدرالدین کی صاحب زادی سے عقد کیا، اخبار الاخیار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دی تھی، اور اس بشارت سے سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے۔ حضرت سید جلال سرخ بخاری کے تین فرزند ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہاءالدین اور حضرت سید محمد، مخدوم جہانیاں اُن کے بڑے فرزند حضرت سید احمد کبیر کے صاحبزادے تھے مخدوم جہانیاں کا نسب نامہ یہ ہے۔

مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبدالحسین بن کبیرالدین احمد بن

کھولا تو اتفاقاً سب سے پہلے آیتِ تطہیر نکلی، اِس آیت کی تفسیر میں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ملہ)

سیّد جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن احمد عبداللہ بن علی اصغر بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام۔

حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی آپ نے ابتدائی تعلیم اُوچ ہی میں پائی۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ ابتداءً آپ نے تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اُوچ کے قاضی علّامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھی، اُن کی وفات کے بعد تعلیم کے لئے ملتان تشریف لائے اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، شیخ رکن الدین آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے، انھوں نے آپ کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، ان دونوں بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اور بزدوی ختم کی۔ جب آپ یہ دونوں کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین نے آپ کو کشتی پر سوار کر کے اُوچ بھجوا دیا، اس کے بعد آپ نے جن بزرگوں سے تعلیم پائی اُن میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی، شیخ مدینہ عبداللہ مطری، اور شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری مشہور ہیں۔ سید علاء الدین علی بن سعد حسینی مرتّب ملفوظات حضرت مخدوم جہانیاں کا بیان ہے کہ آپ ایک سو اٹھاسی علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے، مخدوم جہانیاں نے ابتداءً طریقت کی تعلیم اپنے والد

اُنھوں نے لکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام اولاد (یعنی سادات) مامون الخاتمہ ہیں، اور اُن کا خاتمہ بالخیر یقینی ہے، حضرت شیخ

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۳۶۲ گذشتہ) سے حاصل کی، پھر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ ابو الفتح رکن الدین کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا، جن مشائخ اور صوفیا نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اُن کی تعداد بیس بتائی جاتی ہے، سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بناکر اُن کے سپرد چالیس خانقاہیں کی تھیں، لیکن آپ سب کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہوگئے، سلطان فیروز شاہ بھی آپ کا بیحد معتقد تھا، آپ ہی کی کوشش سے سندھ کے بادشاہ جام بابنیہ اور سلطان فیروز شاہ میں صلح ہوئی۔ آپ نے اٹھتر سال ایک ماہ چھبیس روز کی عمر میں ۷۸۵ھ میں چہار شنبہ کے دن کہ اس دن عید اضحیٰ بھی تھی وفات پائی۔ آپ کا مزار اُچ میں ہے جو بھاول پور کے علاقہ میں ملتان سے ستّر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) خزانہ جلالی:۔ جس کا تذکرہ اخبار الاخیار میں ہے، اور یہ نسخہ فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے صفحہ ۵۷۶ پر مندرج ہے۔

(۲) سراج الہدایہ:۔ اس کے مرتب احمد مبنی ہیں جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے۔ اس میں ۷۷۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں، اس کا ایک نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

نے تفسیر کے اس حصّے پر نشان ڈال کر کتاب کے حاشیے پر لکھا کہ یہ عقیدہ مذہب اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے[1]، اور تفسیر واپس

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۳۶۷ گذشتہ)

(۳) جامع العلوم :- اس کے مرتب مخدوم جہانیاں کے مرید سید علاء الدین علی بن سعد حسینی ہیں، اس میں ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۷ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اُردو ترجمہ بھی الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے کیا تھا جو ۸۵۵ صفحات پر مشتمل تھا اور مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا جو اب کمیاب ہے۔

مقرر نامہ :- یہ حضرت مخدوم جہانیاں کے مکتوبات کا مجموعہ ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(ماخوذ بزم صوفیہ مولفہ سید صباح الدین: تذکرہ حضرت جلال الدین بخاری)

[1] اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کی مستند کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ جنّتی ہیں وہ عشرۂ مبشرہ ہیں، جن کے متعلّق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی ہے۔ اِن کے علاوہ ہم حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ اور خاتونِ جنّت حضرت فاطمہؑ کو بھی جنّتی کہتے ہیں، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ فاطمہؑ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں (ان کے علاوہ اُن صحابہ کو بھی جنتی کہا جائے گا کہ جن کے متعلق ہمیں کسی صحیح حدیث میں اُن کے جنتی ہونے کی بشارت

کردی، حضرت شیخ کی یہ تحریر ایک عرصے تک آس نواح کے علماء میں

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ لہ صفحہ گزشتہ)

ملتی ہے) باقی تمام صحابہ کا ذکر ہم بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں، اور ہم اُن کے لئے دوسرے تمام مؤمنین سے بہت زیادہ خیر کی توقع رکھتے ہیں، ان کے علاوہ ہم کسی کو متعین کر کے یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنّتی ہے یا دوزخی، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مومنین اہلِ جنت میں ہیں، اور کافر اہلِ نار ہیں۔

شرح عقائد نسفی کی اصل عبارت یہ ہے:۔

ونشهد هم بالجنة للعشرة الذين بشرهم النبی علیه السلام حیث قال علیه السلام ابوبکرؓ فی الجنة وعمرؓ فی الجنة وعثمانؓ فی الجنة وعلیؓ فی الجنة وطلحةؓ فی الجنة وزبیرؓ فی الجنة وعبد الرحمنؓ بن عوف فی الجنة وسعدؓ بن ابی وقاص فی الجنة وسعیدؓ بن زید فی الجنة وابو عبیدةؓ ابن الجراح فی الجنة وکذا نشهد بالجنة لفاطمةؓ والحسنؓ والحسینؓ لما ورد فی الحدیث الصحیح ان فاطمةؓ سیدة نساء اهل الجنة وان الحسنؓ والحسینؓ سیدا شباب اهل الجنة وسائر الصحابة لا یذکرون الا بخیر ویرجی لهم اکثر مما یرجی

موضوعِ بحث بنی رہی، آخر علماء نے حضرت شیخ کی تحریر سے اتفاق کیا۔[۹۱]

مشتبہات سے اجتناب

حضرت شیخ کا کمالِ تقویٰ یہ تھا کہ آپ اُن چیزوں سے بھی احتراز فرماتے جن کی شرعی حیثیت ذرا بھی مشتبہ ہوتی، لطائف قدوسی میں ہے کہ آپ عام قصابوں کا ذبیحہ نہ کھاتے تھے، اس لئے کہ وہ عموماً نمازی نہ ہوتے تھے، دوسرے یہ کہ مسائلِ ذبح سے کما حقہٗ واقف نہ ہوتے تھے، ایک قصاب آپ کا مرید تھا، آپ نے اُس کو مسائل ذبح اور طریقۂ ذبح سکھایا تھا، اُس قصاب کے ذبیحہ کو کبھی کبھی کھاتے تھے، شہر کے کنوؤں کے پانی کو آپ استعمال نہ کرتے تھے، بلکہ شہر سے باہر بہت دور ایک بڑا حوض تھا، اُس سے آپ کے لئے پانی لایا جاتا تھا، اسی طرح کھانے اور کپڑے میں بھی انتہائی درجے کی احتیاطِ شرعی ملحوظ رکھتے۔[۹۲]

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ [۹۰] صفحہ گذشتہ)

لغیرھم من المؤمنین ولا نشھد بالجنۃ والنار لاحد بعینہ بل نشھد بان المومنین من اھل الجنۃ والکافرین من اھل النار۔

(شرح عقائد نسفی۔ ص ۱۱۶ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

[۹۱] زبدۃ المقامات ص (۱۰۱)

[۹۲] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۲۰ ص ۱۵

سترھواں باب

علماء سے ملاقاتیں

حضرت شیخ کی خدمت میں اُس دور کے اکابرِ علماء، صاحبانِ علم وفضل صاحبِ نظر اور اہلِ باطن حاضر ہوتے، اور مختلف قسم کے علمی سوالات کرتے، خود بھی آپ علمی مجلسوں میں تشریف لے جاتے اور مختلف علمی مسائل پر اظہارِ خیال فرماتے، بعض مریدین مختلف استفسار کرتے، اُن کے جوابات بذریعہ خطوط دیئے جاتے۔

نظام الملک کا ایک سوال

حضرت شیخ ردولی میں قیام فرماتھے۔ نظام الملک جو اُس دور کے اُمراء میں تھا، آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا، اُس وقت حضرت شیخ اپنی مجلس میں غمِ آخرت اور خوفِ خاتمہ

کے متعلق بیان فرمارہے تھے، نظام الملک نے پوچھا کہ حضرت ایمان عطائے باری تعالیٰ ہے، اگر لئیم بھی کوئی چیز عطا کرتا ہے تو وہ اپنی عطا کو واپس نہیں لیتا، چہ جائے کہ خدائے تعالیٰ کریم ہے وہ اس صفت کے ساتھ کس طرح اپنی عطا کو واپس لے گا، جب وہ ایمان کو اپنے بندے سے واپس نہیں لیتا تو خوفِ خاتمہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، حضرت شیخ نے اپنے مقتضائے حال کے مطابق اُس کو جواب دیا کہ اے عزیز غمِ آخرت فرض ہے یا نہیں، اُس نے کہا ہاں فرض ہے، حضرت شیخ نے فرمایا تو پس روؤ اور گریہ وزاری کرو، حضرت شیخ کے اِس ارشاد پر نظام الملک پر رونے کی کیفیت طاری ہوئی، اور وہ رونے لگا، درآں حالیکہ اُس کا سینہ خوفِ خاتمہ اور غمِ آخرت سے خالی تھا، اُسی وقت اس میں گداز، خوف اور غمِ آخرت پیدا ہو گیا۔

شیخ رکن الدین نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بے شک ایمان عطائے باری تعالیٰ ہے، اور وہ اپنی عطاء کو واپس نہیں لیتا، لیکن وہ لوگ جن کا سلبِ ایمان اللہ کے علم میں ہے ہم اُن کے حق میں ایمان کو عطا نہیں کہتے بلکہ ہم اُس کو عاریت سے تعبیر کرتے ہیں، پس ردِّ عاریت ظاہر ہے، جب ردِّ عاریت ممکن ہے، تو خوفِ سوءِ خاتمہ بھی ضروری ہے[1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۲۷ لطیفہ ۳۲

شیخ مبارک جون پوری اور مولانا ابراہیم

ایک مرتبہ شاہ آباد میں حضرت شیخ کی
شیخ محمد مبارک جون پوری[1] اور مولانا ابراہیم[2] سے اس مسئلے پر بحث
ہوئی کہ لانقول لاحدٍ بعینہ انہ من اھل الجنۃ او من
اھل النار (ہم کسی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اہلِ جنّت یا
اہلِ نار میں سے ہے) حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم کسی فردِ معین
کے متعلق عند اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں اہلِ بہشت سے ہے
یا فلاں اہلِ نار سے ہے، لیکن عند الناس ہم کسی شخص معین کو یہ کہہ
سکتے ہیں کہ یہ اہلِ بہشت سے ہے یا اہلِ نار سے ہے۔ اور شیخ
محمد مبارک اور مولانا ابراہیم کہتے تھے کہ عند الناس بھی ہم کسی شخصِ
معیّن کے لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے یا اہل
دوزخ میں سے ہے، الغرض ان حضرات میں یہ بحث طویل ہوگئی،
شیخ محمد مبارک نے اپنی مجلس میں کہا کہ شیخ عبد القدوس کا عقیدہ

---

[1] شیخ محمد مبارک اپنے وقت کے بہت بڑے عالم فقیہہ اور علمِ کلام کے متبحر عالم تھے۔
اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نزہۃ الخواطر میں صرف
ان کے متعلق اسی قدر ملتا ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۱۰)

[2] شیخ ابراہیم جون پوری اس زمانے کے مشہور فقہا میں تھے۔
(نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۲)

باطل ہے اور ہم اس جمعہ میں اُن سے اس عقیدۂ باطل سے توبہ کرائیں گے، جب یہ اطلاع حضرت شیخ کو ملی تو اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ میرا مقصد جھگڑا نہیں ہے، اگر حق شیخ محمد مبارک کی جانب ہے تو میرے دل کو بھی اُس طرف رجوع فرما، اور حق کو مجھ پر واضح فرما، اور اگر حق میری طرف ہے تو مجھے اُس کے متعلق محکم دلائل عطا فرما۔ آپ اسی فکر میں تھے کہ آپ کو غیب سے آواز آئی کہ تفسیر زاہدی دیکھو، اُسی وقت تفسیر زاہدی لائی گئی، خدا کی مشیت سے پہلی مرتبہ کتاب میں وہ بحث نکلی، اور اس میں ایک کاغذ بھاری نکلا جس میں بہت سے دلائل حضرت شیخ کے خیال کے موافق لکھے ہوئے تھے، ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کسی نے ابھی یہ کاغذ لکھ کر کتاب میں رکھ دیا ہے، اور تفسیر زاہدی میں بہت سے دلائل آپ کے خیال کی تائید میں ملے، حضرت شیخ کو ان دلائل کے بعد اطمینان ہوا، اور آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، اور فرمایا کہ ہماری غرض مجادلہ نہیں ہے۔ ہمارا مقصد تو محض دین ہے، جب ہمارا عقیدہ حق کے موافق ہے تو ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، جب شیخ محمد مبارک کو یہ واقعہ معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے پاس اس مسئلے میں اُن کے خیال کی تائید میں بہت سے مضبوط دلائل ہیں تو وہ بحث

رک گئے، شیخ محمد مبارک کی عجیب عادت یہ تھی کہ اگر دوران بحث میں بھی انھیں یہ محسوس ہو جاتا کہ حق فریق ثانی کی طرف ہے وہ فوراً اپنے خیال سے رجوع کرتے، اور اپنے فریق کی بات کو مان لیتے [1]

کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً کے متعلق حضرت شیخ کی توضیح

ایک دفعہ دہلی میں ایک مجلس میں اکابر علماء و صلحاء جمع تھے اور ان میں آیت کلوا مما فی الارض حلالاً طیبا کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، میاں عبداللہ دانشمند، اپنے وقت کے اساتذہ میں تھے، انھوں نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جو اپنے دوست کی ملکیت سے بغیر اجازت کے اس توقع پر کھا لیا جائے کہ وہ اجازت دے دے گا، اور بعد میں اس سے اجازت طلب کی جائے اور حلال وطیب وہ ہے کہ دوست کے مال پر اگرچہ یقین ہو وہ کھانے کی اجازت دے گا، لیکن اس کے بغیر اجازت نہ کھایا جائے، بلکہ پہلے اجازت لی جائے اور پھر کھایا جائے، حضرت شیخ نے فرمایا ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ حلال وہ ہے جو اپنے کسب سے حاصل کر کے کھایا جائے، اور حلال وطیب

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴۲ و ۴۳ لطیفہ ۶۱

وہ ہے کہ وہ اپنے کسب سے کھائے درآں حالیکہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوا ہو، میاں عبداللہ نے کہا حضرت کچھ اور ارشاد فرمائیے کہ ہم بھی اُس میں داخل ہوں، حضرت شیخ نے فرمایا آپ تو انھیں میں سے ہیں، پھر آپ نے حلال طیب کی اور توضیح فرمائی۔

تفسیر زاہدی میں ہے کہ حلالاً طیباً کے ضمن میں حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ حلال طیب وہ ہے جس کے کھانے پر تجھ سے قیامت میں محاسبہ نہ ہو، حضرت ابن عباس نے حلالاً طیباً کے ضمن میں فرمایا کہ حلال طیب وہ ہے جو دنیا میں تجھ کو بغیر تعب اور وبال کے حاصل ہو، اور قیامت میں تجھ پر اُس کے متعلق عذاب نہ ہو۔

اور بعضوں نے کہا حلال وہ ہے کہ مفتی اُس کے متعلق فتویٰ دیں، اور طیب وہ ہے کہ اس کے متعلق تیرا دل گواہی دے کہ یہ حلال ہے، اِسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔

اُس چیز کو چھوڑ دے جس کے بارے میں تجھے شبہ ہو، اور اُس اختیار کر جس کے متعلق تیرے

دل میں کوئی شبہ نہ ہو۔

اسی بناء پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ استفت قلبک فان افتاک واناک، یعنی تم اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو، اگر تمہارا دل فتویٰ دے تو یہی کافی وافی ہے۔

ایک دن حضرت شیخ کے سامنے پکی ہوئی مرغی لائی گئی آپ نے اُس میں سے ایک لقمہ اُٹھایا اور پھر واپس رکھ دیا، اور فرمایا کہ اِس مُرغی کو ہمارے سامنے سے ہٹا لو، آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین نے عرض کیا کہ آپ اِس مرغی کو کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس کا ذبح صحیح نہیں ہوا، چنانچہ تحقیق کیا گیا معلوم ہوا کہ واقعی مرغی صحیح طور پر ذبح نہیں کی گئی تھی [1]

نظریۂ واجب الوجود کلّی پر حضرت شیخ کا اعتراض

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں دہلی میں علم حاصل کرنے میں مشغول تھا اور حضرت شیخ بھی اُس زمانے میں دہلی میں تشریف فرما تھے کہ میں نے منطق میں رسالہ طیبی شرح ایساغوجی شروع کیا اور میں سامع تھا اس کتاب کے دوسرے سبق میں ذکر کلیہ

[1] لطائف قدوسی ص ۴۹ و ۵۰ لطیفہ ۶۶

واجب الوجود آیا، حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ آج تم نے کیا سبق پڑھا ہے، حالانکہ اس قسم کے سوال کی آپ کی عادت نہ تھی، میں نے عرض کیا کہ منطق میں رسالہ طبی شروع ہوا ہے، اور فقیر سامع ہے، حضرت شیخ نے فرمایا اچھا سبق سناؤ تاکہ میں بھی سنوں، فقیر نے سبق سنانا شروع کیا جب میں اس بحث پر پہنچا کہ واجب الوجود کلی ہے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ کلمہ کفر ہے نعوذ باللہ اس پر اعتقاد نہ رکھنا چاہیئے۔ پھر فرمایا جو میں کہتا ہوں اس کو کتاب کے حاشیہ پر لکھو، میں کتاب کے حاشیے پر جو آپ نے اس کے رد میں فرمایا لکھتا گیا، پھر آپ کا لکھایا ہوا حاشیہ طالب علموں میں عام ہو گیا اسی زمانے میں حضرت شیخ کو علماء کی ایک محفل میں شرکت کا اتفاق ہوا، اس مجلس میں یہ بحث چھڑی، اکثر علماء نے آپ کے نظریئے کو قبول کر لیا، اور بعض اپنے عقیدے پر قائم رہے، پھر آپ نے شرح عوارف میں بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال فرمایا [1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۴۶ و ۴۷ لطیفہ ۶۳

اٹھارواں باب

مریدوں کی مذہبی روحانی تربیت

حضرت شیخ اپنے مریدوں میں صحیح جذبات پیدا کرنے اور اُن کی صلاحیتوں کو صحیح طور پر بر سرِ کار لانے کے لئے ساعی رہتے تھے، آپ کی نگاہِ دور رس زندگی کے ہر شعبے تک پہنچتی، اور آپ کا اصلاحی ہاتھ زندگی کے ہر پہلو میں محسوس کیا جاتا تھا، آپ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، اتباعِ شریعت و سُنّت کا آپ کو خاص خیال تھا۔

شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ

حضرت قطبی در متابعت سید الکونین در شرع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چناں راسخ بودند کہ ذرّہ تجاوز شرع در احکامِ ظاہر و باطن روا نمی داشتند، نہ بر خود نہ بر غیر، اگر از کسے

چیزے، تجاوزِ شرعی معلوم می شدے،
بیزاری و تبرّی می گرفتند، و نزدیک خود آمدن
نمی دادند[۱]۔

آپ نے اپنے مریدوں، اپنے عہد کے بادشاہوں اور اُن کے اُمرا کو جو خطوط لکھے ہیں اُن میں اُنھیں خاص طور پر اتباعِ شریعت کی طرف توجہ دلائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ سلسلۂ چشتیۂ صابریہ کے مجدّد تھے، اور آپ نے اپنی تبلیغی کوششوں سے اِس سلسلے کو حیاتِ نوبخشی ہے، سلسلۂ صابریہ کے نظام کو ازسرِ نو ترتیب دینا، اور اُس کو پھیلانا آپ کا وہ مجدّدانہ کارنامہ ہے۔ جسے ہند و پاکستان کی تاریخِ تصوف میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

من ایں سلسلہ را رنگے	میں نے اس سلسلۂ (چشتیہ)
دیگر بخشیدم۔	دوسرا ہی رنگ بخشا ہے۔

مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف آپ کو خاص توجہ تھی، اور آپ اُن کی روحانی تربیت کو بڑی اہمیت دیتے تھے، آپ کے جو خطوط مریدوں کے نام ہیں اُن سے اُن اصلاحی کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ نے اپنے مریدوں کے

---

[۱] لطائف قدوسی ص ۱۹ ۔ لطیفہ ۲۸

حق میں فرماتے تھے۔

شیخ خضر کو تنبیہ

شیخ خضر جو حضرت شیخ کے مریدین مخلصین اور خلفاء میں تھے، ایک رات اپنے حجرے میں تھے، اُنھوں نے عالمِ کشف میں دیکھا کہ حضرت شیخ اپنے حجرے میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور آپ کے حجرے میں چراغ جل رہا ہے، جب صبح ہوئی تو اُنھوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج رات آپ نے بیحد مشقت اُٹھائی کہ تمام رات چراغ رکھ کر کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے رہے، حضرت شیخ نے فرمایا ایسا نہیں ہے، میں تو تمام رات سوتا رہا، البتہ تم نے ہماری روح کو دیکھا ہے، پھر فرمایا تمھیں جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اولیا اللہ بظاہر سوتے ہیں مگر حقیقت میں اُن کی نیند نیند نہیں ہوتی، اور اہلِ کشف اسی حقیقت کو دیکھتے ہیں جو عالمِ حقیقت میں ہے، اسی لئے فرمایا نوم العلماء عبادۃ (علماء کی نیند بھی عبادت ہے) اور اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ نومِ انبیاء ناقضِ وضوء نہیں[1]۔ اس لئے کہ فی الحقیقت اُن کی نیند نیند نہیں ہوتی، اور یہ حکم اگرچہ انبیاء کے لئے خاص ہے، لیکن

---

[1] ردالمختار حاشیہ، درمختار میں علامہ ابنِ عابدین شامی نے اس کی صراحت کی ہے کہ انبیاء کی نوم ناقضِ وضوء نہیں ہے۔

اولیاء اللہ بھی انبیاء کے اتباع کی وجہ سے اس دولت کو پہنچتے ہیں، اور اُن کی نیند بھی نیند نہیں ہوتی، لیکن شریعت کے حکم کے مطابق وہ نیند کے بعد وضو کی تجدید کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اُس حکم میں شریک نہیں کرتے جو انبیاء کے لئے خاص ہے۔

شیخ خضر کو جب یہ مقام پیش آیا کہ وہ اپنی نیند کو بیداری پاتے تھے، اور سونے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے، اور سابقہ وضو سے نماز پڑھ لیتے تھے تو حضرت شیخ کے خادم شیخ جعفر صوفی نے حضرت شیخ سے شیخ خضر کی یہ کیفیت بیان کی، حضرت شیخ نے شیخ خضر کو بلا کر تنبیہ فرمائی کہ یہ حکم انبیاء کے لئے خاص ہے، اگرچہ تبعاً یہ دولت اولیاء کو بھی حاصل ہوتی ہے لیکن انھیں شرعاً سونے کے بعد نیا وضو کرنا چاہیئے، اور اس حکم میں دخل نہ دینا چاہیئے جو انبیاء کے لئے خاص ہے۔[۱]

شیخ جلال تھانیسری کو شب بیداری کی تلقین

شیخ جلال تھانیسری حضرت شیخ کے مرید اور اکابر خلفاء میں ہیں، اُن کے ایک سوال پر جو اُنھوں نے بیداری اور مشغولی شب کے متعلق کیا تھا، آپ نے ایک خط میں تحریر فرمایا:-

---

[۱] لطائف قدوسی۔ لطیفہ ۵۰ ص ۳۷

بیداری شب کار مردان	بیداریِ شب مردانِ حق کا
حق ست، و میدانِ طلب	کام ہے، اور محبانِ مطلق کی
محبّانِ مطلق ست، ایں	طلب کا میدان ہے۔ اس
درویش از زبان دُر بار و	درویش نے دیوانہ یگانۂ حق
گوہر نثار، دیوانہ یگانۂ حق	سبحانہ و تعالیٰ ملک یونس کی
سبحانہ و تعالیٰ ملک یونس	زبان دُر بار گوہر نثار سے
رحمۃ اللہ علیہ می شنید کہ آں	یہ شعر سُنا جو جنون کی وجہ سے
بزرگ بآں جنون کہ ہیچ	کچھ اپنے وجود کے متعلق خبر
خبر از وجودِ خود نداشت، و ہیچ	نہ رکھتے تھے، اور برہنہ
ستر بر عورت خود نمی انداخت	رہتے تھے اور فقیر کے
توجہ بدیں فقیر می کرد و می	حال پر توجہ فرماتے تھے۔
خواند ایں شعر۔ بیعت:۔	بیعت
گر روز نیابی تو ز غوغائے عرب	گر روز نیابی تو ز غوغائے عرب
شب محرم عاشقاں ست شبہاش طلب	شب محرم عاشقاں ست شبہاش طلب
عزیز من از دولتِ بیداری	عزیز من دولت بیداری
شب عاشقاں و صادقاں و	شب کی بدولت ہی عاشقوں،
مخلصاں دست بدامانِ	صادقوں اور مخلصوں نے
معشوق زدند، و بمقصود	دامنِ معشوق تک رسائی
مطلق رسیدند، و بوصول	حاصل کی ہے، اور مقصود تک

پیوستند، و واصل حق گشتند،
و ہر چہ یافتند و ہر کمال و
جمال کہ داشتند از دولتِ
بیداریِ شب داشتند،
انبیاء و اولیاء را معراج
در شب و از دولت بیداری
شب ہست مصطفیٰ علیہ السلام
در طلبِ دولت شبِ عشرہ
آخر ماہِ رمضان ہر سال
اعتکاف داشتے و در بیداری
شب، ہر شب تہجد خواستے
خلیل اللہ علیہ السلام را
در شب محرم ساختند و
در عالم تمثیل انوار ربانی
انداختند و تجلی کردند و از
آں ایں خبر دادند، فلما
جن علیہ اللیل را ی
کوکبا۔ الآیہ و حبیب علیہ السلام
را در حرم خاص و احترام

پہنچے ہیں، اور واصل ہوئے
ہیں اور جو کچھ بھی پایا ہے،
اور جو کمال و جمال وہ رکھتے
تھے دولتِ بیداریِ شب کی
وجہ سے رکھتے تھے، انبیاء
اور اولیاء کو معراجِ شب
ہیں دولتِ بیداریِ شب
ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی
حضرت مصطفیٰ علیہ السلام
آخر ماہ رمضان میں دولتِ شب
عشرہ کی طلب میں ہر سال
اعتکاف کرتے تھے، اور
بیداریِ شب کے لئے ہر شب
تہجد کے لئے اٹھتے، خلیل اللہ
علیہ السلام کو بھی رات ہی میں
محرم بنایا گیا، اور عالم تمثیل
میں انوار ربانی سے سرفراز
کیا گیا، اور تجلی کی گئی، اور
اس کے متعلق اس آیت کے

اختصاص قاب قوسین او
ادنیٰ در شب بر دند و ندا
در عالم دادند سبحان الذی
اسریٰ بعبدہٖ لیلاً از
ایں جاست کہ خطاب
مستطاب از دوست
بدوست رسید یا ایہا المزمل
قم اللیل۔ اے گلیم پوش
اے شربت قرب نوش،
اے مرد ہوش، اے دریا
نوش، اے صاحب جوش
اے خلعت لولاک پوش،
اے دوست برید از ہر چہ
جز اوست در شب بیدار
باش و در کار باش، و در
حضور مشاہدہ محرم یار باش
کہ طیلسان یغشی اللیل
والنہار سراپردۂ خاص
عاشقان است، و

ذریعہ خبر دی گئی فلما جن
علیہ اللیل رای کوکباً
الآیہ اور حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو حرم خاص اور
احترام اختصاص قاب
قوسین او ادنیٰ میں رات
ہی کو لے گئے اور عالم میں
ندا دی سبحان الذی اسریٰ
بعبدہٖ لیلاً۔ اسی جگہ سے
خطاب مستطاب دوست
سے دوست کو پہنچا یا ایہا المزمل
قم اللیل۔ اے کملی والے
رات کو قیام کر، اے شربت
قرب کے نوش کرنے والے،
اے مرد ہوش، اے دریا نوش
اے صاحب جوش، اے خلعت
لولاک کے پہننے والے شب
میں بیدار رہو، اور عبادت
الٰہی میں مشغول رہو، اور

جعلنا اللیل سکنا والنوم
سباتا خبر می دہد مردانِ طلب
را و عاشقان دردمند را کہ
شب قرار کار دوستاں
و آسائش و ثبات انسان
ست کہ دوستاں را شب
بوستان ست ۔
بیت ؎
بیدار شد ز دستِ غمت سالہائے کے
بر پائے سر نہاد و آسودہ خواب کرد
وجعلنا اللیل لباسا دوستاں
را در لباس کشد و در پردہ
برد کہ از ماسوائے اللہ در
گزرندہ با دوست
نشاند، سبحان اللہ
اسرار شب ہر چند
بیان کنند یکے از ہزار
نہ گفتہ باشند، دولتِ
بیداری شب بیداران

مشاہدہ یار کے محرم ہوکہ
یغشی اللیل والنھار
کی چادر اور آیت، و
جعلنا اللیل سکنا والنوم
سباتا مردان طلب حق کو
اور عاشقان دردمند کو خبر
دیتی ہے کہ شب دوستوں
کے لئے قرار اور آسائش اور
انسان کے لئے باعثِ ثبات
ہے، کیونکہ شب دوستوں
کے لئے مثل باغ کے ہے
بیت ؎
بیدار شد ز دستِ غمت سالہائے کے
بر پائے سر نہادہ آسودہ خواب کرد
وجعلنا اللیل لباسا دوستوں
کو اس لباس میں کھینچتی ہے
اور اس پردہ میں لے جاتی
ہے جہاں وہ ماسواء اللہ سے
گزار کر دوست کے ساتھ بٹھاتی

شب دانند۔	ہے، سبحان اللہ شب کے اسرار و لطائف جس قدر بھی بیان کیے جائیں پھر بھی ہزار میں سے ایک بھی بیان نہیں ہو سکتے، بیداری دولت شب کا لطف شب بیدار ہی جانتے ہیں۔

پھر آگے چل کر تحریر فرمایا:۔

عزیز من بارگاہ حق سبحانہ و تعالیٰ و تقدس ہر چہ یافتند آدمیاں یافتند، و ہر چہ یافتند، شب بیداراں یافتند، و ہر کمال و جمال کہ رسیدہ اند بیداران شب رسیدہ اند[1]	عزیز من! حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ سے جو کچھ پایا ہے آدمیوں نے پایا ہے، اور شب بیداروں نے پایا ہے، اور کمال و جمال کے مرتبے کو جو پہنچے ہیں، وہ شب بیدار ہی پہنچے ہیں۔

پھر آپ نے اسی خط میں آگے چل کر حضرت جلال تھانیسری کو پیر و مرید کے تعلقات پر توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ:۔

و مرید عاشق جمال شیخ گردد، یک ساعت و یک لمحہ

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ مکتوب بنام شیخ جلال تھانیسری ص ۲۱۲ و ۲۱۳۔

حجاب از وے بر خود ندارد و جان و جہان در زیر قدم شیخ باارد، و ہمیشہ مشتاق جمال شیخ بود، و کمال سعادت مرید ازیں اشتیاق ست، ایں جا صدیق رضؓ قدم بکمال رسانیدہ در غار یار غار شد، و گفت من خدائے تعالیٰ را در جانِ محمد مصطفیٰ صلعم دیدم۔

سبحان اللہ قدر پیراں مریداں چہ دانند کہ گفتہ اند کہ ہر کہ ایشاں را شناخت خدائے تعالےٰ یافت و ہر کہ خدائے تعالےٰ یافت ایشاں را شناخت، و آں قدر کہ ایشاں را شناسند، ہما بیچارہ مریداں شناسند کہ جان و جہاں بازند و سر را در قدم پیراں می اندازند و یادوست می سازند۔ بیت ؎

بگذار تا بدیدہ کشم خاک پائے تو
زیرا گذشتہٴ بسر خاکِ آں دیار

آرے مریدانِ صادق وطالبانِ مخلص در خدمتِ پیراں رنج کشند، و بدیں کمال و بدیں جمال برسند، و شیخ گردند۔

پھر اسی خط میں آگے چل کر آپ نے سلوک کے اُن مصائب اور تکالیف کو جو آپ نے خود اس راہ میں برداشت کی تھیں بیان کرتے ہوئے، شیخ جلال کو استقلال اور ثابت قدمی کی طرف

توجہ دلائی، اور لکھا:۔

وایں درویش، دل ریش سالہا رنج ایں راہ و ذل ایں درگاہ چنداں کشیدہ کہ بیانِ احاطہ آں ندارد وگوش طاقتِ سمع آں نیارد، و سالہا در آتشِ گرسنگی و تشنگی سوختہ، و چہل سال در آتشِ فقر در ہوائے عشق ایں دیگ پختہ و بتجربہ و معائنہ ایں بیت شدہ۔ بیت ؎

تا نسوزی بر نیاید بوئے عود
پختہ داند ایں سخن، بر خام نیست

عیال داشت، و ہیچ چیز از دنیا گرد نداشت و ہیچ سوال نہ بود، و ہیچ دشوار ننمود، و در لتۂ کہنہ سالہا گذرانیدہ شد، در مسکنِ ماراں و موشاں مسکن داشتے، و ہیچ مخلوق ہیچ التفات نداشتے و در خدمت سالہا ذلِ گِل کشی و آب کشی و ہیزم تراشی و جاروب زنی و جز آں بسر بردہ و جان و تن را بخشکی سپردہ، اما ادبار دامن نگذاشت و جز افلاس ہیچ نیافت، مدبر بیچارہ را مقبل کہ کند، راندہ بیچارا باز کہ خواند، روز و شب در نالہ و زاری ست، و سالہا ست کہ دریں خوار است، ہیچ مشفقے بریں خراب شدہ رحمے نمی کند و ہیچ مکرے دستگیرے نمی شود آہ ہزار آہ وا ویلاہ وا مصیبتاہ۔

اما ہر چند چنین ست بندہ و بردہ مردان راہ خدائے ست، ہم بریں زندہ ست، وہم بریں جنبندہ ست، وتا ابد ہم بریں پویندہ ست۔

پھر اسی خط میں شیخ جلال کو سوال سے نفرت دلاتے ہوئے لکھا:

عزیز من! از سوال دور باید بود وازآں نفور باید نمود۔[1]

صوفیائے خام پر تاسف

پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے صوفیائے خام اور علماءِ سُوء طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا تھے، اور ان کی گمراہی کا اثر عوام پر پڑ رہا تھا اس صورتِ حالات پر تاسف کرتے ہوئے اپنے ایک مرید شیخ عبدالرحمان کو لکھتے ہیں:—

امروز از بدروز ماست، پیری ومریدی از کجا ایں ہمہ جنبت پرستی وخود پرستی نیست، والعیاذ من ذالک۔

امروز درویشی بلقمہ فروشی ست، بار خدایان را خدائے تعالےٰ ازیں درویشی ودین فروشی توبہ دہد، اول

---

[1] یہ تمام عبارتیں اس مکتوب کی ہیں جو شیخ نے حضرت جلال تھانیسری کے نام اُن کے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا (منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۴۱ تا ص ۴۹۔

بارے مسلمانی درست کنیم وبعدہ درویشی[1]

شیخ احمد مطھن سدہوری کو ایک خط میں صوفیاء حق پرست کے فقدان اور صالح علماء کی کمیابی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

وایں خود امروز واقعہ ست کہ ایشاں امروز ناپدید شدہ اند۔ بیت ؎

پیر ہم ست ایں زماں پنہاں شدہ
ننگِ خلقاں دیدہ ور خلقاں شدہ

اپنے دور کے علماء کی علمی سطحیت پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا:۔

وایں ہم روزگار ادبار ما ہد بران ست کہ چند ورق از کتاب خوانند، ولغت وترجمہ دانند وزبان بجنبانند، وخود را عالم خوانند، واہلِ کمال وحال دانند، وآں ہمہ جہالت ست نہ علم[2]

تردی بیگ کو ایک نصیحت

تردی بیگ جو مغلیہ دور کے مشہور اعیان واکابر

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ہژدہم در جواب شیخ عبدالرحمٰن ص ۵۷

[2] منتخب مکتوبات قدوسیہ مکتوب نوزدہم در جواب مراسلہ احمد مطھن سدھوری ص ۶۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

سلطنت میں تھا، اُس کو ایک خط میں حضرت شیخ اسلام کی گری ہوئی حالت سنبھالتے علماء و مشائخین کی عظمت، بلند کرنے اور ملک سے ظلم کی بیخ کنی اور عدل و انصاف سے آراستگی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الشکر للہ بدیں دولت امروز آں عزیز محظوظ ست، و بادشاہ اہل اسلام و اعوان و ارکانِ دولت سلطنتِ وے مکرمان و محسنان اند، توقع تمام ست کہ دریں روزگار رونقِ اسلام و عزت علماء و مشائخ برفعت شتابد، و ظالمان و مفسداں مخذول و مردود گردند، و ملک بعدل و انصاف آراستہ گردد، و بآرام و قرار پیراستہ شود۔ ؎

علماء سوء کے متعلق حضرت شیخ کا اظہار خیال

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مجدد حضرت قطب عالم شیخ عبد القدوس گنگوہی نے رشد و ہدایت کی شمع ایسے زمانے میں روشن کی، جب کہ زندگی سکہ رواں میں تبدیل ہو رہی تھی علماء سوء اپنے علم کو دنیا کے حصول کا وسیلہ بنائے ہوئے تھے، اور وہ جاہ و منزلت کے حصول کے لئے اپنے علم کو امراء کے قصائد

؎ منتخب مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب بیست و نہم در جواب مسئلہ میر نردی ص ۹۱

اور اپنی تصانیف کو اُن کی مدح میں ڈھال رہے تھے، وہ اپنے ایک خط میں جو شیخ محمد مودود کے نام ہے، اُن کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

ایں فقیر سرگرداں روزگار ست، ہیچ تحصیل ندارد، وعمر در بیابان وخرابہ گذرانید و بجہل آخر شد، کار ایں مدبر بریں گونہ ست بیت:۔

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم
چند خود را تہمت دینِ مسلمانی نہیم

ما مدبران را جز غم شکم و روزی نیست، و ہیچ بہرہ روزی نیست، دنیا را دین خود ساختہ ایم و قبلۂ خود داشتہ آیئم، دین کجا و اسلام کجا حال و مقام کرا، علم و عمل چہ باشد بیت:۔

چوں ز دل دنیات دور افگندہ نیست
جائے تو جز دوزخِ سوزندہ نیست

چنانکہ امروز پدید آمدہ است، علم را وسیلۂ دنیا کردہ اند، و تصانیف و قصائد برائے اہلِ دنیا می پردازند، و از ایشاں طلب دنیا و طمع دنیا می دارند، ایں طائفہ نزد اہلِ حق دشمنانِ حق تعالیٰ اند، واللہ المستعان۔

می آمدند از مریدان حضرت شیخ جنید برائے ملوک مکتوبے نوشت، روئے وے سیاہ شد، و کار وے تباہ شد آں مرید

چوں صادق بود در توبہ بصدق برخاست و زار زار بگریست تا کار اصلاح باز گشت [1]

حضرت شیخ کی نظر میں شاہان اسلام کے اوصاف

ایک خط جو آپ نے میر محمد کو مسئلہ ذبح اور کراہت گوشت اسپ کے متعلق اُن کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا، اس خط کی ابتداء میں اس پر اظہار خیال فرمایا ہے کہ مسلمان بادشاہ کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے :-

بدانکہ چوں مقرر ست کہ الناس علی دین ملوکھم پس ملوکان و عاملان اسلام را شاید و باید کہ در احکام شرائع احتیاط تمام کنند، تا ہر خاص و عام در شرائع اقدام نمایند، و بشرائع آراستہ و پیراستہ گردند، و اسلام رونق گیرد، و علماء و صلحا عزت پذیرند، و یکے از امور دین ذبح ست۔

تمھیں جاننا چاہیئے کہ جب یہ اُصول مقرر ہے کہ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) پس بادشاہوں اور عاملوں کو چاہیئے کہ وہ احکام شرع کے ادا کرنے میں پوری پوری احتیاط کریں، تاکہ اُن کو دیکھ کر عوام و خواص بھی شریعت کے پابند ہوں اور لوگ شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہوں اور اسلام کی رونق ہو، اور علماء و صلحا کی عزت ہو، انھیں امور دین میں سے ایک مسئلہ ذبح بھی ہے

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب سی و یکم در جواب محمد مودود۔

اُنیسواں باب

حضرت شیخ کی وفات

وفات سے تین سال پہلے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ حضرت شیخ نے اپنی وفات سے تین سال پہلے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا، اور کسی سے گفتگو نہ فرماتے تھے، ہمیشہ عالمِ محویت اور بے خودی میں رہتے تھے ایک روز میں نے اور میرے بھائی شیخ احمد نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں آپ کے سکوت اور انقطاعِ خلق کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اگر آپ اس کی وجہ بیان فرمائیں تو ہمیں بھی ایک لطف و بصیرت حاصل ہو گی، آپ نے فرمایا، بابا میں نے اپنے دل کو ذکرِ حق میں بیحد مصروف رکھا ہے، اب میرا تمام وجود ذکر کا دریا ہو چکا ہے جس وقت دریائے فنا موجیں مارتا ہے، اور غرق

کر دیتا ہے، اُس وقت عالمِ شہادت کو ہمارے سامنے سے ہٹا کر ہمیں دوسرے عالم میں لے جاتے ہیں، اور میں مشاہدۂ حق کرتا ہوں جو مجھے اس عالم میں آنے نہیں دیتا، پھر حضرت شیخ رکن الدین بیان کرتے ہیں کہ اُس زمانے میں بھی اس قدر محویت اور عالمِ بیخودی کے باوجود اتباعِ شریعت میں ذرّہ برابر فرق نہ تھا، اور حسبِ عادت آپ آدابِ وضوء، نماز اور روزے کا بیحد خیال رکھتے تھے، اسی کے ساتھ نسیان اور محویت بھی کمال درجے پر تھی، ہر نماز کے وقت پر آپ کو اطلاع دی جاتی تھی کہ فلاں نماز کا وقت ہے، اور اس نماز کی اتنی رکعتیں ہیں۔

اُسی زمانے میں ایک روز آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، پائے مبارک میں لغزش ہوئی، آپ کو سہارا دیا گیا، اور عرض کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اچھی طرح قیام نہیں فرما سکتے، آپ نے فرمایا کہ فنا کی موجیں وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں اور مجھے ہوش میں نہیں آنے دیتیں۔[1]

ضعف اور کمزوریِ بصارت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں آپ پر ضعف بیحد غالب تھا، ایک خط میں شیخ عبدالرحمان کو خط نہ لکھنے کی معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ بصارت میں بھی کمی واقع ہو گئی ہے۔

---

[1] لطائف قدوسی ص ۶۸ لطیفہ ۸۵

وآنچہ نبشتہ بودند کہ جواب عریضہ سابقہ صادر نشد، لائح باد، ایں فقیر را در نبشتن مکتوب معذور دارند کہ گم شدہ خراب گشتہ ست، چہ نویسد، و چشم نیز خیرہ شدہ ست، مع ذلک اگر کسے کاغذ و دوات بیارد ایں فقیر املا کند، او بنویسد، و ہذا تکلف[1]

اور تم نے جو لکھا ہے کہ پہلے عریضے کا جواب نہیں ملا، تو واضح ہو کہ اس فقیر کو لکھنے میں معذور سمجھو کہ کمزور اور ضعیف ہو چکا ہے، کیا لکھے، اور آنکھیں بھی کمزور ہو چکی ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی کاغذ اور دوات لے آتا ہے یہ فقیر بولتا ہے، اور وہ لکھتا جاتا ہے، اور یہ ایک قسم کا تکلف ہے۔

وفات سے ایک سال پہلے

حضرت شیخ رکن الدین کی روایت ہے کہ حضرت شیخ صائم الدہر تھے اور مجھے چالیس سال کی مدت میں یاد نہیں کہ آپ نے دن میں کھانا کھایا ہو مگر، تمام سال میں ایام منہیہ میں یعنی عیدین کے دو روزہ اور تین روز عید اضحیٰ کے یعنی صرف پانچ روز روزہ نہیں رکھتے تھے، اور کبھی کبھی کھانے کے وقت اسرارِ معرفت بیان فرماتے تھے، اور جب آپ کھانے پر اسرارِ معرفت بیان فرماتے، آپ کو

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ مکتوب سی و ششم در جواب مکتوب شیخ عبدالرحمان ص ۱۰۷

اُس وقت مطلق خبر نہیں ہوتی تھی کہ آپ نے کھانا زیادہ کھالیا ہے پھر بھی آپ کو کھانے سے سیری نہیں ہوتی تھی، اُس وقت جو لوگ حاضر ہوتے تھے، وہ اپنے دل میں خیال کرتے تھے کہ آج حضرت شیخ نے زیادہ کھانا کھایا ہے، حضرت شیخ اُن کے خطرے کو محسوس کرکے فوراً ہی فرماتے کہ مجھے اس طرح کھاتے ہوئے دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ میں بہت کھاتا ہوں، حالانکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میں نے کیا کھایا ہے اور کتنا کھایا ہے، پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے، اور کبھی کبھی چند روز صرف چند لقموں پر اکتفا فرماتے، اور اُس زمانے میں لوگوں سے انقطاعِ تعلق فرماتے، اور خموشی اختیار فرماتے تھے۔

سنہ ۹۴۳ھ میں (وفات سے ایک سال پہلے) پینتالیس روز تک آپ نے مطلقاً کھانا نہیں کھایا، یہاں تک کہ کھانے کی خوشبو آپ تک نہ پہنچ سکی، لیکن اِس ترکِ طعام کے باوجود نماز اور عبادت کے معمولات میں کچھ فرق نہ آیا، جب آپ سے کھانے کے لئے عرض کیا جاتا، آپ فرماتے ہماری قوت اور طاقت کھانے پر منحصر نہیں، تم اس کے متعلق مطلقاً اندیشہ نہ کرو، کھانا اور نہ کھانا ہمارے لئے برابر ہے، اسی ضمن میں دو تین مرتبہ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم بہشت میں گئے تھے، اور ہم نے وہاں کچھ چیزیں کھائیں، جب آپ سے پوچھا جاتا کہ وہاں آپ نے کیا

چیزیں نوش فرمائیں تو فرماتے کہ دنیا میں اُن چیزوں کی مثل کوئی چیز نہیں کہ جس کا نام لے کر تمھیں بتا سکوں، اُسی زمانے میں ایک روز آپ کے صاحبزادے شیخ احمد نے بعد نماز مغرب آپ سے کھانے کے لئے بیحد اصرار کیا، اُن سے فرمایا کہ نہ کھانے سے ہماری قوتِ ظاہری میں کوئی فرق نہیں آتا۔[۱]

مرض الموت اور وصال ۱۵ر جمادی الآخر ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں دوشنبہ کے دن کہ اس روز حضرت مخدوم العالم حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی کا عرس تھا، حضرت شیخ کو جاڑے کے ساتھ بُخار آیا چار روز تک سخت بُخار رہا، پانچویں روز جمعہ تھا، آپ جمعہ کے دن کچھ دیر سوئے، اُس روز مزاج کچھ رو بصحت تھا، پھر نماز جمعہ ادا فرمائی، نماز جمعہ کے بعد پھر آپ کو بُخار شروع ہوا چار روز تک پھر بُخار آتا رہا۔ آخر ۲۳ر جمادی الآخر ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء[۲] کو چاشت کے وقت چوراسی سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرض الموت میں بھی آپ نے عبادات اور معمولات میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ محویت اور بےخودی کی کیفیت

---

[۱] لطائف قدوسی ص ۶۹ تا ۷۰ لطیفہ ۸۶

[۲] اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں آپ کا سنہ وفات ۹۴۵ھ درج ہے، جو "لطائف قدوسی" کی شہادت کے پیش نظر غلط ہے۔

کمال پر تھی، لیکن اس عالم میں بھی آپ رات کو کئی کئی مرتبہ تجدید وضو کرتے اور تحیۃ الوضوء پڑھتے تھے، اس وقت بھی جبکہ جانِ پاکِ مبارک سے نکل چکی تھی وضو کے لئے اشارہ فرمایا وضوء کرنے کے بعد دوگانہ ادا فرمایا، رکوع و سجدہ اشارے سے کیا۔ اور اُسی بے خودی کے عالم میں جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

وفات کے بعد کی کیفیت

آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ غسل کے بعد جب آپ کو کفن پہنایا گیا، میں خود حاضر تھا، میں نے حضرت قطب عالم کے سینے پر ہاتھ رکھا، اُس وقت بھی میں نے حرکتِ قلب اور ذکر الٰہی کو جاری پایا۔[۱]

مزارِ مبارک

آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور (یوپی) محلہ سرائے میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ روضۂ مبارک میں جو قبریں ہیں، اُن کی تفصیل

---

[۱] لطائف قدوسی ص ۷۰ و ۷۱ لطیفہ ۸۷

اور نقشہ یہ ہے:۔

نقشہ نظری روضۂ شریف قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

شمال

مزار فتح اللہ صاحبزادہ شیخ عبدالصمد	مزار عبدالصمد صاحبزادہ شیخ حمید الدین	مزار شیخ حمید الدین صاحبزادہ کلاں	مزار اہلیہ حضرت شیخ عبدالقدوس	مزار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

مزار فیض اللہ صاحبزادہ عزیز اللہ	مزار عزیز اللہ صاحبزادہ شیخ رکن الدین	مزار شیخ علی صاحبزادہ شیخ عبدالقدوس	مزار شیخ رکن الدین صاحبزادہ شیخ عبدالقدوس

دروازہ

مزار شیخ محمد محدث صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

مزار شیخ عبدالسلام صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

عرس

۲۱ر تا ۲۳ر جمادی الآخرہ کو آپ کا عرس نہایت شاندار طریقے پر ہوا کرتا ہے۔ ۲۴ر جمادی الآخرہ کو حضرت شیخ کے پیرہن، جبہ شریف اور دوسرے آثار و تبرکات کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اس وقت حضرت شیخ کی درگاہ کے دو سجادے ہیں۔ حکیم تمیش احمد کیف بڑے سجادے کہلاتے ہیں، اور جناب امتیاز جہاں[1] چھوٹے سجادے ہیں۔

آثار

دونوں سجادوں کے یہاں حضرت شیخ کے کچھ آثار و تبرکات محفوظ ہیں۔

---

[1] اس مسودے پر جب میں نظر ثانی کر رہا تھا، اچانک میں نے اخباروں میں شاہ امتیاز جہاں کی وفات کی خبر پڑھی۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔
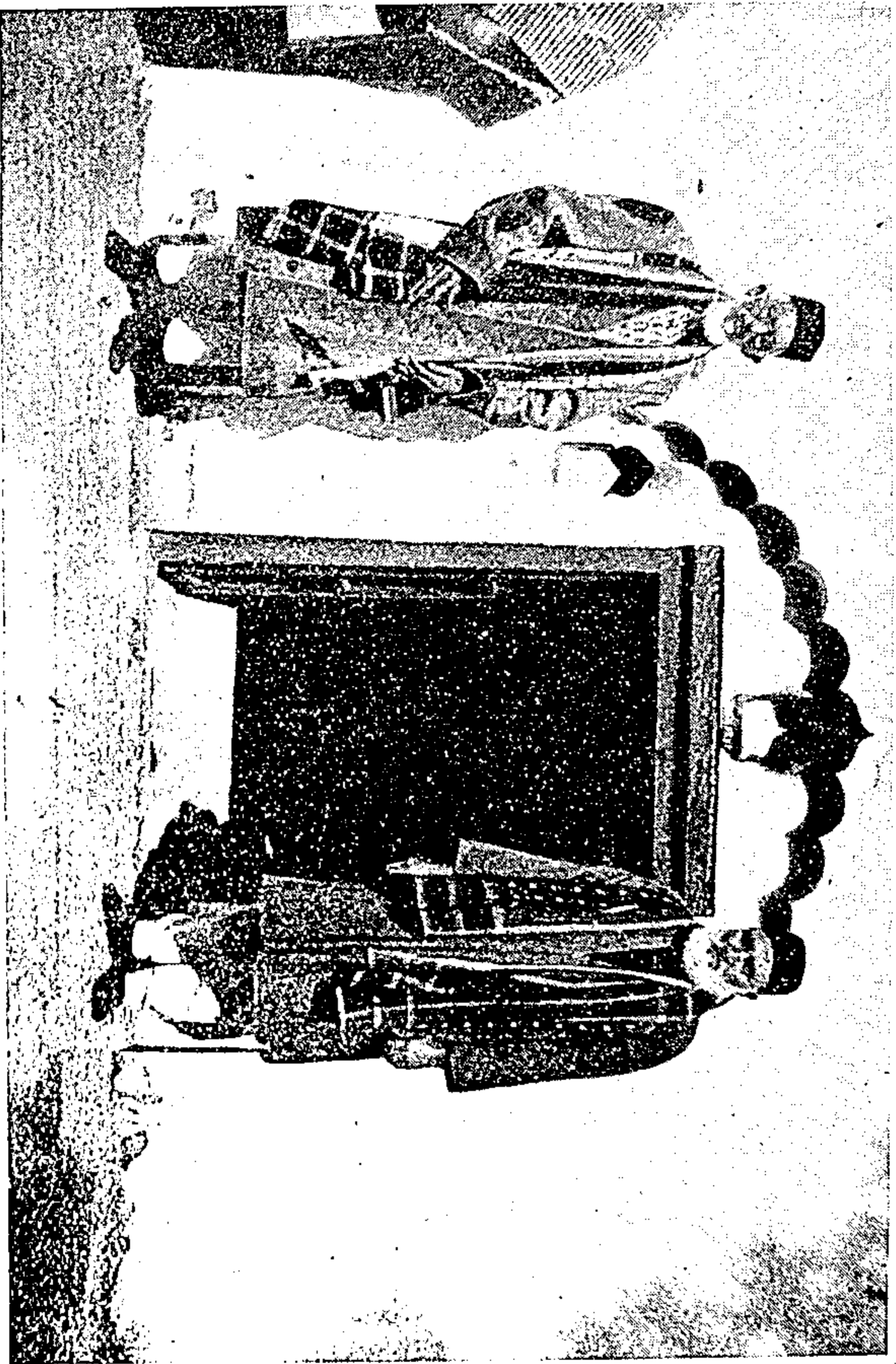
درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کا صدر دروازہ جس کے دائیں جانب شاہ امتیاز جہاں مرحوم سجادہ درگاہ اور بائیں جانب حکیم قمیش احمد صاحب ''کین'' سجادہ درگاہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی کھڑے ھیں۔ (بشکریہ شاہ اقبال جہاں صاحب قدوسی)

بیسواں باب

حضرت شیخ کی فارسی اور ہندی شاعری

فارسی شاعری

قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی بحیثیت فارسی اور ہندی شاعر کے ایک خاص مقام رکھتے ہیں، لطائف قدوسی میں ہے کہ آپ کے فارسی دیوان کا مجموعہ سلطان بہلول اور سلطان حسین کی لڑائیوں میں ضائع ہو گیا تھا[1] لیکن آپ کی تصانیف اور مکاتیب میں اشعار کثرت سے ملتے ہیں، جن کے متعلق آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ آپ ہی کے ہیں۔ فارسی میں آپ قدوسی اور احمدی تخلص فرماتے تھے، حضرت شیخ کو قدرت کی جانب سے ایک والہانہ طبیعت عطا فرمائی گئی تھی، عشق آپ کے خمیر میں تھا، جذبات عشق و محبت کو جہاں بھی آپ نے اپنے اشعار میں سمویا ہے

[1] لطائف قدوسی ص ۱۰۰

وہیں اثر و تاثیر کے لحاظ سے شعر کو ایک نئی کیفیت بخشتی ہے، آپ کی فکر رسا نے تصوف کے مشکل مسائل اور نکات کو اپنی شاعری میں حسن و دل کشی کے سانچے میں اس طرح ڈھالا ہے کہ پڑھنے والا ایک نیا لطف محسوس کرتا ہے۔ آپ کے کلام میں بھرپور رچاؤ، لذت، کیفیت، سادگی، دل نشینی، سوز و گداز اور اثر آفرینی ہے، شاعری کا اخلاقی، لب و لہجہ بہت بلند ہے جس میں آفاقیت بلندی اور عظمت پورے طور پر محسوس ہوتی ہے۔ وحدت الوجود آپ کی شاعری کا موضوعِ خاص ہے، اور دسویں صدی ہجری میں اس فلسفے کی اشاعت میں آپ نے جس انداز سے حصہ لیا ہے، اس پر آپ کی شاعری اور تصانیف شاہد ہیں، ہم آپ کی چند غزلیں نقل کرتے ہیں، جن سے آج بھی سماع کی محفلیں گونجتی ہیں۔ اور جنھیں اب بھی اہلِ نظر اور صاحبِ حال سرمایۂ تسکینِ دل و جان بنائے ہوئے ہیں ؎

آستیں بر رو کشیدہ ہمچو مکّار آمدی
با خودی خود در تماشا سوئے بازار آمدی

در بہاراں گل شدی در صحنِ گلزار آمدی
بعد ازاں بلبل شدی با گریۂ زار آمدی

شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا
خود زدی بانگ انا الحق خود سرِ دار آمدی

خویشتن را جلوہ کردی اندرین آئینہا
آئینہ ہمش نہادی خود باظہار آمدی
گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی، خود گرفتار آمدی[1]

اِس آخری شعر پر اجمیر شریف کی ایک محفل سماع میں، صوفی محمد حسین الہ آبادی نے عالمِ وجد میں وصال فرمایا۔

ایک دوسری غزل میں وحدت الوجود کے نظریہ کو آپ ایک نئے انداز سے پیش فرماتے ہیں ؎

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو
چوں نہ گویم چوں مرا دلدار می گوید بگو
آنچہ نتواں گفت اندر صومعہ بازاہداں
بے تحاشا بر سرِ بازار می گوید بگو
بندۂ قدوس گنگوہی خدارا خود شناس
ایں ندا از غیب با اصرار می گوید بگو

ایک غزل میں درویشی اور فقر کی حقیقت کو بیان فرماتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوئے ہیں ؎

درویش نیست آنکہ بخسپد خورد چو خر
درویش سِرِّ حق بود از روح پاک تر

---

[1] اس غزل کے لئے میں اپنے دوست شیخ افضال محی الدین صاحب کا ممنون ہوں۔

درویش ہر چہ ہست تجلی وجود اوست
از عرش برتر است و ز کرسی فراخ تر
درویش را مقام ہمہ عز و کبریاست
فہم بشر چہ گنجد ازاں وصف نامور
درویش غوطہ خورد دید دریائے فرد حق
درویش گشت فارغ از بود خشک و تر
درویش راست بودہ و نابودہ مستوی
دل در حضور دائم و مژگاں ہمیشہ تر
درویش در عبادت دائم بروز و شب
درویش نیست آنکہ بخسپد خورد چو خر[1]

ذیل کے چند اشعار میں آپ نے نہایت ہی عمیق اور بلند خیالات کو انتہائی سادگی اور دلکشی کے ساتھ پیش فرمایا ہے ؎

اے طالباں بدانید اے طالباں بدانید
من عشق حق گزیدم اے طالباں بدانید
من خون خود بخوردم من جان و تن بخستم
من راہ حق بر فتم اے طالباں بدانید
من رنجہا بدیدم، من تعبہا کشیدم
من دردمند عشقم اے طالباں بدانید

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۵۴ مکتوب در جواب مسالہ شیخ جلال تھانیسری۔

من کارہا بکردم ۔ من بارہا برفتم
در کوئے یار گشتم اے طالبان بدانید
من طشت خوں بکردم، من درد دل بخوردم
من صدقِ حال گفتم، اے طالبان بدانید
من طالبِ خدایم، من در خدا گدایم
من عاشقِ لقایم، اے طالبان بدانید
مارا خدا بباید دیگر مرا نشاید
من عاشقِ خدایم، اے طالبان بدانید
من شیرِ عشق خوردم در طفل گاہوارہ
من عاشقِ الستم، اے طالبان بدانید
من تیرِ عشق خوردم، من جاں ہدف بکردم
من در امانِ عشقم، اے طالبان بدانید
من دل بحق سپردم، از خویشتن برفتم
بر سرِ حق رسیدم، اے طالبان بدانید
من در حضورِ حقم، من در سرورِ حقم
من ذوقِ حق چشیدم، اے طالبان بدانید
من در فنا رسیدم، سلطانِ ذکر دیدم
در محوِ غیر گشتم، اے طالبان بدانید
حقا کہ حق بدانم، جز حق دگر نخوانم
من غرقِ بحرِ شوقم، اے طالبان بدانید

من چہل سال پختم، این دیگ در ہوایش
من در ہوائے عشقم، اے طالباں بدانید
من روز و شب ندیدم جز رنج راہِ الفت
با دوست ہم نشینم، اے طالباں بدانید
من خورد سال بودم در راہِ حق فتادم
جویائے حق بگشتم، اے طالباں بدانید
پنجاہ و پنج عمرم یار ارسید اکنوں
من مستِ عشق حقم، اے طالباں بدانید
سرّے گرفت ما را من سر بداں نہادم
در سِتر یار گشتم اے طالباں بدانید
من احمدی فقیرم من زلفِ یار گردم
من زار زار میرم، اے طالباں بدانید

حضرت شیخ کی مندرجہ ذیل غزل اُن کے درد و سوز و گداز کی بہترین ترجمان ہے، اثر انگیزی اور اثر آفرینی کے اعتبار سے بھی اس غزل میں از دل خیزد و بر دل ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے ؎

اے یارِ دل فریب کہ جاں ہاست جائے تو
دلہاست بندِ زلفِ تو سلطاں ست رائے تو
ہر مُرغ در جہاں کہ پر و بال می زند
در دامِ خال تست بطیراں ہوائے تو

من در ہواء عشقِ تو خونِ جگر خورم
دل را بیار داد و قرباں برائے تو
جاناں خیالِ روئے تو خالِ جگر شدہ
من در خیال روئے تو گرداں برائے تو
ترکِ خیال روئے تو ملکِ دلم گرفت
بر ملک دل نشست سلیماں برائے تو
نقشِ خیال روئے تو خالِ جگر شدہ
خالِ خیال بر دلِ حیراں برائے تو
آن نازنینِ حسن تو ما را ہمی شناخت
عقل و دلم بکرد اسیرانِ رائے تو
ما در ہوائے عشق بصحرائے دل شدیم
در باغِ دل شگوفہ زریحاں برائے تو
حسن و جمالِ روئے تو دل بر دز احمدی
اے یار دلفریب کہ جاں ہاست جائے تو

جذباتِ عشق سے مجبور ہو کر حسنِ مطلق کو اس طرح سراہتے ہیں ؎

در حسن تو رفتند بسے جانِ حسنہا
نہ آں حسن کہ بر جعدِ تو پیداست شکنہا
کس نیست کہ در حسنِ تو حیراں و غمیں نیست
اے وائے کہ در حسنِ تو پیداست فتنہا

سوزِ عشق، اور دردِ محبت سے بیقرار ہو کر فرماتے ہیں:۔

درشورِ عشقِ جاناں غمہائے ہر دو عالم
دردے ست درد مارا در جام ہستِ عالم
در شوقِ دوست یارب جاں برکنم بہردم
تا جانِ جاں نیابم با جان و دل بنالم
از جان و دل گذشتم بر ہستِ جاں برفتم
دیدیم ہستِ حق را حق ست جملہ عالم

حضرت شیخ کی تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی چند غزلیں اور اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اللہ ترا باش و کرم ہیچ مبادا
دیگر چہ بود زیں دگرم ہیچ مبادا
گر یک نظرِ دوست بما ہست چو شاہم
دیگر چہ بود زیں دگرم ہیچ مبادا
آنجا کہ توئی مطلب مطلوب تو ما باش
دیگر چہ بود زیں دگرم ہیچ مبادا

گرچہ تو چوں ابرِ زر باریدۂ بر بحر و بر
لیک بخت بے نصیب ما نہ گشتہ بحر و بر
بر کہ نالم، بر کہ گویم دردِ جاں، اندوہِ دل
چوں نمی یابم دوا از غیر را کلّی اثر

تا چو از من رفتۂ من در فراق افتادہ ام
دائما حیران و سوزاں میخورم خونِ جگر

خود بخود خود می نماید خود ترا — تو غلط کردی بخود چوں و چرا
او چو بیچوں ست چوں او را بجوی — چوں بود بے چوں بجو بیچوں درا
چوں کہ چوں را چوں نہ دانی خود ہمہ ست — ایں چنیں دیدن نکو باشد ترا
کیست تا از جانِ خود بیجاں شود — راز جہانِ خود زود باشد درا؟
ورنہ گاؤ خر بود اندر جہاں — آمدن رفتن بود شیوہ ورا
انس را چوں خواند حق سرِ صفت — انس باشد چوں نباشد چوں درا؟

احمدی در کارِ حق جاں را بباز
تا شود حق یار ہم مونس ترا

دانۂ ایں دام ہمی زہر جاں ست — مہلکہ خویش نگارا مباش
نیز ہماں نہی و لا تقربا ست — مرتکبِ جرم خدارا مباش

احمدا غیر خدا ہر چہ ست
می شکن و غیر خدا را مباش

در صفِ میدانِ تو چوں تاختم — گرد زِ عدم تارکِ سر یافتم؟
عقل و دل سرِ خفی و روح را؟ — حاشیہ کوئے تو پے کردہ یا
بے سر و بے پا بدر رفتہ ایم — ما کہ تہی دست بتو بردہ ایم
چارۂ من ساز زمن درگذر — در خمِ چوگانِ تو دار یکیم مہر

بادِ صبا را بچمن باز کن   بُوئے گُل بستہ مرا باز کن

احمدیا را بسخن فتح دہ
مُرغ چمن را بگلم سطح دہ

نقش تو در دل و جانم گرفت   نقش دگر روئے نہانم گرفت
جز تو رُخِ حور نشاید مرا   شوقِ رُخت چونکہ بجانم گرفت
شکلِ تو بنشت بچشم چناں   در ہما آفاق ہمانم گرفت
جز تو بنا در نظرم ہیچ نیست   بہرِ وجودِ تو جہانم گرفت
روشنیِ مہر بہ از مہر تافت   مہر و مہ نور روانم گرفت
ظلمتے شب کہ بگیرد جہاں   زاں سرِ زلف ست کہ جانم گرفت
عشق تو تا در سرِ من اوفتاد   زلزلہ در جملہ جہانم گرفت
جان و دلم ہر دو فدائے تو شد   حُسنِ رُخت چونکہ بجانم گرفت
روئے تو چوں تیغِ خدت بر کشید   سر زتن و عقل زجانم گرفت
خونِ جگر ریختہ جیحوں شدہ   چوں خمِ ابروت کمانم گرفت

احمدیا دردِ دروں بر فزود
ولولۂ عشق چو جانم گرفت[1]

احمدا تا در نباری مال جاہ و جان و تن
ہرگز از عشقت نباشد شمہ اندر مشام[2]

---

[1] در مکنون ترجمہ انوار العیون مؤلفہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ص ۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی
[2] " " " " " " " ص ۴۷ " " "

لطائف قدوسی میں ہے کہ ابتدائی دور میں حضرت شیخ چاہتے تھے کہ معراج کے متعلق کچھ نظم فرمائیں، اس موضوع پر ایک مصرع آپ نے فرمایا۔ ع "لیلۃ اسریٰ کہ ز معراجِ اوست"

آپ دوسرے مصرعے پر غور فرما رہے تھے، لیکن کوئی مصرع بہم نہ پہنچ سکا، رات کو آپ نے پھر دوسرے مصرعے پر غور فرمایا، اچانک غیب سے آواز آئی کہ لکھو:۔

لیلۃِ اسریٰ کہ ز معراج اوست　　　نورِ خداوندِ جہاں تاج اوست

اس شعر میں پہلا مصرع حضرت شیخ کا ہے، اور دوسرا مصرع عطائے غیبی ہے، پھر معراج کے متعلق جو اشعار آپ نے ارشاد فرمائے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

اشعار متعلقہ معراج

لیلۃ اسریٰ کہ ز معراج اوست　　　نورِ خداوندِ جہاں تاج اوست

"کنت نبیاً" کہ علم برکشید　　　آدم ومن دون فرو درکشید

رفت باقصیٰ وز اقصیٰ برفت　　　نورِ جہاں جملہ ز اقصیٰ برفت

رفت بجائے کہ دوئی دو نہ بود　　　دیدہ خدا را نہ خدا دور بود

نخل بلندست ثمر در سما　　　قطع امیدست برآں دست ما

زہر کرا دست درازی کند　　　شاخ فلک دست کہ بازی کند

روز شب گشتہ گہبان بسے؟　　　کشتہ شود چوں کہ بہ بیند کسے

در جان ہاست جائے تو، تاکس نہ بیند پائے تو
پنہاں شدی از پیش ما، چوں مست ہستم با ہتاب

رُباعی

تا نہ شود مغز سری زیرِ پا — کے برسد کس بدرِ کبریا
ہم برسی نیز اگر احمدی — سہل شدہ رنج تو یا مرحبا

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے تلاوت کے لئے اپنے کسی دوست سے قرآن مجید کا ایک نسخہ طلب کیا، اُس دوست نے قرآن مجید کا ایک نسخہ آپ کے پاس بھیجا، پھر یہ نسخہ چند دن کے بعد کسی وجہ سے آپ کے پاس نہ رہا۔ اُس وقت حضرت شیخ نے ایک قرآن مجید اپنے قلم سے لکھا، اسی سے آپ تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت شیخ کے قلم کا لکھا ہوا قرآن مجید بعد میں آپ کے صاحبزادے شیخ حمید کے کتب خانے میں رہا، اور غالباً اِس وقت یہ نسخہ جناب شاہ انتیاز جہاں مرحوم کے گھر میں موجود ہے۔ جو شیخ کی درگاہ کے چھوٹے سجادے تھے، حضرت شیخ کے عرس کے موقع پر اُس کی زیارت کرائی جاتی ہے، حضرت شیخ نے حسب ذیل اشعار اُس موقع پر کہے تھے، جب آپ کے دوست نے آپ کی فرمائش پر قرآن مجید کا نسخہ آپ کو روانہ کیا تھا ؎

یک کریے از کریے دُرِّ مکنوں خواستہ — سالہا در فکر دل آں نور مخزوں داشتہ
ناگہاں آں مسئلہ بر طالع دوراں رسید — سور طالع مرحبا با مرحبا گویاں دوید[1]

---

[1] لطائف قدوسی ص ۱۰۰-۱۰۱
حضرت شیخ کے فارسی کے تمام اشعار لطائف قدوسی ص ۹۶ تا ۱۰۰ سے ماخوذ ہیں۔

ہندی شاعری حضرت شیخ ہندی کے بھی عظیم المرتبت شاعر تھے، ہندی میں آپ "الکھ داس" تخلص کرتے تھے، حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنی "کتاب" "پنجاب میں اُردو" میں آپ کے چند ہندی کے دوہے نقل کیے ہیں، ان دوہوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان صوفیائے کرام میں تھے جنھوں نے اُردو کے ابتدائی نشوونما میں حصہ لیا ہے، آپ کے ہندی کلام میں بعض وہ الفاظ ملتے ہیں جو آج اُردو میں رائج ہیں، اس لئے حضرت شیخ کا شمار اُردو کے محسنین میں ہوتا ہے، ہم آپ کے چند دوہے، بطور نمونہ کلام پیش کرتے ہیں ؎

سرود در پردہ پوربی

دھن کارن پی آپ سنوارا   بن دھن کنت کنھارا

شہ کھیلے دھن باہنیں اوال   باس پھول منہ اچھے جیوال

کیوں نہ کھیلوں تج سنگ تیا   مجھ کارن تیں اپنا کینا

الکھ داس آکھے سن ہوی

سوی پاک ارتھ ہین ہوی

شبد

ایک تنہیں انت بھیلی آپلی آپ بیاہی

سجنہ سجنہ کینا سنبھو براناا یام سرا جنوائی

دوہرہ

ایک اکیلا آپ سو جس تھیں یہ سنسار
آتھ نیا تھ تھول سو سبھی ایک انکار

دوہرہ

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں اور نکوی
دیکھا بوجھ بچار منھ سبھی آپیں سوے
جیسو کلنیہ آئینہ منو تھیو تیسو پند تبدیں نرمیو
باہر بھیتر کہاں جائے سرب ترنتر ایکی کائے
چت پانی ست مالت اہنس پوچھا اچھی ابھول
پوچھا ہیں لاؤ بیسو کھیو سرب ترنتر آپس دیو

شبد

جل تھل مہیر ادر اکاس	پی سرب ترنتر تورے پاس
توہ چھاڑ سا کھ کہواں جانوں	جنمہ رجانوں تنھ تورا تھانوں
باہر بھینر کہاں نہ جائے	سرب ترنتر ایکی کائے
الکھ داس آکھے مور کنت
دنہہ جک سکھی رات لبست

شبد

جان اجان سبھ کھیلتہ لوئی — بن پی کھیلے نہ کھیلا ہوی
جان اجان جگ کھیلے رے — ہو ہو ہو ہولی رے
سبھ کھیلنہ سکھی مہ جان — سرب ترنتر ہی پروان
جان اجان جگ کھیلے بھاگ — کنت بلبیالیوں ہردے لاگ
الکھ داس آکھے سن تانہاں — ہم تم کھیلینہ دی کل ناہاں

دوہرہ

دیکھوں ری من پوچھوں ری دیکھوں انوں بانی
سبھی رنگ تیر کا پایا رنگ سیا یا پانی
ہنسی کیوتھ ناچوں سکھی پی جی رنگ چرہایا
تن من جیو ایک رنگ کیا تو ہیں آپ گنوایا

عقیدہ

الکھ داس آکھے سن لوے
دوئی دوئی کہو مت بھائی کوئی
جل تھل مہیسر سرب ترنتر
کور کھ ناتھ اکیلا سوئے

شلوک

اپا ناشت پرا ناشت ناشت کنجت جکنزا
بدھ باچا منو ناشت تنز دیوی اکل تبا

شبد

پھلے نہ پھولے آوے نجائے کانسی کا سید کانسی ہی سمائے
جل تھیں اپنا بلبلا جل ہیں ہاتھ ملائے تیسا یہ سنسار سبھ ہولنہ جائے سمائے

دوہرہ

آپ کنوائیں پی ملے پی کھوئے سبھ جائے
اکتھ کتھا ہے پرم کی جے کوئی بوجھے پائے[1]

او نج برکھ ہر لاک آکا سا ہاتھ جریئے کی ناہیں آسا
کہ جوکت کو باہیں بسارے ترور دال جھوٹے کو بارے
راتی دوس بہت رکھا ورا نین دیکھ جائے سو مارا[2]
بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اپنی مشہور کتاب

---

[1] یہ تمام دوہے "پنجاب میں اردو" مصنفہ حافظ محمود خاں شیرانی ص ۲۱۴ تا ۲۱۶ سے ماخوذ ہیں۔
[2] لطائف قدوسی ص ۱۰۰

"اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں حضرت شیخ کے چند دوہے نقل کئے ہیں جنھیں ہم یہاں بجنسہ درج کرتے ہیں :-

یہ جگ ناہیں باج پی بوجھ برہم گیانی
سو بانی، سو بلبلا سوئی سرور جان
ایکی اوہو، ایکی باس، ایکی سردرایکی بانس
گرکھ بوجھ برہم گیان تین ترلوک ایک کے جان

جدہر دیکھوں ہے سکھی دیکھو اور نہ کوئی
دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپیں سوئی

آپ کے کلام میں ایک شعر ریختہ کے نام سے بھی ملتا ہے :-

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق
سنت نگری، دھرم راجا جوگ مارگ

سچائی رہنما ہے، صبر توشۂ سفر ہے، لامکاں منزل ہے، دل رفیقِ سفر ہے، حقیقت شہر ہے، مذہب اس کا راجہ ہے۔ اور راستہ اس کا جوگ (اخلاص بندگی) ہے۔ [1]

---

[1] یہ تمام دوہے اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ ص ۳۴ و ۳۵ سے ماخوذ ہیں۔

ہندی شاعری میں حضرت شیخ کے اُستاد اور اُن کا ایک دوہا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندی شاعری میں آپ نے کسی سے اصلاح بھی لی تھی، اگرچہ آپ کے اُستاد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، لیکن "منتخب مکتوبات قدوسیہ" کے بائیسویں خط میں جو شیخ جلال تھانیسری کے نام ہے، آپ نے اپنے اُستاد کا ایک دوہا نقل فرمایا ہے، ہم وہ دوہا یہاں نقل کرتے ہیں، آپ اُسی خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

استاد ایں فقیر گوید۔ دوہرہ۔

یہ جگ وہ جگ دیو تن من ارتھ بھنڈار
سائیں کے رے سیس کا جو دکھر اوے بار[1]

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۶۸

اکیسواں باب

حضرت شیخ کی تصانیف

قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے چوراسی[84] سال کی عمر پائی، آپ کی عمر کا بڑا حصّہ، ریاضتوں، مجاہدوں، عبادت الٰہی، رُشد و ہدایت اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں گذرا، لیکن اسی کے ساتھ اس غیر معمولی علم و فضل کی بنا پر جس سے آپ کو قدرت نے نوازا تھا، آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، شیخ رکن الدین کا بیان ہے:۔

اما بعلم لدنّی و فیض الٰہی چنداں استعداد بود کہ در ہر علمے بحثہا غریب کردند و تصانیف بسیار کردند۔[1]

لیکن علم لدنّی اور فیضان الٰہی سے آپ (شیخ عبدالقدوس) میں اس قدر استعداد تھی کہ ہر علم میں نہایت ہی عجیب بحث فرماتے، اور آپ نے بہت سی تصانیف کیں۔

---

[1] لطائف قدوسی ص ۸ لطیفہ ۸

آپ کی تصانیف میں سے اکثر افغانوں اور مغلوں کے ہنگاموں میں ضائع ہوگئیں، لطائف قدوسی سے جن تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) **بحر الانشعاب**:۔ یہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کی تصنیف ہے، جب کہ آپ علم صرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے، اور آپ کے بچپن کا زمانہ تھا، اس زمانے میں آپ نے علم صرف میں ایک رسالہ بحر الانشعاب کے نام سے تصنیف فرمایا تھا جو آپ نے سوال و جواب کی صورت میں لکھا تھا، جب اس فن کے اساتذہ نے اِس نسخے کو دیکھا تو اس کی فنی خوبیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ علم صرف میں یہ نسخہ کافی ہے۔

(۲) **شرح مصباح**:۔ زمانۂ طالب علمی میں جب آپ نے نسخۂ مصباح کو حواشیِ قاضی شہاب الدین کے ساتھ شروع کیا تو آپ کے اساتذہ درس کے وقت جو تقریریں فرماتے، آپ انھیں اپنی شرح اور توضیح کے ساتھ جمع کرتے جاتے تھے۔[۱]

(۳) **حاشیہ شرح صحائف**:۔ حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب میں نے علم کلام میں شرح صحائف کا مطالعہ شروع کیا تو آپ نے اُس زمانہ میں تمام شرح صحائف کا مطالعہ کرکے اس پر نہایت بیش قیمت حواشی لکھے۔[۲]

---

[۱] لطائف قدوسی ص ۶ لطیفہ ۵ [۲] لطائف قدوسی ص ۶ لطیفہ ۵۔

(۴) شرح عوارف :- حضرت شیخ کی اہم تصنیف ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ میرے ابتدائی زمانے میں عوارف کا نسخہ میرے حجرے میں تبرکاً رکھا رہتا تھا، اور مجھے اُس میں کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن پھر آپ نے عربی میں اُس کی نہایت بلند پایہ شرح لکھی اور عجیب و غریب اسرار و نکات تحریر فرمائے[1]

حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ سیدی احمد ملتانی جو خود بھی جلیل القدر عالم تھے۔ اکثر عوارف کے مشکل مقامات کو حضرت شیخ سے پوچھتے تھے، اور میرے بڑے بھائی شیخ حمید سے کہتے تھے کہ تم تلویح ہم سے پڑھو، بعوض اس کے جو حضرت شیخ ہم کو تعلیم دیتے ہیں، پھر سیدی احمد، میرے بڑے بھائی شیخ حمید، اور میں نے اور میرے بھائی شیخ احمد نے شرح عوارف کے لئے عرض کیا، آپ نے ہماری استدعا کو منظور فرمالیا اور عوارف کی شرح لکھی[2]۔

شرح عوارف کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۸۸ ہے، یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔

(۵) فوائد القراءۃ :- حضرت شیخ کو تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا، آپ نے دو مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ پہلی مرتبہ آپ نے دیکھا کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دوزانو

---

[1] لطائف قدوسی ص ۸ لطیفہ ۸ [2] لطائف قدوسی ص ۸۶

بیٹھے ہوئے ہیں، دو اور صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی تلاوت کو سُن کر ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید اس طرح نہ پڑھنا چاہیئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔

دوسری مرتبہ حضرت شیخ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک آپ کے دہن میں دی اور آپ کو قرآن کا پڑھنا سکھلایا، اس کے کچھ زمانے کے بعد آپ نے شیخ سلیمان مندوی[1] کو جو فنِ تجوید میں یگانۂ عصر تھے قرآن مجید کو

---

[1] شیخ سلیمان مندوی ابن عفان مندوی دہلوی، طالبوں کی تعلیم و تربیت ارشاد اور تلقین اشغال و اذکار میں یگانۂ عصر تھے، اُن کا زیادہ وقت سفر میں گذرا اور کشفی طور پر وہ ماضی کے حالات بیان کرتے تھے، تجوید قرآن میں اپنے زمانے میں مثال نہ رکھتے تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اُن سے فنِ تجوید حاصل کیا تھا اور آپ ایک طویل عرصے تک شیخ سلیمان مندوی کی خانقاہ میں رہے تھے، شیخ سلیمان مندوی نے ۱۴ محرم ۹۲۴ھ کو وفات پائی، ان کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مقبرے کے عقب میں واقع ہے (اخبار الاخیار تذکرہ سلیمان مندوی ص ۲۲۱)

لطائف قدوسی میں ہے کہ شیخ سلیمان مندوی نے فن تجوید کے بہت بڑے عالم نہ تھے، لیکن قرآن مجید نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، تجوید

پڑھتے ہوئے سنا، آپ کو اُن کی تلاوت اس قدر پسند آئی کہ اُن کے
حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے، اور اُن سے تلاوتِ قرآن مجید کی مشق
کر کے باقاعدہ سند حاصل کی، پھر آپ نے رسالہ فوائد القراۃ فنِ تجوید
میں تصنیف فرمایا، اور شیخ سلیمان نے علم معرفت و توحید کی تعلیم
حضرت شیخ سے حاصل کی، اس کے علاوہ حضرت شیخ نے شیخ سلیمان
مندوی کو رسالہ حوض الحیوٰۃ کی بھی تعلیم دی تھی۔

(۶) رسالہ قدسی:۔ حضرت شیخ نے یہ رسالہ غالباً تصوف میں
شیخ سلیمان مندوی کے لئے لکھا تھا، آپ نے باقاعدہ اس رسالہ کی
تعلیم شیخ سلیمان مندوی کو دی۔

(۷) رُشد نامہ:۔ حضرت شیخ کے ابتدائی زمانے کی تصنیف ہے
یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو غلام احمد خاں بریاں نے مسلم پریس جھجر
سے شائع کیا تھا اور اب نایاب ہے، میرے پیش نظر ایک قلمی نسخہ
ہے جو اُس مطبوعہ نسخے کی نقل ہے اُس پر آپ کے صاحبزادے شیخ

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ لہ صفحہ گزشتہ) حروف اور ادائے مخارج کو اُنھوں
نے باقاعدہ فنِ تجوید کے کسی ماہر اُستاد سے سیکھا تھا، حضرت شیخ کا تبحرِ فنِ
تجوید اُن سے بہت زیادہ تھا۔ (خیال ہوتا ہے کہ چونکہ وہ خوش الحان اور
قرآن مجید کو صحیح مخارج سے پڑھتے تھے ممکن ہے کہ اس بناء پر حضرت
شیخ نے اُن سے مشق کی ہو)۔

(لطائف قدوسی ص ۱۴۔ لطیفہ ۵۴)

رکن الدین کا حاشیہ بھی ہے، رشد نامے کے مطالعے سے
معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندی زبان میں مہارت رکھتے تھے، آپ
کے مکاتیب میں بھی جو فارسی میں ہیں ہندی دوہے کثرت سے ملتے
ہیں، جنھیں آپ نے جا بجا مضمون کی مناسبت سے نقل کیا ہے، رشد
نامہ کی ابتداء آپ نے اس طرح فرمائی ہے:۔

اما بعد می گوید احقر عباد آستانہ حضرت علیا،
خاک روب خانقاہ شیخ العالم احمد عبدالحق قدس سرہ
عبدالقدوس اسماعیل فانی در ذات پیر باقی از صدقہ
پیر دستگیر در دل ایں بیچارہ گذشت کہ کلمۂ چند در بیان
توحید دریں "رشد نامہ" منسلک کند و چند سخن از راہ سلوک
کہ سماع از استاد طریقت و واصل حقیقت در سلک ضبط
آرد، و سخن ہر طائفہ را در بیان آرد۔

رشد نامہ میں آپ نے مختلف دوہوں کے ذیل میں تصوف
کے رموز و معارف کی تشریح فرمائی ہے، اس رسالہ کو آپ نے
اس اشلوک کی توضیح پر ختم فرمایا ہے، جسے ہم یہاں نقل
کرتے ہیں ؎

حسیہ کسبہ ندا نبیں برہم گیا سا مرتنا
سیو کسبہ بہکتہ سکت دیو اس دیتی
عزیز من یک بین می باید، تا دریں راہ سلامت

رود کہ ایں کار مشکل است لائق حال ہر کسے نیست،
و بتحقیق ترا ایں نیز باید دانست کہ بسپری و محمود آبادرسی،
و سلطان نامرد در دلی است، اگر خواہی کہ محمود آبادرسی و
روئے سلطان ناصر بہ بینی از پری بیروں آ، و سفر کن
در دلی تا بہ محمود آبادرسی، و روئے سلطان ناصر بہ بینی
کہ بادشاہِ دلی ست، چنانچہ در قولِ خدائے عزوجل اشارت
بداں ست، مقاماً محموداً و سلطاناً نصیراً، و ایں مقام
تسلیم ست، چہ بفضلِ حق تعالیٰ روزی نگردد، تا دریائے
وحدت بکلی و ہمگی خویش غرق نگردی، ہرگز بمقام تسلیم
نہ رسی، و ہمیں معنی ست و سلّم تسلیماً کثیرا برحمتک
یا ارحم الراحمین ۔

تمام شد رشد نامہ

اس رسالے کے آخر میں آپ کے صاحبزادے شیخ
رکن الدین کا ایک نوٹ بھی ہے، جس میں اُنھوں نے تحریر
فرمایا ہے کہ یہ کتاب "رشد نامہ" (میرے والد) حضرت قطبی
شیخ المشائخ شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کی تصنیف ہے،
جو آپ نے ابتدائی زمانے میں لکھی تھی، میں اپنے والد اور اپنے
شیخ کی خدمت میں بچپن سے بڑھاپے تک رہا ہوں، میرے
والد اور شیخ شریعتِ محمدیہ اور عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت پر

اس قدر مستقیم تھے کہ ایک ذرّہ برابر بھی شریعت سے تجاوز نہ فرماتے تھے، صاحبِ حال و مقام تھے اور ہمیشہ مشاہدۂ نورِ حق میں مستغرق رہتے تھے، آپ نے عرفان وحدت کو وجدان سے حاصل کیا تھا، اور سوائے فہم و ذوق اور توحید کے آپ کا دوسرا مشغلہ نہ تھا، آپ کا مرغِ روح شاخِ وحدت پر مختلف نغمہ سرائیاں کرتا تھا۔ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو اپنے اُس خاص عرفانی وجدان کی بناپر اُس کے معانی و مطالب کو سمجھتے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ فرماتے تو اُس عرفان و بصیرت کی بناء پر جس سے قدرت نے آپ کو نوازا تھا اُس کے معانی و حکمت کو سمجھتے، اگر آپ ہندی یا فارسی کلام سُنتے تو اسی ذوقِ معرفت کی بناء پر اپنے مشاہدے کو (اس کلام میں سمو کر) بیان فرماتے، دوسرے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کتابِ وحدت کے سمجھنے پر اپنی فہم اور عقل کو صرف کرے، بلکہ اُس کے لئے صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ اس کتاب کا مصنف صحرائے لامکاں کا طائر ہے جو شاخ وحدت پر بیٹھ کر مختلف زمزمہ سنجیاں کر رہا ہے، تاکہ کسی غلطی میں مبتلا نہ ہو، اور سلامتی سے گذر جائے۔

اِس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے حواشی

اس فقیر نے لکھے ہیں وہ سلیم الطبع جن کی ہدایت رفیق ہو، وہ اپنی فہم کے مطابق اُسے کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ وھوالھادی والمرشاد[1]۔

(۸) **نورالمعانی شرح قصیدہ امانی** ، یہ رسالہ غالباً حضرت شیخ نے سلطان سکندر لودھی کے عہدِ حکومت میں تصنیف فرمایا تھا اور اس کے دیباچے میں آپ نے وحدت الوجود پر تبصرہ فرمایا تھا جب سیدی احمد دانشمند جو ملتان کے جلیل القدر علماء میں سے تھے، شاہ آباد آئے تو آپ نے اپنی یہ تصنیف اُن کو دکھائی تھی[2]۔

(۹) **انوار العیون** :۔ اس کتاب میں حضرت شیخ نے شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے حالات و مناقب مرتب کیے ہیں۔

(۱۰) **مظہر العجائب** :۔ حضرت شیخ کی اس تصنیف کا تذکرہ خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں فرمایا ہے، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کتاب کس موضوع پر تھی[3]۔

(۱۱) **مجموعہ کلام فارسی** ۔ لطائف قدوسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے فارسی کلام کا مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا[4]۔

---

[1] رُشد نامہ قلمی مملوکہ صوفی بشیر احمد قدوسی

[2] لطائف قدوسی ص ۵۴

[3] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۱

[4] لطائف قدوسی ص ۱۰۰

(۱۲) رسالہ نور الہدیٰ۔ (۱۳) رسالہ قرۃ العین۔
حضرت شیخ کی ان دونوں تصانیف کا تذکرہ حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں کیا ہے۔
(۱۴) مکتوبات قدوسیہ:۔ یہ حضرت شیخ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو آپ نے اپنے مریدوں، معتقدین و خلفاء اور اپنے دور کے سلاطین اور اُن کے امراء کے نام لکھے تھے۔ جن پر ہم آئندہ باب میں تبصرہ کریں گے۔
(۱۵) منتخب مکتوبات قدوسیہ:۔ یہ حضرت شیخ کے مکتوبات کا انتخاب ہے جو ۵۴ مکاتیب پر مشتمل ہے، ان مکاتیب کا انتخاب حضرت میاں خاں صدیقی جون پوری کے مرتب کردہ مجموعے "مکاتیب قدوسیہ" سے کیا گیا ہے "منتخب مکاتیب قدوسیہ" کا نسخہ حضرت مولانا محمد فخر الاسلام قدوسی گنگوہی کا تھا، جن کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے .... یہ انتخاب ۱۱۵۹ھ میں ہوا تھا۔ یہ نسخہ راقم الحروف کے دادا شاہ عنایت احمد قدوسی کے پاس نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلا آرہا تھا، جس پر مولانا محمد فخر الاسلام کی مُہر بھی تھی، مولانا مشتاق احمد انبہٹوی چشتی علیہ الرحمہ نے اس نسخے کو میرے دادا شاہ عنایت احمد سے حاصل کر کے اُس کی تصحیح کی پھر اپنے مقدمہ کے ساتھ اُسے مطبع مجتبائی دہلی

سے شائع کرایا، چنانچہ مولانا اپنے مقدمے کے آخر میں "فائدہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

بدان وفقک اللہ تعالیٰ و ہداک سبیل التحقیق کہ مکاتیب حضرت قطب العالم قدس سرّہٗ جمع کردہ برگزیدہ رحمان حضرت میاں خان صدیقی جون پوری رحمۃ اللہ علیہ در تعداد یک صد و نود و سہ بودند، بزرگے از بزرگان ایں خاندانِ عالیہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ ازیں مکتوبات مذکورہ صرف پنجاہ و چہار مکتوب التقاط کردہ در نسخۂ علیٰحدہ جمع نمودہ "منتخب مکتوبات قدوسیہ" نام نہادہ ست، پس ہر یکے ازیں مکاتیب بغایت مؤثر و مفید برائے طالب رب مجید ست، و بلا ریب مطالعۂ ایشان مناسبتے بعالمِ غیب پیدا می آرد، و طالبِ صادق را از خودش می رباید، و شوق بے اندازہ پیدا می کند و ذوقِ تازہ می افزاید ایں نسخہ منتخب مرقومہ ۱۱۵۹ھ بعد کوشش بسیار و سعی بے شمار مزین بمہر حضرت مولانا محمد فخر الاسلام گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از دولت خانہ شاہ عنایت[1] احمد صاحب قدوسی گنگوہی بہم رسیدہ

---

[1] مولانا مشتاق احمد انبہٹوی نے اپنے اس فٹ نوٹ میں میرے دادا شاہ

سنت، فاسعوا ایھا الطلاب وطالعوا ھذا الکتاب فیشتعل نار قلوبکم بلا ارتیاب والمستعان فی جملۃ الابواب ھو ربنا ورب الارباب و الیہ المرجع والمآب۔ فقط۔

(۱۵) اسرار العجائب:۔ یہ حضرت شیخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے شیخ خضر بڈھن جون پوری عرف میاں خاں "جامع مکاتیب قدوسیہ" نے جمع کیا تھا، غالباً آپ کے یہ ملفوظات شائع نہیں ہوئے، اس کا تذکرہ ہمیں مکتوبات قدوسیہ کے صفحہ ۲۳۸ مکتوب ۱۲۲ بنام شیخ جلال کے حاشیئے پر ملتا ہے۔

(۱۶) اوراد شیخ عبدالقدوس:۔ یہ حضرت شیخ کے اُن اوراد و وظائف کا مجموعہ ہے جو آپ کے معمولات میں داخل تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ گزشتہ) عنایت احمد کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تک درج کیا ہے جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

شاہ عنایت احمد بن شاہ مشتاق احمد بن شاہ شیخ العالم بن شاہ شیخ الاسلام بن مولانا شاہ فخر الاسلام بن مولانا شاہ محمد حیات بن بندگی شیخ محمد (ایں بزرگ صاحب سلسلہ عالیہ ہستند، بزرگان سلیمانی شریف وغیرہ درسلسلہ ہمیں بزرگ حضرت شیخ محمد ہستند) بن شیخ محمد صادق محبوب الٰہی بن بندگی شیخ فتح اللہ بن بندگی شیخ عبدالصمد بن بندگی شیخ حمید الدین بن بندگی حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (فٹ نوٹ منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۸)

اس کا ایک مطبوعہ نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، جس کا فنِ ادعیہ کے تحت ۱۲۷ نمبر ہے۔

اپنی تصانیف کے متعلق حضرت شیخ کا اظہار خیال

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی آپ کی اور تصانیف تھیں۔ ایک خط میں شیخ جلال تھانیسری کو اپنی تصنیف شرح لمعات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

باید کہ "شرح لمعات" در پیش دارند، تا ہزاراں و ہزاراں شوق و ذوق درکار دارند، ہر چند مختصر ست، شرح ست قدسی، نورے ست علوی، و کتابہائے دیگر کہ ایں فقیر از سر سوختگی و دو ختگی در تحریر آوردہ ست، ہر چند ابتر ست، دفتر ست، رمز دیوانگان و رندان دیوانگان و رندان دانند، و زبان مرغان مرغان دانند[2]

[1] لمعات کئی ہیں، غالباً یہ لمعات جس کا تذکرہ شیخ نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے جامی یا عراقی کی ہو گی۔

[2] منتخب مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب بست و دوم ص ۲۷ مطبوعہ طبع مجتبائی دہلی۔

بائیسواں باب

حضرت شیخ کے مکاتیب

سرمایۂ ادب و تصوف میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکاتیب کو خاص اہمیت حاصل ہے، یہ مکاتیب نہ صرف فارسی ادب میں اسلوبِ نگارش طرزِ ادا، فصاحت و بلاغت اور بلند ترین انشا پردازی کا ایک شاہکار ہیں بلکہ تصوف کے اہم رموز و نکات، علمی مسائل کی توضیحات، عقائد و اعمال کی تشریحات ترویجِ دین، اشاعتِ اسلام اور رشد و ہدایت کے اہم ابواب پر مشتمل ہیں، یہ مکتوبات جہاں حضرت شیخ کی علمیت، تبحر اور روحانی افکار و خیالات کے آئینہ دار ہیں، وہیں حضرت شیخ کی پُرخلوص جد و جہد، اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی ترقی اور فروغ کے لئے ان کی کوششوں کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، یہ مکتوبات حضرت شیخ کی علمی اور عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ہمارے سامنے اس طرح لاتے ہیں کہ ایک قاری کے سامنے حضرت شیخ کی شخصیت پوری طرح سے سامنے آجاتی ہے۔

ان مکتوبات کو آپ کے مرید و خلیفہ شیخ بڈھن بن رکن الدین جون پوری مشہور بہ میاں خان ابن قوام الملک نے جمع کیا تھا، جو پہلی مرتبہ نواب سکندر علی خاں والیِ ریاست مالیر کوٹلہ کی فرمائش پر مطبع احمدی دہلی سے مکتوباتِ قدوسیہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، یہ مجموعہ ایک سو ترانوے [۱۹۳] مکتوبات پر مشتمل ہے، اور اس

علاوہ آخر میں چھ خط جو حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کے کتب خانے سے برآمد ہوئے تھے بطور ضمیمہ شامل کئے گئے ہیں، یہ خطوط اُس دور کے سلاطین اُمراء، صوفیاء، علماء، عمّالِ حکومت، صاحبزادوں، بھائیوں، خلفاء، مریدوں اور دوستوں کے نام ہیں۔

مکاتیب قدوسیہ کا وہ قلمی نسخہ جو جامع مکاتیب شیخ بڈھن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، اس نسخے کے آخری صفحات غائب ہیں، اس کے سر ورق پر فدوی عالمگیر بادشاہ کی مُہریں ہیں، جن سے خیال ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانے میں رہا ہے، اسی صفحہ پر سب سے پہلے ایک مُہر کے نیچے بستم ذی الحجہ ۲۳ سنہ (جلوس) لکھا ہے محرّر کا نام خضر بن زین رکن جون پوری المشہور بمیان خاں ابن قوام الملک لکھا ہے، جو ان مکاتیب کے جامع ہیں۔

شیخ بڈھن بن رکن جون پوری جامع مکاتیب قدوسیہ نے اپنے دیباچے میں ان مکاتیب کو جمع کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا۔

می گوید بندۂ ضعیف نقیر حقیر خاک پائے درویشاں بڈھن بن رکن جون پوری المشہور بہ میاں خان ابن قوام الملک مرحوم غفر اللہ لہٗ و لوالدیہ کہ حضرت مخدوم عالم پیر دستگیر قطب الاولیاء، بحر المعانی، معدن اسرار ربانی ضیاء الاسلام والمسلمین حضرت شیخی و مولائی شیخ المشائخ شیخ عبدالقدوس اسمٰعیل صفی الغزنوی الحنفی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ چند سال بمقام قصبہ شاہ آباد سکونت گرفتہ بودند، ایں فقیر بعد مراجعت قدس خلیل و بکہ شریف بر آستانہ حضرت علیا پیر دستگیر رسید، چندگاہ بخدمت بود کہ آستانہ شریف قبلہ بمقصود می نمود۔ قطعہ:۔

ہر طالبے کہ حلقۂ ایں در زند تقیں	یابد مرادِ خویش کہ ایں کعبۂ رضاست
شاید کہ سر نہند بریں در ہمہ جہاں	زیرا کہ آستانۂ درگاہِ کبریاست

در بعضے اوقات کہ از آستانۂ حضرت علیا صحیفہ و مکتوبے بجانب مریدے و مرشدے، و یا بجانب دوستے و معتقدے صادر می شد

این ضعیف نسخہ کردہ می گرفت، بدین طریق چند صحیفہ و مکتوب جمع کردہ شدند، بسبب آنکہ در آثارِ اولیاء آمدہ ست کہ ہر مریدے کہ سخن از زبان پیر خود بشنود، وآں را بنویسد و جمع بسازد ہر حرفے کہ در قلم آرد ثوابِ طاعت ہزار سال در نامۂ اعمال او ثبت فرمایند، و بعدِ مردن جائے او در علیین باشد، و ہر دو جہاں در پناہ ایشاں باشد[1]۔

آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے "لطائف قدوسی" میں ان خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔

و علم مکتوب نویسی بعلم لدنّی چناں شد کہ در جہان ثانی نبود، چنانچہ از نسخہ مکتوبات حضرت قطبی و شیخی معاینہ و مشاہدہ ست[2]۔

اور علم لدنّی کی بدولت مکتوب نویسی اور انشاء پردازی میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ دنیا میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا جس کا اندازہ میرے شیخ اور قطب (حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے۔

سلاطین اور فرماں رواؤں کے نام خطوط

ہم گذشتہ اوراق میں تذکرہ کر آئے کہ حضرت شیخ کا رجحان طبع ابتداءً لودھی خاندان کے حکمرانوں کی تائید میں تھا، لیکن اسلامی ہند کی تاریخ میں حضرت شیخ کی یہ کوششیں ہمیشہ یادگار رہیں گی کہ آپ نے لودھیوں کے دور میں لودھی سلاطین اور ان کے امراکو اور مغل دور میں مغل فرماں رواؤں اور ان کے امراء کو اپنے خطوط کے ذریعہ سے اعلائے کلمۃ الحق اتباعِ سنت، ترویج شریعت، عدل و انصاف احترامِ علماء کی طرف توجہ دلائی۔

---

[1] دیباچہ مکتوبات قدوسیہ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ۵

[2] لطائف قدوسی ص ۵ لطیفہ ۳۰

سکندر لودھی کے نام

مکتوباتِ قدوسیہ میں ہمیں حضرت شیخ کا ایک مکتوب سکندر لودھی فرماں روائے دہلی کے نام ملتا ہے، اس خط میں آپ نے اُس کو غم خواریِ خلق، آئمہ اور علماء کی معاونت، عدل و انصاف کی طرف توجہ دلائی ہے، آپ نے اُس کو لکھا۔

شغل ہمایوں جہانداری اعلیٰ واشرف اشتغال واعمال ست وجامع اشتغال راعمال بہر طائفہ از اولیاء واتقیا وعلماء وصلحا ومبارزان راہِ دین، ومجاہدانِ درگاہ یقین عدل ست کہ عدل یک ساعتِ او بہتر وفاضل تر از عبادت شصت سال۔

پھر اسی خط میں اس کو ائمہ اور علماء کی معاونت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

درمیان عالم طائفہ آئمہ وعلماء ضعفاست، باید کہ در عہدِ ہمایوں روزگار در دولت جہانیاں جہاندار چناں رونق وعزیابند کہ از ہر عہدے واقلیمے برفعت تشتابند، چنانکہ ہمہ مفسدان وناجراں از خوف قہر تیغ آبدار، واز جلال سلطنت جہاندار در ظلمتِ شب دیجور عدم خزیدہ وناپدید شدہ اند، وجمیع انام خاص وعام در کمال امن وامان بقرار وآرام پیوستہ اند، ماناکہ دریں وقت مگر کہ از شامتِ اعمال سوء افعالِ خویش آئمہ تمام بسبب منع شدن استقامتہا وظائفہا عموم در بحر عمیق غموم غرق شدہ در ہلاک پیوستہ چنانکہ ہیچ راہِ نجات نمی یابند، وہیچ چارہ بیچارگی نمی دانند، صبر دست آویز ایشاں ست، ونہ فریاد رسی پناہ گریز ایشاں ست، الغیاث الغیاث۔

پھر آگے چل کر اسی خط میں اُس کو ضعفاء، علماء، صلحاء اور مشائخ کی تیمارداری وغم خواری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ اگر ملوک ر

سلاطین ضعفاء، صلحاء، علماء اور مشائخ کی تیمار داری نہ کریں، اور اُن کے ساتھ لطف و کرم سے پیش نہ آئیں، اور اپنے اس فرض میں غفلت برتیں تو شہروں میں تباہی آ جائے گی۔ خط کی اصل عبارت یہ ہے۔

پس اگر معاذ اللہ ایشاں تیمارداری و غمخواری ضعفا و صلحاء و علماء و مشائخ از مقام مہربانی و کامرانی نکنند، و از ایشاں غافل و عاطل شوند دمار از دیار برآید، العیاذ باللہ من ذالک کہ در حدیث ست انما تنصرون و ترزقون بضعفائکم۔

اس حدیث سے نتائج... اخذ کرتے ہوئے اُس کو توجہ دلائی کہ دولتِ دوجہانی اور سعادت جاودانی ایک تو صدق و اخلاص اور خدا کی عبادت کرنے پر اور دوسرے مخلوق خدا کی خدمت پر منحصر ہے۔

ازیں جا مقرر گشت کہ درجۂ عالی مردم بدو کار منوط ست، و دولتِ دوجہانی و سعادت جاودانی ہم بداں مربوط، یکے خدمتِ خداوند جل و علی بصدق و اخلاص کردن، دوم خدمتِ خلق بجہد و طاقت نمودن کہ التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ مخصوص طائفہ مؤمنان لاسیما زمرۂ صلحاء و علماء "واخفض جناحک لمن تبعک من المؤمنین"، چنانکہ در خبر آمدہ ست قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و آلہ الطیبین خصلتان لیس فوقہما شیئ من الخیر الایمان باللہ والنفع لعباد اللہ" و اجتماع ایں دولت برکمال در سلطان ست کہ نفع و شفقتِ او بہمہ جہان ست، با احسن الدین والدنیا اذا اجتمعان بیان آنست، و ایں بہمتِ بلند میسر آید، تا بداں از ہمہ بلند برآید کہ آں رافتوۃ خوانند، والید العلیا خیر امن ید السفلی۔

بیت:- ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد
ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

پس ہمت بلند باید درم و دینار جاہ و جلال نثار فقراء و صلحاء،

شاید کہ در خدمتِ محبت ایشاں ایں سعادت مساعدت نماید "من احب العلم و العلماء لم یکتب خطیئتہ ایام حیاتہ" و خود ایں جا جلوہ گری ست یادا ؤ دا ؤ دا رایت طالبانی فکن لہ خادماً۔

لودھی اُمراء کے نام

طبقاتِ اکبری میں ہے کہ سکندر لودھی کے ترپن[۵۳] اُمرا تھے۔ مکاتیب قدوسیہ میں جن لودھی اُمرا کے نام ہمیں حضرت شیخ کے خطوط ملتے ہیں اُن میں ہیبت خاں، خواص خاں، سعید خاں شروانی، ابراہیم خاں شروانی اور دلاور خاں ہیں۔ آپ نے ان تمام اُمرا میں دینی احساس و شعور کو بیدار کیا، اور اُن کو خشیت الٰہی اور طلبِ آخرت کی طرف توجہ دلائی۔

ہیبت خاں کے نام

مسند عالی ہیبت خاں[۲] سکندر لودھی کے اُمرا میں تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت شیخ سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا، اور اس کی خط و کتابت

---

[۱] یہ مکمل مکتوب مکاتیب قدوسیہ ص ۴۴ تا ۴۶ سے منقول ہے۔

[۲] ہیبت خاں، عمر خاں شروانی کا تیسرا بیٹا تھا، جو ہمایون اوّل کے لقب سے ملقب تھا۔ سکندر لودھی نے اپنے بھائی باربک شاہ کو جون پور کا حاکم مقرر کیا تھا لیکن یہ اپنی نالائقی کی وجہ سے جون پور اور ملحقہ علاقوں کو تابو میں نہ رکھ سکا۔ سکندر لودھی نے ناراض ہو کر باربک شاہ کو نظر بند کر دیا، اور پٹنہ ہیبت خاں کی جاگیر میں دے دیا، اُسی وقت سے ہیبت خاں کا عروج شروع ہوا، وہ گوالیار کی مہم پر بھیجا گیا، اس مہم میں کامیابی کا سہرا ہیبت خاں کے سر رہا۔ سنہ ۹۰۴ھ میں سنبھل میں شروانی اور لوحانی پٹھانوں میں پولو کے میدان میں جھگڑا ہو گیا، اتفاق سے سکندر لودھی بھی اُس وقت موجود تھا، اس جھگڑے میں سلیمان خان لوحانی کے بھائی خضر خان نے ہیبت خاں شروانی کو مارا، اس پر بات بڑھی اُس وقت تو معاملہ رفع دفع ہو گیا، لیکن چار روز کے بعد پھر جھگڑا ہوا ہیبت خاں پھر مضروب ہوا۔

بھی حضرت شیخ سے تھی۔ مکاتیب قدوسیہ میں حضرت شیخ کے چار خط مسند عالی ہیبت خاں کے نام ملتے ہیں، مکاتیب کے دسویں خط میں جو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) اور اُس کا ایک رشتہ دار شمس خان جان سے مارا گیا۔ غالباً سکندر لودھی کی طرف سے چشم پوشی کی گئی، شروانی بگڑ بیٹھے، اور انھوں نے سکندر لودھی کے بھائی فتح خاں کو اُبھارا کہ وہ بادشاہ سے بغاوت کرکے تخت و تاج کا مالک بنے، وہ اس کا ساتھ دیں گے۔ فتح خاں نے یہ راز افشا کردیا، اور سکندر لودھی تک یہ خبر پہنچ گئی، اُس نے فسادی شروانیوں کو خارج البلد کردیا۔ چنانچہ عمر خاں شروانی کا خاندان بھی اِس زد میں آیا، اور ہیبت خاں اور اُس کا بیٹا عیسیٰ خاں بھی نکالے گئے۔

اس زمانے میں مالوے میں محمود خلجی اور گجرات میں مظفر شاہ حکمراں تھا، ان دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے، سکندر لودھی کے غضب سے بچنے اور مالوے اور گجرات کے اختلاف سے فائدہ اُٹھانے کے لئے، ہیبت خاں شروانی، اس کا بیٹا عیسیٰ خاں، اور اُن کے عزیز و رشتے دار بھاگ کر مالوہ پہنچے، اور محمود خاں خلجی کے دربار میں حاضر ہوکر اُس سے مدد کی درخواست کی، ۹۱۸ھ تک ہیبت خاں اور اُس کا بیٹا عیسیٰ خاں دونوں مالوے میں رہے، لیکن وہاں بھی ان دونوں باپ بیٹے کا اختلاف محمود خلجی کے وزیر میدنی رائے سے ہوگیا، جس کی وجہ سے یہ مالوے سے نکل کر اپنی جاگیروں میں چلے گئے۔

۹۲۳ھ میں انتالیس سال کی حکومت کے بعد سکندر لودھی نے وفات پائی، اور ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا، یہ نہایت شکی اور وہمی ہونے کے علاوہ نہایت غیر مستقل مزاج انسان تھا، ابراہیم لودھی اُن اُمراء سے ناراض تھا، جن سے اُس کا باپ سکندر لودھی خوش تھا، اور اُن سے خوش تھا جن سے سکندر لودھی ناراض تھا، ہیبت خاں اور اُس کے بیٹے عیسیٰ خاں نے اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھایا، یہ اور دوسرے شروانی دوبارہ واپس آکر ابراہیم لودھی کی ملازمت میں منسلک ہوگئے، ابراہیم لودھی اِن دونوں باپ بیٹے پر بہت عنایتیں اور مہربانی کرتا تھا۔

جب ابراہیم لودھی اور اُس کے بھائی جلال خاں میں مقابلے کی ٹھنی، اور جلال خاں شکست کھاکر گوالیار کی طرف اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا تو ابراہیم لودھی نے

ہیبت خاں کے نام ہے۔ آپ نے اس کو دنیا کی بے ثباتی، اور طلب مولیٰ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

بعد دعا و دولت ابدی و نعمت سرمدی و ثناء مستطاب، جناب عالی مآب، برگزیدہ آلہ، مقبول اہل اللہ، طالب جوہر لا الٰہ، تبیع و مصدق حضرت محمد رسول اللہ، جانباز و جہاں تاز فی سبیل اللہ، معین الضعفاء

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲۵) ہیبت خاں شروانی کو ایک فوج کے ساتھ اُس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا، مگر جلال خاں کو اُس کے تعاقب کا حال معلوم ہو چکا تھا اور یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ گوالیار کا راجہ اُس کے لئے کُھلم کُھلا بادشاہ سے ناراضی مول نہ لے گا، وہ گوالیار میں نہ ٹھیرا بلکہ مالوہ ہوتا ہوا سیدھا اُڑیسہ چلا گیا، اِس طرح ہیبت خاں کو جلال خاں کی گرفتاری میں ناکامی ہوئی، اس وجہ سے ابراہیم لودھی اُس سے چراغ پا ہو گیا، اُسے یہ بھی خیال تھا کہ ہیبت خاں نے اُس کی گرفتاری میں جان بوجھ کر ڈھیل ڈالی ہے، ہیبت خاں اُس وقت گوالیار میں تھا، اُس نے اس کو فوراً واپس بلا بھیجا، ہیبت خاں کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک نہیں، اس لئے آپ اپنے بیٹے اسلام خاں گورنر کڑا مانک پور کے پاس چلے جائیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ بادشاہ آپ کو قتل کرا دے گا، ہیبت خاں نے جواب دیا کہ میں نے چالیس سال تک لودھی حکومت کا نمک کھایا ہے، میں بادشاہ کی حکم عدولی کیسے کر سکتا ہوں، ہیبت خاں کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو ابراہیم لودھی نے اُس کی گرفتاری کے لئے بہادر خاں شروانی کو بھیجا، جب ہیبت خاں دربار میں لایا گیا، تو سلطان ابراہیم لودھی نے بغیر کسی عذر کی سماعت کے اُس کو آگرے کے قید خانے میں ڈال دیا، جیل خانے میں ہیبت خاں پر سختی کی گئی، ہیبت خاں نے بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ مجھ پر آپ کا شک و شبہ بیجا ہے، میں نمک خوار قدیم ہوں، میرے وضو کا پانی بند نہ کیا جائے، ہیبت خاں روزہ و نماز کا بہت پابند تھا، لیکن ابراہیم لودھی نے اس کی پروا نہ کی، اُس نے اسی حالت میں ۹۳۲ھ میں قید خانے میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابراہیم لودھی نے اس کو زہر دلوا دیا۔ (شروانی نامہ ص ۳۶-۳۸-۴۱-۴۲-۴۴-۴۵-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲)

شفق الغربا بر آرندۂ دبار دیارِ اعدا و دوست دارندۂ اثمار و آثار صلحاء و گرامی دارندۂ زمرۂ علماء بجان و جہاں سازندہ و بازندہ و معترف بعبودیت بفرقہ اصفیاء و مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین، خانِ اعظم و خاقانِ اعظم مسند عالی ہیبت خاں اعلاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین وحرسہ اللہ من البلیات وعافاہ عن النکبات وقہر اعداہ واعز اعلاہ۔

از فقیر بے نوا حقیر مبتلا، کسیر پُر بلا، و اسیر کبیر ابتلا، خادم الفقرا بلکہ ترابِ نعال الفقراء و الغربا عبد القدوس اسماعیل الحنفی مطالعہ فرمایند، احوالِ ہمہ حال موجب حمد ست للہ الحمد دائما المقصود۔

نامۂ اخبار سلامتی مسند عالی برین فقیر وصول یافت، و دل بفرحت و بہجت بے شمار بشکر کردگار بشتافت، الشکر اللہ والمنۃ للہ علیٰ ذالک المقصود۔

نظم:

بساطِ مے ارغوانی بنہ
طرب ساز و دادِ جوانی بدہ
سیاہی گرفتی، سپیدی بگیر
چنیں باید ت اے بلقے ناگزیر

مرادہا و دنیا کہ ہمہ نامرادی و خراب آبادیست بمراد بنفاذ پیوست، اکنوں مرادہا آنجہانی و عمارت ہائے سبحانی کہ جاودانی ست از ہمہ باید گزید دانا بدک الالزم فالزم باید شنید و بدو شہپر ہمت کہ یکے غیرت از غیرت، و دیگر حب و عشق بر محض خیر ست برزدہ بر باید، و بقدم قدرتِ حق کہ بطاعت و اطاعت حق ست در میدان صفاء مخلصانہ باید دوید، و از سیاہی جہان فانی بتوبہ و زاری و نزاری باید گزشت و سپیدی جہان باقی کہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ ست باختیاری و ابراری باید گرفت و از درہم و دینار از قدرت و کردار خود دلے شکستہ و

جاں گستہ بدست باید آورد، وعمارتِ دلہا کہ کارِ بلند تر وسود مند تراز ہمہ کارہاست باید کرد، ودنیا کہ پُراز ہمہ زشتہا وعیبہاست، بدیں حسن و کہ "مزرعۃ الآخرۃ" ست غنیمت باید شمرد، تا اسپ ابلق دوجہانی وسعادت جاودانی بزیرِ ران کامرانی آید، وجولان درمکان لامکان ومیدان حضرتِ سبحان نماید، ورزقنا اللہ وایاکم وجمیع المومنین بمنّہ وفضلہٖ۔

ابراہیم خاں شروانی کے نام

ایک خط میں ابراہیم خاںؒ[۲] شروانی کو جو لودھیوں کے اُمراء میں سے تھا، دنیا کے حسن وقبح کو بتاتے ہوئے دولت کے صحیح مصرف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ۔

دنیا کہ دار فناست ونگار رہبا(؟) ست باہمہ زشتیہا پُر بلاست، و ہنرش ایں ست کہ مزرعۂ آخرت ست مراہل دولت وسعادت را، وقبیحش وعیبش ایں ست کہ درگہ خذلان وخسران ست، پس آنکہ بفسق و فجور آں را کہ صرف می کنند علامت بیدولتی وشقاوت است؛ وآنکہ بخیر وصلاح چنانکہ خدائے تعالےٰ ورسول خدا فرمودہ ست صرف می کنند وبخیرات ومبرّات ودر بدست گیری وتیمار داری دلہاست وبا عانت مساکین وضعفاء وبخدمت مشائخ وعلماء می ورزد علامت دولت ابدی وکمند سعادت سرمدی ست، سبحان اللہ ہر کہ بداں کمند چنگ زد بذروۂ اعلےٰ علیین برآمد، وگوئے فوز وفلاح بچوگانِ ہمت وقدرت ازمیدانِ فنا بمیدانِ لقا باکمال بردو جان وتن خود را بہزار شادی وبصد ہزار

---

[۱] مکتوبات قدوسیہ مکتوب دہم بجانب ہیبت خاں شروانی ص ۱۵-۱۶

[۲] ابراہیم خاں شروانی، خان اعظم عمر خاں شروانی کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ (شروانی نامہ۔ ص ۳۷ بحوالہ مخزن افاغنہ)

آبادی بصد رانجمل جمال سپرد عاقبت محمود باد بالنبی و آلہ الامجاد۔[1]

خواص خاں کے نام

مسند عالی خواص خاں[2] بھی لودھیوں کے اُمرا میں سے تھا، مکتوباتِ قدوسیہ میں حضرت شیخ کے تین خط خواص خاں کے نام ملتے ہیں، اُن خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کو خواص خاں سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا، اور وہ بھی حضرت شیخ سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتا تھا، ایک خط میں اُس نے اظہارِ عقیدت کرتے ہوئے اپنے بے پناہ اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا، اُس کے جواب میں حضرت شیخ نے اس کو تحریر فرمایا کہ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ظاہر کو عبادت سے آراستہ اور اپنے باطن کو محبت سے پیراستہ کرے تاکہ انسانی پیدائش کا مقصد جو معرفت و عبادت ہے پورا ہو، اس کے بعد لکھا کہ ملاقات معنوی تو دوستوں کو ہر وقت حاصل رہتی ہے، البتہ ملاقاتِ ظاہری کا وقت مقرر ہے، اور یہ اپنے مقررہ وقت پر حاصل ہوتی ہے، اِس کے بعد اِس عظمتِ مرتبہ کے باوجود جو حضرت شیخ کو حاصل تھا، اپنے حال پر افسوس کرتے ہوئے لکھا کہ بال سپید ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک جمالِ اسلام مجھ پر منکشف نہیں ہوا، میں شایانِ ملاقات نہیں ہوں۔ میری سیاہ روئی اور تباہ

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب پانزدہم بجانب ابراہیم خاں شروانی ص ۱۶

[2] خواص خاں کے متعلق صولت شیر شاہی ص ۵۲ کے فٹ نوٹ میں فرشتے کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

خواص خاں در شجاعت رستم زماں و در سخاوت حاتم دوراں بود، و اہلِ ہند اورا از جملہ اہل اللہ می شمارند، وادرا خواص خاں ولی می گویند۔

شیر شاہ سوری کے عہد میں وہ بے حد مقبول تھا اور شیر شاہ اُس کی بے حد قدر کرتا تھا لیکن سلیم شاہ نے اس کی قدر نہ کی، اور خواص خاں کی عام مقبولیت واثر سے خوف زدہ رہا۔ آخر تاج خاں حاکم سنبھل نے اُسے اپنا مہمان رکھ کر بایمائے سلیم شاہ شہید کر دیا۔ لاش دہلی میں لاکر دفن کی گئی۔

حالی اس درجہ ہے کہ مجھے اس طرح بھول جاؤ کہ میں پھر یاد نہ آؤں، تاکہ میں گوشۂ زاویہ میں رہ کر اطمینان سے حق کے کاموں اور غمِ آخرت میں مصروف رہوں۔

مومن باید کہ ظاہرش آراستہ بعبادت بود و باطنش پیراستہ بمحبت تا مقصودِ خلقت کہ معرفت و عبادت ست بحصول انجامد، پس ملاقاتِ معنوی بین المتحابین حاصل ست، و ملاقاتِ صوری نیز بر حکم ازلی باکسانیکہ مقسوم شدہ ست کہ ملاقات مقسوم منہ کما قسمت الارزاق بوقت موقت حصول خواہد انجامید، اما ایں مدبر در کمالِ ادبارِ خود چناں مستغرق ست کہ تا غایت موئی سیاہ سپید بر آمد، جمال اسلام روئے نمود، چنانکہ بزرگے فرمود۔ بیت:۔

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم
چند خود را تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

شایانِ ملاقات نیست، سیاہ روئے و تباہ خوے ست "تسمع بالمعیدی خیر من أن تراہ" گواہِ حال اوست، کمالِ شفقت در حقِ ایں مدبر ایں بود کہ او را در سایۂ رافتِ خود در فراش خانہ چناں منسی فرمانید کہ باز یاد نیاید تا فراغ خاطر در کارِ حق در غمِ آخرت بقدرِ استطاعت در گوشۂ خود افتادہ ماند، و در دعاءِ خیریت دارین حضرت بادشاہ انام و کافہ اہلِ اسلام مشغول باشد[1]۔

ایک خط میں خواص خاں کو اہلِ معرفت و اہلِ حق کی خدمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ

ہنوز بر روئے زمین مردانے اند کہ قدرِ اہلِ معرفت و اہلِ حق می شناسند و ہمت عالی و نہمت متعالی خویش را در خدمتِ ایشاں مصروف می سازند زمین فرشِ ایشان ست و آسمان چترِ ایشاں۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب سی ام بجانب خواص خاں ص $\frac{41}{42}$

پھر اُن اولیائے کرام اور عارفانِ حق کی عظمت و غیرت و مستوری کو واضح کرتے ہوئے بڑے بلیغ انداز میں اُس کو اُن کی خدمت و ارادت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

آرے اولیائے خدا و عارفانِ حق امروز در طیلسان غیرت و عظمت مستورند کہ جبرئیل و میکائیل در نمی یابند" اولیائے تحت قبائی لا یعرفہم غیری"۔ اما حق تعالیٰ از کمالِ حکمت اسرار الوہیت ایشان را در کسوت بشریت آوردہ "انما انا بشر مثلکم" از آں خبر داد، و بہ قوت و مسکن و لباس محتاج ساخت، تا آں نیک بختاں کہ خمیر مایۂ ایشاں بسعادتِ ازلی مخمر ست در خدمت ایشاں بشتابند و گوئے مُراد بچوگانِ ارادت از میدان گوئے بجائے برند کہ "من احبّ قوماً حشر معہم"۔[۱]

ایک خط میں خواص خاں کو معرفتِ الٰہی، عبادت خداوندی، خدمتِ خلق عارفوں اور عالموں کی خدمت، اور اُن کے ساتھ ہم نشینی کی اہمیت و برکات کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ انسانی فلاح و فوز کا مدار انھیں خوبیوں کے اختیار کرنے پر ہے۔

عزیز من! صلاح کار مردم بدو کار مربوط ست، یکے معرفت و عبادت خداوند جل و علا بصدق و اخلاص، دوم خدمتِ خلقِ خدائے بجہد و طاقت" التعظیم لامر اللہ و الشفقۃ علی خلق اللہ" بداں بیان ست، لاسیما خدمت و صحبت اہلِ خصوص کہ در آں خدمت سعادتِ دو جہانی ست، پس نیک بختے کہ بخدمت و صحبتِ عارفانِ حق شناخت، و گوئے دولت دو جہانی بچوگانِ ہمت از میدانِ آں کون بحالِ بر دو فائز گشت، و تاج سعادتِ ابدی "من احب قوماً حشر معہم" بر سر یافت۔

---

[۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب چہل و ہفتم بجانب خواص خاں۔

لاجرم امروز کام سنداین ست کہ ہمّت در حصول نیک نامی وسعادت آنجہانی مصروف می دارند۔

اس خط کے آخر میں اس کو لکھا کہ یہ دولت بیدار علماء کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

وایں دولتِ مربوط بکیمیا گری صحبت علماست[1]۔

ایک خط کے جواب میں خواص خاں کو لکھا کہ اعمال کا ردار و مدار خلوص نیت پر ہے۔ انسانی معدن میں سب سے بڑا جوہر معرفتِ الہٰی ہے، اور اُس کا حصول سعی و عمل سے تعلق رکھتا ہے، پھر اُسے دنیا کی بے ثباتی، اور تمام مال و منال کو امانتِ الہٰی قرار دیتے ہوئے نہایت لطیف پیرایے میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دولت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اُسے کارِ خیر میں اور محبانِ حق پر خرچ کیا جائے کہ وہی دولت جو اس طور پر خرچ ہوتی ہے زادِ آخرت اور محبتِ اہلِ حق کا ذریعہ بنتی ہے۔

آرے اگرچہ سابقت و عاقبت مبہم است، اما حکم سعادت وشقاوت امروز بر حکم علامتِ ہمّت ومحبتِ محکم ست "المرء مع من احب" واثرآں باعمال ظہور پذیرد "اعملوا فکل میسرٌ لما خُلِق لہ" مصطفےٰ ایں جا باز فرمود "الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ" یعنی چنانکہ ید قدرت در پردۂ غیب الغائب لاریب زر درکان می آفریند، وبجہد و عمل خلق مستخرج می گرداند، کذٰلک مردماں کان اند، درین کان جوہر سعادت بقدرت ازلی و بتقدیر لم یزلی موجودست، ودر آفرینش مقصود ست، وہو جوہر المعرفت فی معدن الانسانیۃ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" ای لیعرفون وظہور آں بجہد و عمل تعلق دارد، و بہ محبت وہمّت بار آرد کہ "قیمۃ المرء ھمتہ"۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب چہل وہشتم بجانب خواص خاں ص ۶۳-۶۴

اسی خط میں آگے چل کر لکھا۔

عزیز من چوں دنیا ہیچ قدر ندارد، وجز فنا روئے نمی آرد، و امانت بر دستِ ماست کہ "وللہ میراث السموات والارض" اگر در کارِ حق ومحبانِ حق خرج شود، وزادِ آخرت گردد، وسیلت باشد مر حصولِ محبت حق ومحبانِ حق را فنعما ھی الحمد للہ۔[1]

ایک خط میں خواص خاں کو تزکیۂ نفس، اور جلاء باطن کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھا۔

برادر دینی محبِ یقینی، خان اعظم خاقانِ معظم، مسند عالی خواص خاں دام عالیاً، از فقیر حقیر عبد القدوس اسمٰعیل الحنفی بنصائح دینی ومواعظ یقینی مخصوص ست۔ بگوش ہوش استماع نمایند، قال اللہ تعالیٰ "قد افلح من زکھا" خدائے تعالیٰ خبر کرد کہ فلاح ونجاح بپاکیِ نفس ست۔

چوں نفس بحکم شرع از خلاق دنیہ واز اوصاف نامرضیہ زکی یا ید پاکی شتابد، انجلت مرات القلب دل روشن شود، وبصفا پیوندد، وانعکس فیہا انوار العظمت الالٰہیۃ۔[2]

سعید خاں شروانی کے نام

سعید خاں[3] شروانی بھی دولتِ لودھیہ کے اکابر اُمراء میں تھا

---

[1] مکتوبات قدوسیہ مکتوب چہل ونہم بجانب خواص خاں ص ۶۵ - ۶۶

[2] مکتوبات قدوسیہ - مکتوب پنجاہ وہشتم ص ۷۷ - ۷۸ یہ ایک تفصیلی خط کے دو ٹکڑے ہیں جنھیں ہم نے یہاں نقل کیا ہے۔

[3] سعید خاں شروانی، مسند عالی عیسٰی خاں کا داماد تھا، یہ سکندر لودھی کے عہد میں لاہور کا حاکم اعلیٰ بھی مقرر کیا گیا تھا اور ۹۵۲ھ میں عیسٰی خاں کے ساتھ کالنجر کی مہم میں شریک تھا (شروانی نامہ ص ۳۸ — ۱۰۱)

مکتوباتِ قدوسیہ میں حضرت شیخ کا ایک مکتوب اس کے نام ملتا ہے، حضرت شیخ نے اُسے اپنے ایک خط میں حیاتِ انسانی اور دنیاوی کرّ و فر و شان و شوکت کی مثال قرض سے دیتے ہوئے سمجھایا ہے کہ یہ سب چیزیں فانی ہیں، اُن کے فریب میں آکر مومن کو کسی وقت بھی آخرت کے خیال سے غافل نہ ہونا چاہیئے، اور افعالِ حسنہ اور اعمالِ خیر کو آخرت کے لئے زادِ راہ بنانا چاہیئے۔

عزیز من! مشاہدہ معاینہ ست کہ حیاتِ ایں جہاں وفرّ دولت دولت ایں دنیۂ ظلمانی دینِ دائن ست، در زمانے دادہ اند و زمانے دیگر باز ستانند، جز ابتلا و بلا عرض و غرض نیست، مومن باید تا حاضم و ہوشیار بود و ہمہ وقت رجوع با آخرت کند، و افعال سنّیہ و حرکات سکنات مرضیہ پیش فرستد، تا افزونی عند اللہ پدید آید نسود بر سود بیفزاید۔

پس فراغت و فرصت غنیمت باید شمرد، و درجاتِ عالیہ و مثوباتِ متعالیہ ایں جہانی با عمل صالحہ و طاعت و خیراتِ ایں جہانی حاصل باید کرد، و دنیا مزرعۃ الآخرۃ باید دانست[1]۔

دلاور خاں[2] کے نام

مکتوباتِ قدوسیہ میں ایک خط لودھی امیر دلاور خاں کے نام بھی ہے جو حضرت شیخ نے ان کے والد مسندِ عالی میاں بھوا کی وفات پر جو کہ سلطان ابراہیم لودھی کے وزراء میں تھے اور خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے بطور تعزیت لکھا تھا، اس خط میں آپ نے دُنیا کی

---

[1] مکتوباتِ قدوسیہ۔ مکتوب ۹۳ بجانب سعید خاں شروانی ص ۵۷
[2] تاریخ داودی میں ہے کہ دلاور خاں پسر میاں بھوہ خاں کے حرم سرا میں روزانہ پانچ سو ٹنکے کے پھول خریدے جاتے تھے (تاریخ داودی ص ۸۴، مطبوعہ علی گڑھ)

بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے ہوئے اور انھیں صبر کی تلقین فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

مسندعالی مرحوم و مغفور کہ یکے از دوستان خدا بود، و گوئے حق با دوستانِ حق می باخت، و ہر چہ داشت ہمیشہ با دوستانِ حق مصروف می داشت بکت السموات والارض نشانِ معیبت او می دہد، لاجرم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) ۳؎ حکیم بھوہ خاں بن خواص خاں اکبرآبادی طب کے بہت بڑے عالم تھے، سکندر لودھی نے اُن کی قدر افزائی کرتے ہوئے اپنے مصاحبین میں داخل کیا، یہاں تک کہ وہ اس کے عہد میں ترقی کرتے کرتے وزارت عظمیٰ پر فائز ہوئے۔ سکندر لودھی اُن پر بے حد اعتماد کرتا تھا، اور اہم امور میں مشورہ لیتا تھا، سکندر لودھی کے بعد ابراہیم لودھی نے اُن کو بغیر کسی وجہ کے قید کر دیا، اور بداندیشوں کے بہکانے پر انھیں قتل کرا دیا۔

بھوہ خاں کی تصانیف میں ایک ضخیم کتاب "معدن الشفاء" ہے جو انھوں نے سکندر لودھی کے حکم سے لکھی تھی۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۴۔ ص ۶۳)

تاریخ داؤدی میں ہے کہ۔

و بحکم سلطان سکندر از کتبہائے بیدک در علم طب باہتمام میاں بھوا کتابے عجیب ترجمہ شد، اورا "اسکندری" نام نہادند، مدارِ علاج حکمائے ہند بر ہمیں کتاب سکندری افتادہ، مذکور ست کہ ایں یکے از کارنامہائے اوست کہ در جہاں پیدا شد (تاریخ داؤدی ص ۴۰، مطبوعہ علی گڑھ)

سیر المتاخرین میں ہے کہ ایک روز سلطان سکندر لودھی نے جامع مسجد میں موٹھ کا ایک دانہ جو پڑا ہوا تھا اُٹھا کر میاں بھوا کو دیا، میاں بھوا فوراً ہی آداب شاہی بجا لائے، اور اُن کے دل میں خیال گزرا کہ چونکہ اِس دانے کو بادشاہ نے چھوا ہے، اِس لئے اسے محفوظ رکھنا چاہیے، انھوں نے اُس دانے کو اپنے باغیچے میں بُوا دیا، اور اُس کی کاشت میں انتہائی احتیاط برتی، چنانچہ جب اُس کا پودا ایک کر تیار ہوا تو اُس سے دو سو دانے نکلے، میاں بھوا نے پھر اُن کو کاشت کرایا، اس سے جو کچھ موٹھ پیدا ہوئی پھر اس کو سہ بارہ

مصیبتش سوز در دلہا و زخم بر جانہاست، مخصوص عزیزاں نہ دوستاں کہ بسبب تشنت وقت شانست۔

لاسیما ایں فقیر کہ ماندن دریں ولایت بواسطۂ شفقت مسند عالی مرحوم بودہ ست، اسطے تمام رسید، ومع ذالک جز صبر چارہ نیست چہ تواں کرد، کلمۂ استرجاع "انا للہ وانا الیہ راجعون" بر زبان باید راند، وبصیرش پیش باید رفت۔[1]

مسند عالی شیخ سلیمان فرملی کے نام

مسند عالی شیخ سلیمان فرملی جو غالباً لودھیوں کے عہد میں کسی عہدے پر ممتاز تھے، حضرت شیخ نے اپنے مرید و خلیفہ اور جامع مکاتیب قدوسیہ شیخ خسان خضر کی سفارش کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

جناب عالی مآب معین الضعفا والفقرا، محب العلماء والصلحاء، برگزیدہ حضرت لا الٰہ الا اللہ، مقبول درگاہ محمد رسول اللہ، نیک بخت نیک نام پسندیدہ لسان جمیع انام، مقبول دو جہان مسندِ عالی شیخ سلیمان دام عالیاً۔

از داعی کافہ اہل اسلام فقیر حقیر عبدالقدوس اسمٰعیل صفی الحنفی بشرف استماع نمایند، المقصود دریں میدان گوی سعادت دارین و دولتِ خافقین رعایت ضعفاء ومساکین انداختہ اند تا کدام نیک بخت وسعید اند بچوگان ہمت وشفقت بر باید و بحال رساند تا بدولت جاودانی موبد ومخلد گردد، الحمد للہ کہ ایں دولت

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ ۴۵۰) کاشت کرایا، اسی طرح اس کی متعدد بار کاشت کر کے اس سے اتنا روپیہ جمع کیا کہ اس رقم سے ایک مسجد تعمیر کرائی، جو "مسجد موٹھ" کے نام سے دہلی میں مشہور ہے۔ (سیر المتاخرین جلد اوّل ص ۱۴۱)

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۶۲ بجانب دلاور خاں۔

امروز در ذاتِ شریف آں عزیز مشاہدہ و معائنہ ست، مزید باد تا ابد چنیں باد۔

المرام شیخ المشائخ شیخ خان خضر صوفی از شہر جون پور بضرورتی در لشکر آمدند، خلیفہ ایں ضعیف اند، سالہا در صحبتِ ایں فقیر علم و معرفت حق سبحانہ تحصیل کردہ اند، بغایت بزرگوار اند، و بغایت مشغول بحق اند، بمشاہدہ معلوم شود، نعمتی عظیم غیر مترقب رسیدہ ست، و آں عزیز طالبِ چنیں مردان ست، اگر با ایشاں ملاقات بنوعی نصیب شود، دولت من زار تقیاً عالماً فکانما زار نبی روے نماید، مخصوص بنا بر اعتماد و محبت ایں سطور یافتہ ست، مزید متعالی باد۔[1]

مغل فرماں رواؤں کے نام

۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں جب لودھیوں کی بساطِ سلطنت الٹ کر بابر ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تو آپ نے اس مغل شہنشاہ کو بھی ایک خط لکھا، جس میں اُسے شریعت کی ترویج، آئمہ اور علماء کے احترام، عدل و انصاف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ وہ حکومت کے نظم و نسق کو خلفائے راشدینؓ کے نہج پر ڈھالے، اور ایسا طریقہ اختیار کرے کہ اسلام سربلند ہو، اور ہر محتسب مقرر کرکے ہر شہر و بازار کو شریعتِ محمدیہ کے جمالِ عدل سے آراستہ کرے، زکوٰۃ کے علاوہ جو بھی ٹیکس وصول کئے جائیں وہ شریعت کے مطابق ہوں، تمام ملک میں جو عہدے دار مقرر کئے جائیں وہ مسلمان اور دیانت دار ہوں اور ملک کی اہم خدمتوں پر سوائے مسلمانوں کے کسی کو مقرر نہ کیا جائے۔

بابر کے نام:۔ بابر کے نام کا یہ خط مکتوبات قدوسیہ کے صفحہ

---

[1] مکتوبات قدوسیہ، مکتوب ۲۹ ص ۴۰ و ۴۱

۳۳۵ پر مندرج ہے، جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

حق حق حق

الحمد للہ الذی لا الہ الا ھو، لہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون، والصلوٰۃ التامۃ الدائمۃ النامیۃ الازلیۃ الابدیۃ الموصلۃ الی اعلیٰ الدرجات العارفین علیٰ رسول رب العالمین، شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

بعد حمد وصلوٰۃ وثنائے مستطاب و دعائے مستجاب مزید حیاتِ ترقی درجات، نیل مرادات، بہ جناب عالی مآب، متعالی صفات لازال عالیاً امام زماں، امام جہاں، سلطان وقت، جواں بخت خدا پرست، جہاندار، شہریار، دیندار، ضعیف پرور، عدل گستر، آسماں جاہ، فلک سپاہ، سلطان الاعظم المعظم ابو المجاہد المظفر حضرت ظل اللہ فی الارض، ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ خلد اللہ ملکہ وایّد فی العالمین رافتہ، واعلیٰ فی الدارین شانہ وصانہ عما شانہ۔

فقیر حقیر خادم درویشاں، پائے تراب نعال ایشاں عبد القدوس اسمٰعیل صفی الحنفی الغزنوی تعریض کردہ نمود بہ حکم آں کہ امام زماں گزیدہ سبحان شرع محمدی را استوار گرفتن ودین حنفی را در کار بستہ، در جمیع امور تعلیم علماء پرداختہ، و در میدان طلب گوئے محبت با عارفان باختہ وہمت عالی ونہمت متعالی بر نواخت ایشاں بگماشتہ، وقدر ارباب علم ومعرفت بکمال شناختہ من احب العلماء لم تکتب خطئیۃ ایام حیاتہ نشان یافتہ،

توقع کلی دارم واہتمام کلی می آرم کہ مسئول مامول افتد، وحاجت مقبول گردد،

زبدۂ التماس آں کہ باید وسزد کہ در عہد ہمایوں روزگار، ودر دولت سلیمان شعار خلان خلافتہ طائفہ علماء و آئمہ وضعفاچناں رونق و عز یابند کہ از ہر عہدے و اقلیمے برفعت شتابند، وجہ عشر برمحاش ناروادانند، و از قبیح القبائح پندارند، سوال از فقیر از عقل ودرست گرفتن چیزے از فقیر چگونہ جائز دارند، و در چیز تصرف آرند، وددریں احداث شنیع ظلمے ست کہ جہاں تاریک گردد، و فغاں در جہاں افتد، و بلائے و قہرے ست کہ دمار از غریباں وفقیراں برآرد، واستیصال دارد، ہیہات ہیہات کدام عاقل دریں راہ وکدام غافل دریں چاہ افتد، وہلاک گردد، والعیاذ باللہ من ذلک۔

ازکمال مہربانی بر شفقت کامرانی عفو گردد، وہیچ رنجش ہیچ نوعے نرسد، طائفہ فقرا آئمہ وضعفاء بقرار وآرام خود باشند دبہ دعاگوئی حضرت بادشاہ وخیریت جمیع مسلمانان بفراغ خاطر مشغول باشند، حق سبحانہ وتعالی لواء معلای آلاء پادشاہان را ازہمہ عالی ومتعالی برکشیدہ، وذات خجستہ ایشاں ازہمہ برگزیدہ وبرجملہ سراں وسروران بلند گردانیدہ وخلعت فرمان ذی بر بالا زسا ایشاں نہادہ، ومنشور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم بردست حشمت ومکنت ایشاں دادہ، پس اگر معاذ اللہ ایشاں از تیمارداری وغم خوری فقرا وضعفا و علماء وصلحا ومشائخ ومساکین غفلت وعطلت نمایند دمار از دیار برآید کہ حدیث ست "انما تنصرون وترزقون بضعفائکم" بلکہ در آرام شاں دولت دو جہاں ومغفرت سبحان ست، فسارعوا الی مغفرۃ من ربکم واعلموا ان الدنیا فانیۃ والاٰخرۃ خیر وابقی، اعدلوا ھو اقرب للتقوی، "وقد ورد فی الاخبار ان اللہ یحب معالی الامور ویبغض

سفاسها، وایں ملایم ہر مقام و مناسب ہر انام ست، ازیں جاست کہ عارف حق را ہمت از دو کون برگذشتہ و بمکون آویختہ تا او را بہ سلطان ہمّت خوانند، ازیں جا بزرگے فرمود و بلند ہمتی خود نمود، اگر ہمہ دنیا مرا باشد یک لقمہ سازم و در دہن گرسنہ نہم و ہنوز مرا شفقت بر وے باقی باشد، چہ در ہمت مردانِ آنجہاں بآں نزہت چوں بہ جوے آرزو ایں جہاں با ایں قباحت بہ چہ ارزد۔ بیت:۔

حاصلِ دنیا ز کہن تا بہ نو

چوں گذرندست نیرزد بہ جو

فانها الاقيمة لها عند الله قدر جناح بعوضة فلا يقبل لها قلوب الاخيار ولا يوثرها الا كلاب الابواب يعلمون ظاهراً من الحيوة الدنيا وهم عن الاخرة هم غافلون۔ بیت:۔

حب دنیا ذوق ایمانت برد

زور از تن نور از جانت برد

اما چوں صرف در کار حق بود، و نثار تیمار اہل حق شود، ستودہ بارگاہ و گزیدۂ درگاہِ حق بود، ونعم المال الصالح للرجل الصالح نقد وقت وے بود۔ بیت:۔

نیست دنیا بد اگر کارے کنی

بد بود گر عزم دینارے کنی

مردان دنیا را مزرعۃ آخرت دارند، و ہر چہ دارند در کار حق دارند التعظيم لامر الله والشفقة على خلق الله در کار آرند بفوز و فلاح ابدی رسند و باید و سزد کہ برائے شکرِ نعمت منعم سایۂ عدل بر عالمیان چناں گسترند ہیچ کس بر ہیچ کس ظلم نکند و ہمہ خلق و ہمہ سپاہ با دامر و نواہی شرع مستقیم و

مستریم بوند، نماز بجماعت بگذارند، و علم و علماء را دوست دارند، و در بازار ہر شہرے محتسبان بگردند، تا شہر و بازار بہ جمال عدل شرع محمدی بیارایند، و روشن و منور گردانند۔

چنانکہ در عہدِ سلف و خلفاء راشدین با جمیع شرائط بے شبہ بود، ہمچناں در عہدِ ہمایوں روزگار و سلطان جہاندار بے شبہ ادا شود، و دین بکمال رسد، و بر روئے ایں عہد جمال عہدِ خیر القرون قرنے پدید آید و عہدہ داران سرکارِ آں مسلمان پاک در دین چالاک امینان متدینان در ولایت تعین گردند، و تحصیل مال بر وجہ شرع کنند، تا جمال ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا بظہور انجامد، و آں شاہ عالم پناہ دریں حضور پُر سرور بود، باید و سزد کہ در دیوان اسلام و در دار السلام ہیچ کس را از کفار عہدہ دیوانی و ہیچ وجہ نبود، و در دفاتر قلم نزنند، و امیر و عامل نباشند، چنانکہ در شرع خواری ایشاں کہ "وھم صاغرون" ست ہم برآں نوع خوار و ذلیل باشند و مال گزاری کنند، و جزیہ و زکوٰۃ مال بر وجہ شرع از ایشاں بگیرند، و از جامہ پوشش مسلماناں منع سازند و کفر خود مستور دارند، و مراسم کفر بر طریق غلبہ و اعلان نکنند، تا رونق اسلام بجز کمال رسد، واللہ الموفق حسبی اللہ و نعم الوکیل، نعم المولیٰ و نعم النصیر، عاقبت بادشاہ مسلماناں و کافہ اہل اسلام محمود باد، بالنبی و آلہ الامجاد ہمیشہ در حفظ الٰہی باد، و معالی دارین مترقی باد۔[1]

ہمایوں کے نام

بابر کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں اس کا بیٹا ہمایوں ہندوستان کے

---

[1] مکتوبات قدوسیہ مکتوب صد و شصت و نہم بجانب محمد بابر بادشاہ ص ۳۲۵ تا ۳۲۷

تخت پر بیٹھا۔ حضرت شیخ نے اُسے بھی خطوط کے ذریعہ نصیحتیں فرمائیں، ایک خط میں اُس کو اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے پر مبارک باد دیتے ہوئے لکھا۔

اما بعد دعاء مستجاب و ثنائے مستطاب بجناب جنت مآب آسماں جاہ، فلک سپاہ، سایۂ سبحان امان جہاں، جواں بخت، خدا پرست، ضعیف پرور، عدل گستر حضرت ظل اللہ ابو المجاہد محمد ہمایوں مرزا خلد اللہ ملکہ و اعلیٰ فی الدارین شانہ،

فقیر حقیر خادم درویشاں بلکہ تراب نعال ایشاں عبد القدوس اسمٰعیل صفی الحنفی الغزنوی تلویح کردہ و نمودہ مسموع شد کہ دریں روزگار آں گزیدہ کردگار بحلیہ صفات حمیدہ پیراستہ، و بکمال علم و جمال عمل آراستہ، و در جمیع امور بہ علماء و صلحا پرداختہ، و در میدان طلب گوئے محبت با عارفاں باختہ، و قدر ارباب علم و معرفتہ بکمال شناختہ، ومن احب العلم والعلماء لم تکتب خطیئتہ ایام حیوتہ۔ نشان یافتہ، شکر ایں نعمت فوق الحد گزاردہ شود و بہ حکم کما تکونوا یولّی علیکم سعادتِ خود متصور گشتہ، الحمد للہ علی ذلک حمداً لا یحصی، دولت نا متناہی و افر، شاہی مستدام باد، بالنبی و آلہ الامجاد۔[1]

ایک دوسرے خط میں ہمایوں کو خدمت خلق، اور علماء، صلحاء کی خدمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا کہ فقراء کی محبت عروۃ الوثقیٰ ہے، اور علماء و صلحا پر احسان تمسک بعروۃ الوثقیٰ ہے اور ہر مرض کے لئے دوا، اور ہر مشکل کے لئے باعث نجات ہے، خدا کا شکر ہے کہ تم خدمت خلق میں خصوصاً علماء و فقراء کی خدمت میں مشغول ہو، مجھے یقین ہے کہ علماء تمہاری مملکت میں اِس سے بھی زیادہ امن و امان سے رہیں گے، اور وہ افتخار و اعزاز حاصل کریں گے جو پہلی حکومتوں اور بادشاہوں سے

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب صد و ہفتادم بجانب مرزا ہمایوں ص ۳۳۷ تا ۳۳۸

بڑھ جائے گا، ان پر جو کچھ بھی داد و دہش ہونی چاہیئے وہ دفتری دار و گیر سے آزاد ہونی چاہیئے، تاکہ اس کو بہانہ بنا کر نا اہل شغل علم و عمل میں تفرقہ نہ ڈال سکیں۔

حضرت شیخ کے خط کی اصل عبارت یہ ہے۔

حق حق حق

ایزدش یار و بخت یاور باد
دین شرعش ہمیشہ رہبر باد
ہر چہ باشد ز کارِ ہر دو جہاں
بے توقف ہمہ میسر باد

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو، لہ العظمۃ والکبریاء ولہ العز والنقاء، والصلوٰۃ علیٰ رسولہ سید الانبیاء شفیع یوم الحشر وعلیٰ آلہ نجوم سماء الاھتداء۔

بعد اتحافِ فاتحہ فتح ابوابِ دولت دو جہانی و ادعیۂ حصول مراداتِ جاودانی، بجناب جنت مآب، رفعتِ آیات، عالی جاہ، عالم پناہ، امام زماں، امام جہاں، حافظ بلاد اللہ و ناصرِ عباد اللہ، حضرت ظل اللہ خلد اللہ خلافتہ و اید علی العالمین عدلہ۔

تلویح آنکہ مراجعت میمون مع الفتح و نصرۃ مبارکباد وینصرک اللہ نصراً عزیزاً علی الدوام قرینِ وقت باد، آرے محبت با طائفہ فقراء عروہ و نقی ست و احسان بر زمرۂ علماء وصلۂ حبلِ خدا ست چوں التمسک بالعروۃ الوثقیٰ والاعتماد بالحبل الاعلیٰ پیشوا بود مرض ہر مشکلے را فتح دوا بود الحمد للہ العظیم شانہ کہ ہمتِ آں عزیز دارین بر احسان جملہ خلائق لاسیما طائفہ علماء و فقراء مصروف ست،

وسعادت کونین و دولتِ دارین ہم درین موعودست، تا باد چنیں باد حصل من مزید باد، مامول از کمال ہمت آں مقبول آنکہ در عہدِ ہمایوں روزگار، و در دولتِ سلیمان شعار خلد خلافتہ طائفہ ایمہ و فقرا چناں در امن و آمان باشند و عز و رونق یابند کہ از ہر عہدے و ولیعہدے بر فوت شتابند، وہرچہ دربارۂ ایشاں عطا شود، مرفوع القلم بود و از تعرضات مصوّن باشند تا از نا اہلاں در شغل علم و عمل تفرقہ نیابند، و لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی، تخلق نمایند، و یوماً فیوماً۔

رونق دین اسلام بیفزایند۔ بیت:-

آنچہ از خدا با فتنہ برقرار باد
وآنہا دگر کہ مطلبی مستجاب باد[1]

مغل اُمراء کے نام

تردی بیگ کے نام

مغل اُمراء میں حضرت شیخ کے دو خط میر تُردی بیگ کے نام ملتے ہیں اُن خطوط کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ تردی بیگ بھی حضرت شیخ سے خاص عقیدت و محبت رکھتا تھا، اور چونکہ وہ اہم منصب پر فائز تھا اس لئے آپ نے اس کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:-

اعظم امور در دین تیمار داری و غم خواری ضعفاء و فقرا و محبتِ علماء ست من احب العلم والعلماء لم تکتب

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۷۱ بجانب ہمایوں بادشاہ ص ۳۲۸ تا ۳۲۹

خطیئۃ ایامہ حیلوتہ، مردان امروز این گوئے می بازند و برائے آخرت توشہ سازند، آں عزیز امروز بریں دولت مخصوص ست مزید باد تا باد چنیں باد، بحرمت النبی وآلہ الامجاد۔[۱]

ایک دوسرے خط میں تردی بیگ کو نصیحت فرماتے ہوئے لکھا کہ شاہانِ اسلام اور اُن کے اراکین سلطنت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی مملکت میں اسلام کو ترقی دیں، علماء و مشائخ کا احترام کریں، اور ظالموں کا قلع قمع کر کے ملک کو عدل و انصاف سے آراستہ کریں تاکہ اہلِ ملک امن و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔

الشکر للہ کہ امروز آں عزیز محظوظ ست، و بادشاہ اہلِ اسلام و اعوان و ارکان دولتِ سلطنت وے مکرمان و محسنان اند، توقع تام است کہ دریں روزگار رونق اسلام و عزتِ علماء و مشائخ برفعت نشاید، و ظالمان و مفسدان مخذول و مردود گردند، و ملک بعدل و انصاف آراستہ گردد، و بہ آرام و قرار پیراستہ شود، انشاءاللہ تعالیٰ خاتمت محمود بالنبی وآلہ الامجاد۔[۲]

صاحبزادوں کے نام

مکتوبات قدوسیہ میں ہمیں کئی خطوط آپ کے صاحبزادوں کے نام ملتے ہیں، جن سے ہمیں اُس ذہنی نشوونما اور تربیت کا اندازہ ہوتا ہے جو حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادوں کی فرمائی۔

ایک خط میں اپنے صاحبزادے شیخ رکن الدین کو تصوف کی کتابوں اور علم کے حصول کی طرف ترغیب دلاتے ہوئے لکھا کہ:

---

[۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۱۹ بجانب امیر تردی بیگ مغل ص ۲۲۴ تا ۲۲۵

[۲] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۳۱ بجانب امیر تردی بیگ ص ۲۵۵ و ۲۵۶

واز مطالعہ اوراق سلوک راہِ حق واز طلبِ علم خالی نباشند، بلکہ بکمال وجمال درآں شناسند وکوشش بلیغ نمایند کہ علم نور ست، وحضور بے نور، درحضور نبود، وہیچ نور ندہد، واللہ نور السمٰوات والارض، ازیں نور خبری وہد تاکرا ایں نور ست کہ اورا ازیں حضور خبر بود، ایں جا از خود واز جہاں بدر بود، واز ہر دو جہاں گذر بود، وہر دو جہاں مکشوف نظر بود کہ من عرف اللہ لایخفی علیہ شئی ودرکار شغل باطن خود را ہیچ گونہ قرار وآرام ندہد تا شغل در دل افتد ودل منور شود یہ حق بود تا آنکہ قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ نشان دہد[1]

ایک اور خط میں شیخ رکن الدین کو لکھا کہ علم کے حاصل کرنے میں انتہائی کوشش کرو کیونکہ بغیر علم کے اسلام اور دین نامکمل رہتا ہے، اور کم خوری سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کھانے میں اعتدال قائم رکھو، اپنی والدہ کی اطاعت وفرماں برداری کو ملحوظ رکھو، ہر جائز کام جو کچھ بھی تم کرو حسبتہً للہ کرو۔

خط کی اصل عبارت یہ ہے:-

فرزند عزیز نور دیدہ شیخ رکن الدین دام عزہٗ، دعوات فراواں از فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل الحنفی مطالعہ نمایند، امور مشکور ست، باید کہ آں فرزند مشغول بہ علم وتحصیل باشد، وخود را بہ کم خوری ہلاک نکند کہ ترقی ایں کار تعلق بہ حضور دارد، قریب الایام آمدن ایں فقیر خواہد شد، انشاء اللہ تعالیٰ، باید کہ آں فرزند در تعلیم علم کوشش بلیغ نماید کہ بغیر علم خبر اسلام ودین خوب نمی شود، وذکر بملاحظہ در کشش دم وضرب شدید بکنند کہ کار ہمیں ست، نہ مجرد گرسنگی بلکہ بخورد در کار باشد، و

---

[1] مکتوبات قدوسیہ مکتوب ۶۹ بجانب شیخ رکن الدین وقاضی عبد الرحمان ص ۹۷

دررراہ اعتدال محمودست، افراط وتفریط ہردو نباید، ایں کار شتابی نیست، بتدریج می شود، وبکم خوردن تشویش نکند، باید کہ رضاء والدہ نگاہ دارد کہ امرے اہم ہست وفرض عین ست، واز کوشش علم باز نماند، و ہرکار کند از جنس مباحات بہ نیت للہ کند۔

ایک خط میں اپنے تیسرے صاحبزادے شیخ احمد کو لکھا کہ عزیزوں کی تیمار داری کو غنیمت جانو، مشائخ کے طریقے پر رہو، اور علم وعمل میں مشغول رہو، تصوف کی اور دوسری علمی کتابیں جو ملیں اُن کو خریدو۔

باید کہ خاطر خود جمع دارند، و مارا ہمیشہ با خود شمارند وہو معکم، وقت ست تیمار داری عزیزان غنیمت دانند ودولتِ دوجہانی خوانند، واللہ یعلم المفسد من المصلح عاقبت محمود باد مقرر باد، وپیراہن فرستادہ شدہ شت بپوشند، بر طریق مشائخ باشند، وبعلم وعمل مشغول گردند وکتابہا علم وسلوک ہرچہ بدست آیند بخرند۔[۵۲]

عزیزوں اور رشتے داروں کے نام

مکتوبات قدوسیہ میں حضرت شیخ کے متعدد خطوط اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے نام ملتے ہیں، یہ تمام خط پندو موعظت ارشاد وتلقین، تصوف وسلوک کے اہم رموز ونکات کا ایک گنجینہ گراں مایہ ہیں، جہاں یہ خطوط شیخ کی انشائی خوبیوں کو سامنے لاتے ہیں وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے اور بیگانوں

---

[۵۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۷۷ بجانب شیخ رکن الدین ص ۱۰۱

[۵۲] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۳۷ بجانب شیخ احمد، پسر حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی۔

میں فریضۂ رشد و ہدایت کی کس طرح تکمیل فرمائی، اور اس مرتبۂ عالی پر فائز ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنے دامنِ عمل کو کوتاہ محسوس کرتے رہے۔

شیخ عبدالصمد کے نام

ایک خط میں اپنے برادرِ بزرگ شیخ عبدالصمد[1] کو اپنے حال پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

اس خاکسار، ناہموار بدکردار ہمہ عمر در فساد خانہ بازیچہ دنیا دنیۂ بہ تباہی و گمراہی باخت، و از زادِ آخرت کہ مقصودِ حیات ست، ہیچ با خود برائے خود نبرداشت، روز مرگ پدید آمد، موئے سیاہ تباہ سپید برآمد، و دست مصیبت و خاک ملامت بر سر آمد، آب ندامت از دیدہ رواں شد و حسرت و خسرت ابدی بجاں شد۔

اکنوں کہ نفس بدکردار از کار باز ماندہ و از خود درماندہ کہ از جملہ گزشتہ پشیماں شد، چہ اماں شد، چہ سود آنجہاں شد چہ از سقر و سعر دستگیر جاں شد، وچہ شفیع روز حشر از عصیان نزد سبحان شد[2]۔

حضرت شیخ کو اپنے بھائی شیخ عبدالصمد سے بے حد محبت تھی، اُس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنے بھائی کی جدائی

---

[1] شیخ عبدالصمد بن اسماعیل بن صفی بن نصیر حنفی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بڑے بھائی اور اُن کے اساتذہ میں تھے، فقہ، کلام اور ادب میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے، ردولی میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد شیخ اسماعیل سے تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اُن کو اپنے خطوط میں صدر العلماء، بدر الفضلاء، محقق المعانی المبین الفرقانی نعمان ثانی وغیرہ اس قسم کے القاب لکھتے تھے (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۸۰)

[2] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۲ بجانب شیخ عبدالصمد۔

ومفارقت کی تاب نہ لاکر اُن کو لکھا، اس خط میں شیخ عبد الصمد کو لکھتے ہیں۔

چوں دست نمی رسد کہ پایت بوسم
می گویم خدمت و زمیں می بوسم

دریغا چوں گلہا شگفتہ بر سر جمعیت ہر یکے بصد ہزار راحت بودیم، ناگاہ بے آگاہ باد ہجر از ہوا تقدیر در جنبید و باران فراق از ابر افتراق و از آسمان غیب بر سر ما ہجوران در باریدن آمد، مارا از جمیع ما جدا انداخت، و در احتراق آتش فرقت بے برگ و بے نوا ساخت، و آب جاری از چشم ما بزاری ساری داشت و زخم خنجر بر دل ما مہجوراں انداخت و مجروح ساخت، و در غربت بغربت مارا پراگندہ داشت، ہیہات، ہیہات تقدیرات حق را تدبیرات چیست۔

آخر میں اُن کو لکھا۔

چوں ابر پراگندہ از مشرق و مغرب از باد رحمت باز جمع شود و بایک دیگر پیوندد، ما باز جمع شویم بایک دیگر پیوندیم، اللہ یجمع بیننا عاقبت محمود باد۔[1]

ایک خط میں دل کو ماسوی اللہ سے پاک کرنے کے سلسلے میں شیخ عبد الصمد کو تحریر فرمایا۔

پس ہمیشہ باید کہ صحن دل خود را طالب حق بجاروب کلمۂ لا الٰہ الا اللہ و باللہ ولا سواہ از خاشاک ما سوا حق پاک و مصفیٰ کند، و صیقل دہد کہ دل آئینہ صفت ست، و در آئینہ بود تصفیہ اوّل ہر چیزے کہ عکس آں ظہور یابد جمال صقال بود و ایں سر عظیم ست، پس ایں جا باید کہ جز اللہ ولا سواہ، ہیچ صقال او نباشد "قلب المؤمن مرأۃ الرب"

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۶۷ بجانب شیخ عبد الصمد ص ۲۸۰

وایں مقام ظہور یافتہ باشد[۱]۔

شیخ عزیز اللہ کے نام

مکاتیب میں حضرت شیخ کے کئی مکتوب اپنے دوسرے بھائی شیخ عزیز اللہ کے نام ہیں، ایک خط میں وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عزیز اللہ کو لکھا۔

عارفان در معرفت جائے رسند کہ با دوست یگانہ شوند، و ہیچ دوئی درمیان نبود، چنانکہ دم انا الحق و سبحانی عیاں شود، نہ آنکہ بندہ ناچیز محض شود نہ آنکہ بندہ خدا شود۔ بیت:۔

بندہ جائے رسد کہ محو شود
بعد ازاں کار جز خدائے نیست

و نہ آنکہ باوے حجاب و کیفیت و مثلیت درمیان بود، وجوہ یومئذ ناظرۃ الی ربہا ناظرہ پس و بیش نماند جز روے دربیش نبود یک روئے شود بے جہت و بے کیف بی سوئے شود ہمچو مجنوں برنگ لیلیٰ ہم خوے شود۔ "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا" یک ہوے شود، وجہ حق در پردہ از ہر سوے شود[۲]۔

قاضی دانیال کے نام

قاضی دانیال جو حضرت شیخ کے ماموں اور ردولی کے حاکم بھی تھے۔ اُن کے ایک خط کے جواب میں دنیا کی بے ثباتیوں اور اس کی فانی راحتوں کو نہایت بلیغ انداز میں واضح کرتے ہوئے اور اپنی عمر کے

---

[۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۲۱۔ بنام شیخ عبد الصمد ص ۳۰

[۲] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۲۸ بجانب شیخ عزیز اللہ ص ۲۵۳

ضائع ہونے پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

دنیائے دوں مکارۂ ناپائیدار ذو فنون کہ اجماع انبیاء و اولیاست، شکر آمیختہ ہمہ زہر ہاست، و نوش او ہمہ نیشہا، راحتِ او ہمہ جراحت ست، سُرور او ہمہ غرور ست، و کمال او عین زوال ست، و داد او ہمہ بیداد ست، بنیاد او ہمہ بر باد ست و دوستی او موجب عداوتِ حق ست، قرب او سبب بُعدِ حق ست، عمارتِ او ہمہ غارتِ دل ست، اندوہِ او بے پایانست، دردِ او بے درماں ست، ہمہ را دست از ماتم او بر سر انگشت حیرت در دندان، با ہر کہ ساخت او را سوخت، و ہر کہ نواخت او را گداخت، مع ہذا ما ہمہ فریفتۂ فتنۂ او آمدیم، و ہمہ دلبند او گشتیم، و ہمگی خود را بدست او دادیم کہ در تعزیت آں ہر دو عالم اشک می بارند

آگے چل کر اسی خط میں تحریر فرمایا۔

وا ویلا وا ویلا روز مرگ چوں پردۂ غفلت از پیش بر دارند و چشم یقین بکشایند، و گویند "فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد" صد ہزاراں صد ہزاراں خسارت روئے نماید و پشیمانی بیفزاید، و ہیچ سود نکند و ایں سیاہ روئے را چہ تدارک بود، بارے ساعتے دست ماتم بر سر داریم و آہ سرد از سینہ بے سکینہ غمگینہ بر آریم، و نوحہ گری کنیم و دست بدامنِ استغفار حضرت غافر الذنوب و قابل التوب زنیم۔

آخر میں اپنی عمر کے سرمائے کے ضائع ہونے پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

عمر باخر رسید، و رگہا و پے ہا کہ سبب قوت بود و قوت سبب طاعت و عبادت بود، طاعت و عبادت علامت محبت و قربِ حق بود سُست و ضعیف شد، و روئے دل سیاہ و تباہ ماند، و ہیچ از کار حق بحق نشد۔

زہے خسارتِ ابدی، زہے ندامت و خجالت سرمدی کہ پیش ماست کہ ماہی در دریا، و مرغ در ہوا مصیبت ما دارد، و مارا خبر نہ، ہیہات ہیہات تا دم فرصت ست۔ دست از ہمہ برادریم و از حق سبحنٰ پناہیم و اعوذ بک من ان تضیع[1]۔

علماء کے نام

مکاتیبِ قدوسیہ میں حضرت شیخ کے متعدد خطوط ہیں اُس دور کے مشاہیر علماء کے نام بھی ملتے ہیں، یہ خطوط علمی مسائل، رموزِ تصوف پر مشتمل ہیں، اور بعض خطوط میں علماء کو اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو شریعت کے مطابق بروئے عمل لانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

شیخ الہداد سرہندی کے نام

شیخ الہداد سرہندی[2] کو اور اپنی مملکت کے دوسرے جلیل القدر علماء کو سکندر لودھی نے اِس لئے طلب کیا تھا کہ علماء سے اس امر میں مشورہ کرے کہ علماء جو کچھ بھی فتویٰ دیں اس پر کافروں کو بھی عمل کرنا چاہئے۔ یہ امر چونکہ شرعی نقطۂ نظر سے خلاف تھا، اس لئے حضرت شیخ نے ایک خط شیخ الہداد کے نام لکھا جس میں انھیں حق گوئی کی

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۴ بجانب قاضی دانیال ص ۲۰-۲۱-۲۲!

[2] شیخ الہداد بن صالح سرہندی مشہور اساتذہ میں تھے، اور درس و تدریس میں اُس زمانے میں کوئی اُن کی مثال نہ تھی۔ شیخ الہداد نے مولانا مجدالدین حماد اور مولانا عبدالقادر سے تعلیم حاصل کی، مراۃ العالم میں ہے کہ وہ شیخ عبدالغفور کی اولاد میں سے تھے، اور اُن کا سلسلہ نسب حضرت سعد بن عبادہؓ سے جا ملتا ہے، شیخ الہداد نے ۹۲۷ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۴۰)

طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا۔

از جملہ آں صفدر سخن گوئی سخن حق بوصف ناکسوا رؤسھم معترف آمد، بشرط آنکہ سخنِ حق را آب دہد، در رعایت دین حنفی را مآب کند کہ مقررست والیہ المرجع والمآب[1] زیرا کہ دانشمند تواند کہ زر را خاک و خاک را زر اثبات کند، چندانکہ عقول خلائق را زر اثبات کند، اما فرمان حق بریں ست "کونوا ربانیین"، وایں دولت دربارۂ آں عزیز مبذول ست[1]۔

مولانا جمن کے نام

ایک خط میں مولانا جمن[2] کو حدیث "الدنیا سجن المومن" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

حیاتِ ایں جہانی و نعمات ایں فانی برائے عبرت و ہیبت ست نہ برائے رغبت و فرحت از آں کہ زندانِ مومن ست کہ الدنیا سجن المؤمن و در زنداں معلوم ہمہ ست چگونہ زندگانی ست پس چنانکہ مردم در زنداں ہمیشہ مترصد و منتظر خلاص و نجات بود، اگرچہ بہ فرحت و راحت، ہم چنیں مومن باید کہ ساعۃً فساعۃً نجات ازیں خواہد "فتمنوا الموت ان کنتم صادقین"۔ و در غمِ آخرت باشد کہ وطنِ اصلی و جاودانی اوست[3]۔

مولانا عبدالکریم سہارن پوری کے نام

مولانا عبدالکریم[4] سہارن پوری جو اپنے زمانے کے اکابر علما

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۵۲ بجانب شیخ الہداد۔ ص ۶۸

[2] مولانا جمن کنبوہ سکندر لودھی کے عہد میں حاجب خاص تھے (طبقات اکبری ص ۳۴۰ مطبوعہ نول کشور)

[3] مکتوبات قدوسیہ، مکتوب ۴۴ بجانب مولانا جمن ص ۵۷۔ ۵۸

[4] مولانا عبدالکریم سہارن پوری بن خواجہ سالار بن فرید الدین انصاری ہروی سہارن پوری

اور شیوخ میں تھے، ایک خط میں حضرت شیخ نے اُن کو دنیا کی مذمت اور اور اس سے احتراز کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا۔

اگر توفیق حق رفیق گردد باید کہ آئینہ قلبی را از مقابلہ دنیا فانی و عالم فانی من کل الوجوہ بگرداند، و خود از پیش مرگ بمیرد، و دل را از ہمہ مرادات و شہوات برگیرد، و دنیا مبغوضہ را مطلقہ ثلث گرداند، و ظاہر و باطن پشت بدو دہد، پس از وے و از اہل او چوں از شیر و مار بگریزد، تا در زمرہ "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" نیا میزد، نزدیک اہل تحقیق مراد از واتقوا اللہ حق تقاتہ ہمیں ترک دنیا من کل الوجوہ ست، واگر طاقت واں ہمت نباشد پس بقدر طاقت و ہمت خویش بد آنچہ تواند از آں مکّارہ و غدّارہ کہ شکر او ہمہ زہر ست، و نوش او ہمہ نیش ست بیرون آید و رجوع بآخرت کند۔[۱]

شیخ مبارک کے نام

مکتوبات قدوسیہ میں حضرت شیخ کا ایک خط شیخ مبارک کے نام ملتا ہے، خط سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ شیخ مبارک کون ہے، لیکن اس کا امکان ہے کہ یہ خط شیخ مبارک بن خضر ناگوری کے نام ہو جو ابو الفضل اور فیضی کا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲) علماء باعمل میں سے تھے، سہارن پور میں پیدا ہوئے، اور شیخ اسحاق حسینی بخاری سے حفظ قرآن مجید کیا، اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر کے انھیں سے خلافت و اجازت بیعت حاصل کی، بہلول لودھی اُن کے کمال کا بید معتقد تھا اور اُس نے آپ کو مضافات سہارن پور میں بارہ گاؤں بطور انعام دیتے تھے، شیخ عبد الکریم نے ۱۲ ربیع الاول ۹۰۹ھ میں وفات پائی تاریخ وفات "فخر الاولیا" سے نکلتی ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۰۰)

[۱] مکتوبات قدوسیہ مکتوب اول ص ۷ - ۸

باپ ہے۔ اس امکان کے لئے یہ قرینہ موجود ہے کہ شیخ مبارک بن خضر ناگوری کی ولادت ۹۱۱ھ میں اور اُس کی وفات ۱۰۰۱ھ میں ہے، اور حضرت شیخ نے ۹۴۴ھ میں وصال فرمایا ہے، اس حساب سے حضرت شیخ کی وفات کے وقت شیخ مبارک کی عمر ۳۳ سال کی قرار پاتی ہے، اگر یہ خط حضرت شیخ کی وفات سے پانچ سال پہلے بھی لکھا گیا ہے تو اس وقت شیخ مبارک کی عمر ۲۸ سال ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب وہ علوم رسمیہ کی تکمیل کر چکا تھا، اگر اس قرینے کی وجہ سے ہم اس خط کا مکتوب الیہ شیخ مبارک ناگوری کو مان لیں تو حضرت شیخ کے اس خط سے ہمیں شیخ مبارک کے ابتدائی رجحان، حُبِ جاہ کا پتہ چلتا ہے، جس سے حضرت شیخ نے اس خط میں اُس کو روکا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ وقت کو غنیمت سمجھے اور دل کو غمِ دنیا اور طلب دنیا سے فارغ کر کے اپنے رشتہ اہل حق کے ساتھ جوڑے، اور اپنے بزرگوں کے سجادے کو تختِ شاہی سے بہتر سمجھے، اصل خط کا متن یہ ہے۔

خدمت اخوی شیخ مبارک دام عزہ وزید عرفانہ باللہ از فقیر حقیر کاتب حروف عبدالقدوس اسمٰعیل صفی الحنفی مطالعہ فرمایند امور مشکور ست۔ للہ الحمد دائما، اے برادر فرصت باوقت غنیمت شمار" اغتنم فراغك فربما تتمناه فلاتناله" درگوش آر، وسبک برخیز و دست و دل از غم دنیا وطلبِ آن بردار و شو در کار" انفروا خفافا وثقالا" را امتثال نمائی کہ بعد رفتنِ وقت وسپری شدن فرصت جز پشیمانی لا یعنی ہیچ بر دست نیاید، وآں ہیچ سود ندارد، برخیز، برخیز، برخیز و بااہلِ حق بیامیز، واز دنیا واہلِ آن بگریز۔ بیت:

ز دنیا اہلِ آں چوں شیر بگریز
چو بگریزی درو دیگر میامیز

سبحان اللہ کدام عاقل بود کہ سجادۂ پیراں را تختِ مملکت

بادشاہی کہ ملک دوجہان ست بالک ملک سبحان ست بگزارد،
و در طلب مردار دنیا بود کہ "الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب"
وارد ست از صاحبِ شرع، افسوس ہزار افسوس کہ شیر شیرینہ
در پئے مردار شدہ، و ہمت برآں بستہ، و در افتقار و ذل خوار
و نزار گشتہ، بیت :-

اے دریغا روبہی شد شیر تو
تشنہ می میری و دریا زیرِ تو
تشنہ از دریا جدائی می کنی
بر سرِ گنجے گدائی می کنی

اے برادر از ہیبت سیاست "الدنیا ومافیہا ملعونۃ"
خونِ مرداں آب می شود، و دلِ ایشاں بیتاب می شود، و اہلِ دنیا
در پئے دنیا مردار بے آب می شوند و خراب می گردند، واویلا وا
مصیبتا ذکرِ دنیا در مجلس روا نیست، غم دنیا وطلب آں کرا یاد
می آید۔ بیت :-

دنیا آں قدر ندارد کہ برو رشک برند
با وجودِ عدمش را غم بیہودہ خورند

دریغا ہزار دریغ کہ ہمت بریں دنیا مردار بود و در پئی وے و
در طلب وے گرفتار و خوار بود بریں دول ہمت سگ صفت
زار نزار بود۔ بیت :-

حبِ دنیا ذوقِ ایمانت برد
زور از تن نور از جانت برد

اے برادر اگر امروز دوستان خدائے را از دنیا ہیچ نبود بپارچۂ نان و بہ
کہنہ جامہ محتاج بوند و باحق بوند، بادشاہ دوجہاں بوند۔ بیت :-

نفس تا نیخ گر گدائی می کنند
در حقیقت بادشاہی می کنند

فقراء امتی ملوک الآخرۃ طغراء وقت شان ست بلک بہر دو جہاں نہ پرواء شانست، از فقر چہ باک دارند بلکہ در ہمت خود سلطان وقت آمدہ بیت:-

ما سلیمانیم مارا گرچہ تخت وتاج نیست
ملکِ درویشی بگیر و فرشہ تختاج نیست

ملکِ درویش در کون ومکان نمی گنجد، پس کجا گنجد، بگو در فضاء سبحان، در صحراء لامکان در میدان وحدت گنجد، مگر سلطان عارفان ازیں جا گفتہ ملکی اعظم من ملك الله تعالیٰ چراکہ ملک حق تعالیٰ کون ومکان ست، وملکِ درویش ہماں سبحان ست، سبحان اللہ کمال درویش در فہم بشر مختصر نہ گنجد کہ چوں دل درویش از نقش غیرِ حق پاک شود، وسعت ذات وصفات خداوند جل وعلاء را چالاک بود، لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب المؤمن اے برادر ہمت بلند دار و سر سجادۂ پیراں شو، وبر خورو از درماندگی روزگار ہیچ کمی وکمی نخواہد، انشاء اللہ تعالیٰ بسیار نشستن حاجت نیست کہ آں برادر شیر زادہ ست وعالم ست، امید تمام ست کہ برخیزد و بر سجادہ بنشیند، و باحق آمیزد، عاقبت محمود باد، وبالنبی وآلہ الامجاد۔[۱]

مولانا محی الدین دانشمند کے نام

ایک خط میں مولانا محی الدین کو اپنے ایک عزیز شاگرد قاضی ابراہیم دیوبندی کی سفارش کرتے ہوئے لکھا۔

قاضی ابراہیم دیوبندی طالب علم بحاجتی در لشکر رفتہ ست مخصوص بحضرت الخدمت فرستادہ شدہ ست، مرحمت فرمودہ

---

[۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۹۲ بجانب شیخ مبارک ص ۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶

وشفقت نمودہ، یک وقت معین کردہ بدہند، تا وقت وے غارت نشود، و قاضی مذکور پیش ایں فقیر "عوارف" می دید، و در عین خواندن در آں طرف رواں شدہ ست، حق تعالیٰ باخیریت بزودی و خوبی باز آرد۔[1]

مرشد اور مخدوم زادوں کے نام

اگرچہ حضرت شیخ کا اصل سلسلہ چشتیہ صابریہ تھا، لیکن آپ نے دوسرے سلسلوں میں بھی خلافت و اجازت حاصل کی تھی، جن بزرگوں سے آپ نے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا، اُن میں شیخ درویش بن شیخ قاسم اودھی بھی تھے۔

مکتوبات قدوسیہ میں کئی خط حضرت شیخ درویش بن قاسم اودھی کے نام ملتے ہیں، جن میں آپ نے ان کو اپنی باطنی کیفیتوں کو لکھا ہے، اور اُس عقیدت و احترام کے آئینہ دار ہیں جو آپ کو اپنے شیوخ سے تھی۔

درویش بن قاسم اودھی کے نام

ایک خط میں حضرت درویش بن قاسم اودھی کو اپنے حالات لکھتے ہوئے تحریر فرمایا۔

فلک رفعت، ملک نزہت، برہان العاشقین، سلطان العارفین قطب الزماں، حضرت شیخی و مخدومی نفع اللہ المسلمین لبطول بقائہ وبرکات انفاسہ تعریض کردہ نمود۔

ایں مدبر بغایت بلید فہم و نہایت پلید خوئے ست، باشد کہ ناشائستہ در رقم آوردہ باشد، و خود را بے ادب سپردہ باشد

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۴۲ بجانب مولانا محی الدین دانشمند ص ۵۹

واگرنہ چہ مجالِ او بلکہ این ہمہ وبال اوست کہ مواعظ و تنبیہات بمیران دست گیران نوسید، این مدبر سگ وار بیش مُردار دہ بار دست فراز د، و دو چشم وا منتظر ماندہ و خود را بسوے پاکی ہیچ نخواندہ - روزگارش در معصیت بسر آمدہ، و در کارش در عطلت در آمدہ، ہر روز صد بار دل بسوئے دنیادار بردہ یک بار در عمر دل را بحق نہ سپردہ، این چنین مدبر چہ شایان مشیخت و اقتدا بود، یا بر خود این گمان برد، حضرت شیخ صاحبِ اشراق مطلع انوار و اسرار دل اند، نیکو روشن دارند کیفیت احوال این مدبر واللہ بعزت اللہ۔

ہوا ئیم در ہوای خداست　　جز دوست نہ بر ولائے ذرائے ماست

ہر چند نہ این سزاوجائے ماست، و ماتم این مدبر بارے امروز برین ست تا روز دیگر چہ حاصل در دین ست، سگ را بر تخت نشانند، بادشاہ نشود، واز ہیچ آگاہ نگردد، این مدبر را ازین مشیخت و اقتدائے چہ بہرہ آری　بے بہرہ را بہرہ کے داد محجوب نصیب روشنی چراغ کے نہاد، آنرا کہ راندہ اند کی خواند، و یرا کہ خواندہ اند کے راند، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در جہان آمد و قرآن را بروئے فرستادند تا جہانیان را بخدائے خواہد خواند، و راہ نداد بے راہ ماند، و تباہ تباہ ماند، زہے اشکال الوہیت وزہے مشکلات ربوبیت خونہائے آب و دلہا کباب شدہ، و ہیچ غرقاب نہ بر آب شدہ. بلکہ خراب در خراب و خلاب در خلاب شدہ، در بحر عمیق نامرادی فرو رفتہ و ہمہ مراد ہا جز مراد دوست مارد مور گشتہ جز عجز دستگیر کس نگشتہ، این سبب حال بتمامی عرض خواہد کرد- بیت:-

لائق بندگی نہ ام بی ہنری و قیمتی
گر تو قبول می کنی باہمہ نقص کاملم

ایں مدبر کہ چنیں افتادہ ست بردر کریے افتادہ ست، بہمت عالی برگیرند، وبہمت عالی برگزینند، ولیکے او را معذور دارند، و بنظر کرم او را منظور فرمایند۔ بیت:

گر ما مقصّریم و تو بسیار رحمتی
عذرے کہ میرود بامید وفائے تست

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین واللہ اعلم بالصواب[۵۱]

ایک خط میں شیخ درویش قاسم اودھی کو لکھا کہ میری بڑی تمنا ہے کہ میں آپ کے آستانے کی جاروب کشی کروں اور آپ کی کفش برداری جو کہ سعادت دارین ہے اُس کا شرف حاصل کروں لیکن زمانے کا ادبار پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خط کی اصل عبارت یہ ہے۔

قصد ایں بندہ بسیار ست کہ در آستانہ حضرت مخدومی جاروب زنی کند، وغم دیں بخورد، اما تفرقہ وقت دامن نمی گذارد، و ادبار روزگار پیشت نمی آرد، تا اقبال دولت خدمت کفش مخدومی کہ سعادت دارین است حاصل گردد، و ذلک لایحصل الا بالفضل[۵۲]۔

مخدوم زادوں کے نام

مخدوم زادہ شیخ بڈھا کے نام

شیخ بڈھا حضرت شیخ کے پیر شیخ محمد کے صاحبزادے تھے۔ جنھوں نے حضرت شیخ سے شاہ آباد میں آپ کے صاحبزادے شیخ حمید کے

---

[۵۱] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۲۶ بجانب شیخ درویش قاسم اودھی ص ۳۶ - ۳۷

[۵۲] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۳۷ بنام شیخ درویش قاسم اودھی ص ۵۵

ساتھ تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن اس کے باوجود بحیثیت مخدوم زادہ ہونے کے حضرت شیخ اُن کا بڑا احترام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شیخ بڈھا نے اپنے ہاں چوری ہونے کا واقعہ حضرت شیخ کو لکھا، حضرت شیخ نے اظہارِ رنج و تاسف کرتے ہوئے اُس کے جواب میں لکھا۔

حق حق حق

سلام علیکم، سلام علیک
روحی فداکم و قلبی لدیک

قدم بوس و زمین بوس، بجناب عالی مآب لازال عالیاً آستانہ علیا حضرت پیرزادہ برجادہ فرد حقیقت مرد طریقت، غواصِ بحرِ حقیقت شیخ المشائخ والاولیا عرف شیخ بڈھا دامت مشیختہٗ۔

فقیر بے نوا، حقیر مبتلا، عبدالقدوس اسمٰعیل الحنفی عرض میدارد، المقصود ھو المقصود ولا مقصود سواہ فالله ولا سواہ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن بالله فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی۔

معاوضہ شریفہ و ملاطفہ لطیفہ رسید، بر مردمک چشم نہاد، بتعظیم عظیم بدست ادب گرفت بشرف مطالعہ او مشرف شد، مسطور بود بوضوح پیوست، بشنیدن افتادن دزدان و بردنِ اسباب آنجناب بغایت تکدر شد، و بصبر و رضا بیش آمدیم چہ تواں کرد، کار خداوند ازلی و حکم لم یزلی ہم چنین ست یکے بہ رنج و مشقت بر دست آرد، از دست وے بدیگرے بے رنج و مشقت بسپارد، و یکے را از عصیان بطاعت بلند کند، و یکے را از طاعت بعصیان مطروح سازد و مطرود سازد حضرت لاابالی ست، علمِ "ان الله لغنی عن العالمین" بر ہمہ جہان و جہانیان افراختہ ست، و ندا و ھؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی وھؤلاء فی النار ولا

ابالی در دادست، جز تسلیم بودن ورضا بحکم قضا کردن روی نیست، ہمہ دنیا متاع فانی وزینت بارانی ست، خود بہ دست مفلسان چہ خواہد بود، باید کہ در کار آخرت و در غم طلب حق اہتمام کلی وجدو جہد اصلی نمایند۔

خط کے آخر میں اُن کو علم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

ودر تعلیم علم کوشش بلیغ نمایند کہ عمل بے علم ہرگز ممکن نبود کہ قرآن ناطق ست ولم یکن ولی من الذل وبہ صحح السادۃ بقولہ ما اتخذ اللہ ولیاً جاھلاً، ہوشیار و حازم باید بود، کار جز امروز نیست، و فرصت غنیمت ست، و فضل علم و عمل بر ہیچ عاقل پوشیدہ نیست، یک وقت دائم بر برادرم قاضی جمال بروند و علم حاصل کنند۔ والسلام۔[1]

مخدوم زادہ شیخ عبدالشکور کے نام

ایک خط میں مخدوم زادہ شیخ عبدالشکور کو مذاہب اربعہ کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ بالاجماع یہی اہل سنّت والجماعت ہیں۔ اور حق انھیں چار مذاہب میں استقرار پاتے ہوئے ہے، اور جو کوئی بھی ملتِ اسلامیہ میں اصول وفروع میں مذہب اہل سنّت والجماعت کے خلاف طریقہ اختیار کرے گا وہ باطل ہے، اگر یہ اختلاف حدِ کفر تک ہے تو اُس کو آخرت کے اعتبار سے کافر کہیں گے۔

خط کی اصل عبارت یہ ہے۔

ہر چہار مذہب کہ اجماع اہلِ حق بر حقیقت شانست آں چہار مذاہب از جہت اصول بر یک دین حق اند و اہلِ حق اند۔ و اہلِ اقتدا اند، اعتقاد در حق ایشاں در اصولِ دین اینست،

---

[1] مکتوبات قدسیہ مکتوب ۲۸ بجانب شیخ زادہ عرف شیخ بڈھا ص ۳۱-۳۲

وایشاں اماماں ومقتدایاں شرع محمدی بر مذہب اہل سنت وجماعت اند، اما در فروع دین مجتہدات اہل یقین کہ اختلاف علماء رحمت عالمیان ورحمت ویسر در آنست، اعتقاد آنست، مذہب خویش راکہ تقلید آں مذہب کردہ ست صواب داند، واحتمال خطا ومذہب دیگرے راکہ تقلید آں مذہب نہ کردہ است خطا داند واحتمال صواب۔

اس خط کے آخر میں مذہب اہل سنت والجماعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ۔

ومذہب سنت وجماعت آنست آنچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویاراں وبرآں بودند، ہماں مذہب از عہد رسول علیہ السلام وصحابۂ کرام وتابعین وتبع تابعین باجماع اہل اسلام واہل حق بریں چہار مذہب استقرار یافتہ ست، وہماں مذہب از ایشاں بماں رسیدہ ست، واز عہد رسول علیہ السلام الی یومنا در اصل وفروع دین ہماں مذہب ست تا انقراض عالم خواہد بود، در تیسیر الاحکام آوردہ ست پیغمبر علیہ السلام فرمودہ، امت من ہفتاد وچند گروہ شوند، رستگار از میان ایشاں یک گروہ باشد، گفتند یا رسول اللہ، آں گروہ کدام ست، گفت، اہل سنت وجماعت گفتند یا رسول اللہ سنت وجماعت چیست گفت، آنچہ منم برآں ویاران من برآں اند، مؤمن باید کہ بر مذہب سنت وجماعت باشد، وآنچہ کسی از جملہ ملت اسلام از مذہب سنت وجماعت کہ در اصول وفروع ست تخلف نماید باطل بود، چہ آں تخلف در حد معصیت بود مبتدع وعاصی خوانند، وشفاعت عاصی جائز دانند وچوں آں تخلف در حد کفر بود اورا در حکم آخرت کافر خوانند وبیرون وے در دوزخ مؤبد ومخلد چوں کافراں دانند، ولا عذر لہ فی الآخرۃ[1]۔

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۸۹ بجانب شیخ عبدالشکور ص ۱۳۷ و ۱۳۸۔ ۱۳۹۔

خلفاء اور مریدوں کے نام

مکتوبات قدوسیہ میں بہت سے خطوط حضرت شیخ کے اپنے خلفاء کے نام ہیں جن میں ان راہ طریقت کے راہیوں کو معرفت و سلوک، روحانیت اتباعِ شریعت، اور عشقِ الٰہی کے بہترین درس دیئے گئے ہیں، ہم اُن میں سے چند خلفاء کے نام کے خطوط کے اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں۔

شیخ جلال تھانیسری کے نام

ایک خط میں شیخ جلال تھانیسری کو طہارتِ ظاہر اور اور دل کو ماسوی اللہ سے پاک کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

ہمیشہ در طہارتِ ظاہر بر حکم شریعت کار بستہ، و بر حکم طریقت دل از غیرِ حق شستہ، و در عالم حقیقت جان در فضائے قدس طائر گشتہ و در محو خود ساختہ و با حق باختہ باید بود[۵۱]۔

ایک اور مکتوب میں شیخ جلال تھانیسری کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ذکرِ الٰہی میں اس طرح کوشش کرو کہ ذکر الٰہی تمہارا مقصدِ حیات بن جائے۔

عمر قصیر، سفر طویل، فرحت عزیز مطلوب محال طلب مقصد بردن از حد باید کہ انفاس نفیس را در کار حق و در یادِ دوست صرف کند، و با ذکر دوست و یار ہمراہ گرداند کہ گفتہ اند ہر کہ امروز بحق مشغول بود، پس چناں در ذکرِ حق باید کوشید کہ ذکر حیات گردد، و غفلت ربّی ذکر ممات بود[۵۲]۔

---

۵۱ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۸۰ بجانب شیخ جلال ص ۳۴۹

۵۲ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۲۳ ص ۵۹

شیخ عبدالستار کے نام

ایک خط میں شیخ عبدالستار کو قربِ نفل اور قربِ فرض کی توضیح کرتے ہوئے لکھا۔

وچوں در عشق و محبت چناں برآید کہ از مقام ازلیت درگذرد کہ کونست بصفاتِ محبوب و معشوق موصوف گردد و تخلق باخلاق اللہ روے نماید بے بصر و بے نطق نشان دہد، درکمال ایں مقام دم انبتہ زند بانگ انا الحق و سبحانی برآرد، وایں مقام را "قربِ نفل" گویند کہ ذات برجاست، وصفاتِ دوست زیادت بر ذات تجلی نماست، وایں مقال در غلبۂ حال افتد، دریں حال بریں مقال اگر کشتہ گردد شہید گردد، شہید بود و در راہ بود از اولیاء مستہلک باشد۔ بیت:-

آں کس کہ کُشتہ گشت ازآں خال ہندوش
گرچہ شہید گشت مسلماں نمی رود

چوں در صحو آید استغفار لازم نماید، سلطانِ عارفاں ایں جا استغفار کرد و گفت الٰہی ان قلت یوما سبحانی ما اعظم شانی فانا الیوم مجوسی فاقطع زنّاری، واقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وچوں عشق و محبت از مقامِ صفات درگذرد وچناں ترقی نماید کہ بجمال رسد آں را "قربِ فرض" خوانند، وتجلیِ ذات دانند، دریں مقام محبت از خود، ہیچ عبارت نیارد، بلکہ ہیچ اشارت ندارد، وجز دوست نبود فھو لیس الا ھو وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی جلوۂ ایں مقام است، ید اللہ فوق ایدیھم، سرِّ ایں دولت ست، ایں جا کمال تمکین بود، وصحتِ حال بکمال بود، شطحیات بر وگذر نیابد، باخلق بصحبتِ عقل بود، کلموا الناس علیٰ قدرِ عقولھم

جولان او بود، و احکام شرائع بر خلق بر قدر خلق رساند، و اصلاح داین کند، وما من الا لیطاع باذن اللہ خلیفہ کمال اوست، فاللہ ولا سواہ جمال اوست، درین مقام ہمہ قول و فعل او حق بود، و ہماں شرع بود، واین مقام بکمال در انبیاء ست، والسابقون السابقون اولئک المقربون در شان ایشان ست، عاقبت محمود باد بالنبی وآلہ الامجاد۔[1]

شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی کے نام

ایک خط میں شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی کو تحمل شدائد پر حسنِ خلق اور اتباع رسول کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

غایت آنکہ مصطفےٰ صلعم باکمالِ صفا با خلق چہ معاملہ کردے وچہ خلقِ پاک پیش آوردے وچہ ایذاء خلق برخود قبول کردے ما او ذی نبی مثل ما اوذیت خبر کردہ تا ہر کہ در راہ او قدم دم زند و متابعت او کند نجات و فلاح یابد، اگر دشمن ست، دوست گردد، وحامی وحافظ ومعین او بود۔[1]

ایک خط میں پیری و مریدی کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے زمانے کے صوفیائے خام اور اُن کے مریدوں پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ افسوس آج دنیا پیروں اور مریدوں سے معمور ہے، لیکن اسلام سے ناواقف ہے جو اصل میں پیری و مریدی کا مقصد ہے۔

ہیہات ہیہات امروز انہ بدروز ماست کہ جہان از پیری و مریدی پرشدہ و ہیچ خبر از مسلمانی نیست، والعیاذ باللہ

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۹۰ بنام شیخ عبدالستار ص ۱۴۰۔۱۴۱

[2] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۱۰ بجانب شیخ عبدالرحمان ص ۲۰۴

من ذلک۔

اسی خط کے آخر میں تحریر فرمایا۔

امروز درویشی لقمہ فروشی ست، مادبران را خدائے تعالیٰ ازیں درویشی دین فروشی توبہ دہد، اوّل بارے مسلمانی درستی کنم بعدہ درویشی۔[1]

ایک خط میں شیخ عبدالرحمان شاہ آبادی کو "الایمان بین الخوف والرجاء" کا مفہوم سمجھاتے ہوئے لکھا۔

در خوف خدائے مردان چناں دانند کہ ہمہ وعید ہا در حق ایشان ست، تابدان خوف از منہیات پاک باشند و ہمیشہ در توبہ و استغفار بوند۔

و در مقام رجا چناں باشند کہ در جنت اند، و ہمیشہ در طاعت باشند، و در معاملات خود در میدان انوار و اسرار دم ھل من مزید زنند، و ہمیشہ با حق مستغرق باشند، وھذا علامۃ السعادۃ لاھل السعادۃ، دریں مرتبہ بطریاں در طاعت و پاکی بجائے رسند کہ ہم یک ملک شوند، و بر فلک شوند انھم اناس یتطھرون و ان الابرار لفی نعیم۔ نقد وقت ایشان ست و با ایں کمال کہ اہل دین راست، و اہل یقین راست مردان حق چناں با حق مشغول و مستغرق گردند کہ ملک گرد ایشان نتواند شد۔[2]

ایک اور خط میں شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی کو اس بنا پر کہ وہ آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین سے کسی بات پر رنجیدہ تھے، مرشد کے فرزندوں اور عزیزوں کی خدمت و احترام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب بنام شیخ عبدالرحمان شاہ آبادی

[2] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۴۶ بنام شیخ عبدالرحمن شاہ آبادی ص ۲۸۲-و۲۸۳

آن برادر از فرزندم شیخ رکن الدین رنجیده ست، اے برادر امروز آفتاب اسلام قریب بغروب شد بداء الاسلام غریباً سیعود کما بداء، آرے امروز دیگر چہ بود کار برعکس شدہ اگر شیخ رکن الدین رنجیدے و نوازوے بعجز و زاری خوشنودی می خواستے، مناسب حال بودے، و رضائے خداوند بودے، اما ایں نوع محض ضلالت ست، و تیر شیطان لعین بر ہدف سینہ آن برادر ست شیطان را بہ خنجر لاحول دفع کند، و از تیر آں ملعون خود را دور دارد، و اگر نہ آن لعین زخم بر جان زند و مردود ابد گرداند، و ابدالآباد در راہ مسدود گردد والعیاذ باللہ من ذلک۔

اے برادر عجب نعمت از ما می خواہی و از فرزندانِ ما می شکنی ہیہات ہیہات ہرگز بوئے نعمت نرسد و ہرگز راہ بحق نیابد، و آنچہ حال و کار ست آن ہمہ ضلال و وبال ست، و آنچہ نور ست، آن ہمہ ظلمت و غرور ست، تا شیطان زندہ ست طالباں را جان در طشتِ خون ست تا اجل پے نبریدہ ست، و وقتِ فرصت باقی ست چنگ بدین توبہ زند، و مستغفر شود و از تیر آں شیطان ملعون خود را دور دارد۔

اے برادر قرآن نظر کن کہ خدائے تعالےٰ می فرماید قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ، یعنی بگو اے محمد مر امتانِ خویش را کہ من ازیں دعوت کہ بشما می کنم و شما را راہِ حق و صراطِ مستقیم می نمایم از آن ہیچ اجرے نمی خواہم مگر آنکہ دوست دارید فرزندان و قرابتان مارا"، پس کسے کہ امروز با فرزندانِ شیخ می برد، او فردا قیامت با حق تعالیٰ چہ حجت خواہد گفت، و چہ روئے خواہد نمود، ایں فقیر ضعیف با فرزندانِ شیخ جلال قدس اللہ روحہ پانی پتی کہ پنجم ششم کرسی ست

چگونہ بندگی می کند، وخاکسارِ ایشاں می باشد۔

ہوش دار، ہوش دار، ہوش دار، و متنبہ شو، و مستغفر گرد، اناد، سلامت بگذری۔

و می باید کہ ہر دو برادران چناں میان خویش محبت کنند کہ ہیچ گونہ درمیان رنجش نبود، و شیطان مقہور گردد۔

پھر اس خط کے آخر میں اُن کو شغلِ باطن، علم کے حصول اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

و در کارِ شغلِ باطن کوشش بلیغ نمایند، و در خواندنِ علم دولت وسعادت دو جہانی شمارند، و در خواندنِ علم ہیچ تقصیر نکنند، و از مطالعہ کتبِ سلوک خالی نباشند، بلکہ ہر روز چیزے از کتابِ سلوک مطالعہ کردن بر خود لازم گردانند، و آں را سلوک راہِ خویش دانند کہ آں چراغے ست، و بے چراغ نور نبود، و بے نور ہرگز حضور نبود کہ پردہ ہماں ظلمت ست، پس از علم چارہ نیست، بے علم ہیچ کار نیست و ہرگز بار نیست، تا آنکہ بار صحبتِ اہلِ فقر حق تعالیٰ از فضل خود روزی کند، بقدر طاقت در کار باشد، و در خواندن تقصیر نکنند، چون دولتِ وصول نہادہ اند، روزے باشد کہ نصیب گردد، انشاء اللہ تعالیٰ۔[1]

شیخ خضر بدھن جامع مکتوبات قدوسیہ کے نام

شیخ خضر بڈھن جو حضرت شیخ کے خلفاء میں تھے۔ ایک خط میں اُنھوں نے اپنی بعض پریشانیوں کی شکایت کی، حضرت شیخ نے اُن کو جواب میں لکھا۔

اے فرزند کارِ درویش دل را از غیرِ حق نگاہ داشتن ست،

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۶۶ بجانب میاں عبدالرحمان ص ۹۴-۹۵

وچون دل با خدائے قرار گیرد، وہیچ التفات بغیر نیارد، ہیچ اضطراب نماند، وہیچ تنگی نبود، فطوبی لمن لہ قلب سلیم۔[1]

ایک خط میں شیخ خضر کو طالبِ مولیٰ کی کیفیت اور اُس کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا۔

مردان کہ چنگ بحضرت اللہ زدہ اند، جز اللہ فراموش کردہ اند، ہر چند جنّت ست نہ بر ایشاں منت ست ما فی الجنۃ احدٌ سوی اللہ، در جنت ایشاں بے خدائے خویش یک ساعت نزیند، وحیات و ممات ہر چہ دارند در شوق دوست دارند و در ذوق دوست دارند" اِنّ صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العالمین در گوش کن، لا شریک لہ در ہوش کن، واز غیر خدائے در گذر۔ بیت:۔

ہر چہ جز حق بسوز غارت کن
ہر چہ جز دین از و طہارت کن[2]

شیخ راجو شروانی کے نام

ایک خط میں شیخ راجو شروانی کو اُن کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے حضرت شیخ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی لکھا کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کو تلاش کرے کہ جو عارف ہو، صحیح العقیدہ ہو، اور نصیحت دامانت میں مشہور ہو، طریقت کے غوامض سے واقف ہو، اور اسرارِ الٰہی کا دانا ہو، اس کے علاوہ اُس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ گمراہ اور اہلِ حق صوفیاء میں تمیز کرے کہ آج بہت سے مکّار صوفیوں نے جو خود بھی گمراہ ہیں اور مخلوقِ خدا کو گمراہ

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۴۰ بجانب شیخ بڈھن ص ۸۰

[2] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۱۵۳ بجانب شیخ خاں جون پوری ص ۲۹۶

کیلا ہے، پھر اُس کو اگر کوئی شیخ کامل ملے یا اس کا کہیں پتہ چلے خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں اُس کے پاس جائے اور اپنے آپ کو اس کے اس طرح سپرد کر دے جس طرح کہ مُردہ غسّال کے سپرد ہوتا ہے یہاں تک کہ مُردے کا اگر ایک بال بھی حرکت کرتا ہے تو غسّال اُس کے پاک کرنے سے ہاتھ روک لیتا ہے، یہی مثال بعینہ پیر اور مرید کی بھی ہے،

اے عزیز! پیری مُریدی کوئی آسان کام نہیں، یہ جہان میں اللہ اور اس کے رسول کی یادگار ہے، اگرچہ عرفان خداوندی کے راستے انفاس و ذرات ریگ سے بھی زیادہ ہیں، لیکن کوئی بھی راستہ قریب تر، عزیز تر، شریف تر اور بلند تر پیری و مریدی سے نہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ راستہ نصیب ہوتا ہے، اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس دام میں آتے ہیں۔

پھر آخر میں ان کو لکھا کہ پیروں کی صحیح قدر مرید جانتے ہیں، اور مریدوں کی عزت پیر پہچانتے ہیں، اگر کوئی شخص ایک پیر کی طرف متوجہ ہو اور وہ وفات پا جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے تاکہ اُس کے کام میں خلل واقع نہ ہو، اور اس کی خدمت میں رہ کر اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کرے، خواہ اس میں بیس سال یا چالیس یا ستر سال گزر جائیں، اس کی مثال بیضۂ مرغ کی سی ہے جس کو ایک مرغی سیتی ہے، جب اُس مُرغ کو بلی لے جاتی ہے تو قبل اس کے کہ اس میں خلل و فساد واقع ہو، وہ بیضہ دوسری مرغی کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ اُس بیضے سے چوزہ نکلے، اور مُرغ اس کو اپنی پرورش میں رکھ کر مرغ کے مقام تک پہنچا دے۔

تم نے اپنے حسن ظن اور توفیق الٰہی کی بناء پر میری طرف توجہ کی ہے تو جو کچھ مجھ کو خدا کے فضل اور پیروں کے تصدق سے پہنچا ہے میں اس میں تمھارے لئے دریغ نہیں کروں گا، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔[1]

---

[1] مکتوبات قدوسیہ - مکتوب ۵۶ بجانب شیخ راجو شروانی ص ۷۵-۷۶

میاں خواجہ پانی پتی کے نام

ایک مکتوب میں میاں خواجہ پانی پتی کو استقامت شریعت اور اتباعِ رسول کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

اے برادر در شریعت مستقیم باش، ودر پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر وباطن میر، وہیچ خلاف شرع جز خود وبرکس عملاً و اعتقاداً روا مدار۔ بیت:۔

ہر چہ در و داعیۂ شرع نیست
وسوسۂ دیو بود بے نزاع[۱]

ہمعصر صوفیائے کرام کے نام

شیخ خواجگی[۲] کے نام

شیخ خواجگی سدھوری جو اپنے وقت کے بہت بڑے زاہد اور صوفی تھے، اور حضرت شیخ اُن کا بے حد ادب واحترام فرماتے تھے کسی نے شیخ خواجگی سے حضرت شیخ کی درویشی کے متعلق جاہ طلبی کا سوءِ ظن ظاہر کیا،

۱۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی۔ مکتوب ۱۴۴ بجانب خواجہ پانی پتی ص ۲۸۰

۲۔ شیخ خواجگی کے والد ماجد کا نام علی تھا، ان کے بزرگوں کا اصل وطن ہرات تھا۔ شیخ خواجگی کا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

شیخ خواجگی بن علی بن خیر الدین بن نظام الدین انصاری بن شیخ جمال الدین بن محمد بن غیاث بن معز بن حبیب بن شمس بن جلال بن ظہیر بن محمد بن نظام بن شہاب بن محمود بن عوض بن ایوب بن جابر بن اسماعیل بن عبداللہ ہروی شیخ خواجگی کے جد اعلیٰ شیخ نظام الدین ۸۴۰ھ میں ہرات سے ہندوستان تشریف

حضرت شیخ کے بھائی شیخ عزیز اللہ جب شیخ خواجگی کی زیارت کے لیئے گئے تو شیخ خواجگی نے اُن کے توسط سے حضرت شیخ کو کچھ نصیحتیں فرمائیں پھر حضرت شیخ کے پیر بھائی مولانا پیارہ اُن کی خدمت میں شرف قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے، شیخ خواجگی نے اُن کے ذریعہ سے بھی وہی نصیحتیں دوبارہ حضرت شیخ کو کیں، ان دونوں حضرات نے شیخ خواجگی کا پیغام حضرت شیخ تک پہنچایا۔ حضرت شیخ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے حضرت شیخ خواجگی کو ایک خط میں لکھا۔

زینہار ہزار زینہار ایں مدبر کہ بصد ہزار شقاوت گرفتار در دام ادبار ست، برخود ایں گمان کند، ہیہات ہیہات ہر بیچارہ کہ در تیہ ضلالت فروشدہ ساحل نجات نیافت، و بہلاکت پیوست کہ گفتہ اند اکثر و اغلب مریداں وسالکان کہ از راہ افتادہ اند، و گمراہ ابد گشتہ اند ازیں جاست کہ ایشاں راہ طلب جاہ و منزلت پدید آید، با حکام ظاہر از زہد و تقوی صوری باقصی الغایت کوشیدہ اند کہ سبب

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلہ) لائے، اور اودھ کے ایک قصبے سدھور میں سکونت اختیار کی، سدھور ہی میں شیخ خواجگی پیدا ہوئے، جون پور میں علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور طریقت کی تکمیل شیخ تاج الحق جون پوری، شیخ شمس الدین اودھی اور سید عبدالرزاق پھپھوندی سے کی، حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بعض رسائل میں ہے کہ شیخ خواجگی نے شیخ بڈھن اجودھی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا جو سلسلۂ چشتیہ میں شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کے مرید تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ان کو اپنے مکاتیب میں شیخ الاسلام، قدوۂ اولیاء و قطب اتقیاء کے لقب سے مخاطب فرماتے ہیں۔

شیخ خواجگی کے چار صاحب زادے تھے جو سب کے سب عالم تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۰۴)

رجحان ایشاں و جمعیتِ پریشاں و خانقاہ و جاہ بدکیشاں ست، واز مراعاتِ سِرّی و مراقبۂ دلی کہ حضوریِ حق و مقصود حق ست، غافل و عاطل گشتند، واز مقصود کہ مقصدِ اصلی و مطلبِ کلی ست بازماندہ اند و محروم گشتند، والعیاذ باللہ من ذلک، آنچہ کسے ایں نوع بحضرتِ مخدومی رسانیدہ ست محض خلاف و کذب ست، ہیچ استوار نفرمانید، و یقین تصور فرمانید کہ ایں مدبر اگرچہ بصد ہزار نوع ادبار گرفتار ست، از نہا ہیچ حاجت نیست، اگر ایمان ازیں میدان پُر دشمناں بسلامت آخرت برد ہزار شیخی و مریدی حاصل کردہ باشد واللہ کہ ایں مدبر را از نہا ہیچ حاجت نیست، از حق بلطف خواہند کہ سلامتیِ ایماں روزی گردد۔[1]

شیخ فرید ہانسوی کے نام

شیخ فرید ہانسوی شیخ جمال ہانسوی کے پوتے اور جلیل القدر صوفیہ میں تھے، ایک خط میں حضرت شیخ نے اُن کو قاضی راجن کی سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ میں آپ کو اپنے مخلصوں اور دوستوں میں سمجھتا ہوں، پھر اُن کو لکھا۔

قاضی راجن ابدالی محب و دوست ایں فقیر بخدمت متوجہ شدہ اند، و ابو البنات اند، و ہیچ سبب ظاہر ندارند، چنگ بدامن ہمت بلند سلطان الشیوخ زدہ اند، ہرچہ در باب ایشاں رعایت و مراعات خواہد بود، امید ست عنداللہ قبول گردد و در حق ایں فقیر متصوّر خواہد افتاد۔[2]

اس باب کو ختم کرتے ہوئے ہم آپ کے خطوط سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں، جن سے آپ کے طرزِ تحریر اور انشائی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۷ بجانب شیخ خواجگی سدہوری ص ۱۲۔۱۳

[2] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب ۳ بجانب شیخ فرید ہانسوی

ایک خط میں اپنے صاحبزادے شیخ رکن الدین کو فقر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

فقر نارے ست ربانی کہ چوں در دلے افتد، اورا بیدل سازد، وچوں شعلہ زند در ہلاکت اندازد، ومستہلک سازد، ونورے ست سبحانی کہ چوں در دلے افتد، ودر اشراق آید وانا الحق وسبحانی بکشاید، وسنگ نااہلاں خوردن در وقت وے لازم آید وافضائے ورسوائی در چشم نااہلاں رو بنماید، وہمہ گویند کہ ایں ناروا ست، وایں دیوانہ ست وسنگ اورا دوست۔ ع

سنگِ نااہلاں خورد شاخے کہ باشد میوہ دار[۱]

اثر وتاثر کے اعتبار سے حضرت شیخ کے ذیل کے خطوط کے ٹکڑوں کو پڑھیے۔ جن میں از دل خیزد وبر دل ریزد کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور پڑھنے والے کے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ ایک خط میں اپنے مرید حضرت شیخ جلال تھانیسری کو لکھتے ہیں۔

از فقیر حقیر عبد القدوس صفی الحنفی کہ سوختہ آتش فراق ودوختہ سر اشتیاق ست، جز سوز کارے ندارد، وجز درد بارے ندارد، ومحجوب روزگار، وہمہ روئے در ادبار، آہ آہ این چہ افتاد، عمر از ہفتاد گذشتہ بادوست ہیچ نیفتاد، ومحروم ماند، یالیتنی کنت ترابا۔ نعرہ در وقت اوست، نہ عبادت دارد نہ تقوی، نہ علم دارد نہ فتوی، عمر بجہل گذشتہ تا روز پسیں چہ پیش آید، وپیشیں چہ روئے نماید[۲]۔

ایک خط میں شیخ عزیز اللہ دانشمند کو شیخ سعدی کے اس شعر کا مطلب پوچھنے پر کہ ؎

---

[۱] منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۴۶ مکتوب بست ویکم۔
[۲] منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۱۱۶

بیت:۔ عجبے نیست کہ سرگشتہ شود طالب دوست
عجب این ست کہ من واصلِ وسرگردانم

تمہیداً بطورِ معذرت تحریر فرماتے ہیں۔

حق حق حق

اخوی شیخ الاسلام اہل اللہ، شیخ عزیز اللہ دام عرفانہ وزید تحقیقۃ باللہ وشوقہ وذوقہ مع الاسلام۔

از فقیر حقیر عبدالقدوس اسماعیل صفی الحنفی مطالعہ فرمایند و بدانند کہ این مدبر سیاہ روئے بدخوئے را کہ عمرش در جہل وغفلت گذشتہ، ودر عطلت از حد رفتہ، سوختہ اند، وزبان گرفتہ اند، وقتِ خواندن قبض می شود، وخواندن دشوار می گردد، وہیچ تسبیح واوراد آن نماندہ ست، این خراب شدہ چہ نویسد، گم شدہ ست، وخود اصل علم ندارد، ودر معرفت ہیچ عرفان نمی آرد۔ ونبشتن کارِ عالمان وعارفان ہست، واما چون یاران عالمان وعارفان اند، ومسائلہ علومِ ربانیہ وارادتِ سبحانیہ می کنند، ناچار جواب بر قدرِ فہم رکیک خود نبشتہ می شود، واللہ اعلم بالصواب[1]۔

---

[1] منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۱۲۱

تئیسواں باب

اولاد

حضرت شیخ کی اولاد کے متعلق جو تصریحات ہمیں ملتی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ اہمیت حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے بیان کو حاصل ہے، کیونکہ وہ حضرت شیخ کے وصال تک اُن کے ساتھ رہے ہیں، لطائف قدوسی میں انھوں نے متعدد جگہ اپنے علاوہ اپنے تین بھائیوں کا تذکرہ کیا ہے اُن کے بیان کے مطابق حضرت شیخ کے صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت شیخ حمید الدین (۲) حضرت شیخ احمد

(۳) حضرت شیخ رکن الدین (۴) حضرت شیخ محمد علی

ہاشم کشمی[1] نے زبدۃ المقامات میں آپ کے سات صاحبزادوں کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان کے ناموں کی صراحت نہیں کی، زبدۃ المقامات میں ہے:۔

شیخ را ہفت پسر بود کہ ہر یک در حال و قال بے مثل بود۔[2]

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی بن محمد قاسم کشمی بدخشی برہان پوری نقشبندیہ مشائخ میں سے تھے، اُن کا وطن "کشم" تھا جو بدخشاں میں واقع ہے، خواجہ محمد ہاشم نے وہیں کے علماء سے تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان کے مشہور شہر برہانپور آئے، اور ۱۰۳۱ھ میں سرہند حاضر ہو کر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے بیعت کی، اور ایک عرصہ تک حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں رہے، حضرت

صاحب خزینۃ الاصفیا نے آپ کے ایک اور صاحبزادے عبد الکبیر عرف بالا پیر کا تذکرہ کیا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے۔

شیخ عبد الکبیر بالا پیر از خلفائے ارجمند و فرزند سعادت پیوند شیخ عبد القدوس گنگوہی ست، در شجاعت و سخاوت و خوارق و کرامات و وجد و ذوق و سماع و شوق بوقت خود ثانی نداشت[۱]۔

صاحب سیر الاقطاب نے، ان کا تذکرہ اگرچہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے بعد کیا ہے، لیکن عبد الکبیر کو ابن خواجہ عبد القدوس پانی پتی لکھا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ عبد الکبیر اولیاء ابن خواجہ عبد القدوس پانی پتی قدس اللہ سرہ العزیز کہ عالی جناب و کمالات اکتساب و وہبی مادرزاد بود (سیر الاقطاب ص ۲۲۸)۔

لیکن خاندانِ قدوسیہ کے شجرے میں جس کو قدامت اور استناد حاصل ہے، حضرت شیخ کے دس صاحبزادے مندرج ہیں جن کی تفصیل اور نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت شیخ حمید الدین (۲) حضرت شیخ احمد (۳) حضرت شیخ رکن الدین (۴) حضرت شیخ محمد علی (۵) حضرت شیخ عبد السلام (۶) حضرت شیخ محمد محدث (۷) قطب الدین (۸) ابو سعید (۹) محی الدین، (۱۰) نظام الدین۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) مجدد الف ثانی نے ان کو ۱۰۳۳ھ میں حدیث کی اجازت دی اور تلقین ذکر کا صاحب مجاز بنایا، پھر وہ برہان پور لوٹ کر وہیں مقیم ہو گئے، ان کی تصانیف میں زبدۃ المقامات ہے جو مشائخ کا تذکرہ ہے، یہ تذکرہ انھوں نے ۱۰۳۷ھ میں تالیف فرمایا، اس کے علاوہ ان کا فارسی دیوان بھی ہے، خواجہ ہاشم کشمی نے برہان پور ہی میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۴۹۲)

[۱] زبدۃ المقامات مطبوعہ نول کشور ص ۹۹ [۱] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۴۱۸

ان میں سے شیخ حمید، شیخ احمد، شیخ رکن الدین، شیخ محمد علی، شیخ عبدالسلام اور شیخ محمد سے اولاد کا سلسلہ چلا، شیخ عبدالحمید، شیخ محمد علی، شیخ عبدالسلام اور شیخ محمد محدث دہلوی کی اولاد آج بھی گنگوہ اور پاکستان کے مختلف حصوں میں آباد ہے۔ قطب الدین، ابوسعید، محی الدین اور نظام الدین نے زمانۂ طفولیت ہی میں وفات پائی[1]۔

اولاد کی تعلیم و تربیت

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے تمام صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت جس انداز سے فرمائی، اور اُن کو علم و فضل، زہد و ورع سے جس طرح آراستہ کیا، اُس کا اندازہ آپ کے صاحبزادے شیخ احمد کے اُس بیان سے ہوتا ہے، جسے صاحب زبدۃ المقامات نے نقل کیا ہے۔
"زبدۃ المقامات میں ہے کہ شیخ احمد نے فرمایا کہ ہمارے خاندان کا طور و طریقہ یہ رہا ہے کہ پہلے لڑکوں کو کمالاتِ صوری سے آراستہ کرتے، اور پھر مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد اُن کو قطبیت کے مقام تک پہنچاتے، اُس زمانے میں کہ میں اور میرے بھائی دہلی میں تعلیم میں مشغول تھے، اکثر ہمیں اپنے والد محترم (حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوتا، اور ہم اپنے والد کو لکھتے کہ ہمارا دل آپ کی زیارت کو چاہتا ہے، اگر اجازت ہو تو آستاں بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوں، ہمارا خط ملنے پر آپ فرماتے کہ لڑکوں کے یہاں آنے سے اُن کے پڑھنے لکھنے کا حرج ہوگا۔ اس لئے ہمیں ہی اُن کے پاس جانا چاہئے، پھر آپ باوجود کبرسنی، پیرانہ سالی اور ناتوانی و ضعف

---

[1] یہ تمام تفصیل ہمارے شجرۂ خاندانی سے ماخوذ ہے، جس پر نظر ثانی اور ترتیب و تہذیب کا کام شاہ منظور احمد صاحب قدوسی انجام دے رہے ہیں، میں ان معلومات کے لئے اُن کا شکر گذار ہوں۔

کے خود زحمت فرما کر دہلی تشریف لاتے، جب والد محترم کے دہلی تشریف لانے کی خبر مشہور ہوتی تو دہلی کے اکابر و اعیان آپ کے استقبال کے لئے جاتے۔[1] حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کو غالباً اس زمانے میں جب کہ وہ دہلی میں طلب علم میں مشغول تھے علم و عمل کے فوائد پر ایک نہایت نصیحت آمیز اور اثر انگیز خط لکھا تھا۔ جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

اے فرزند فرصت عزیز است، روز و شب در تحصیل علوم بجد و جہد کوشش بلیغ نمائی کہ وقت تحصیل علوم ہمیں است، و دوام طہارت و ادائے فرائض و سنن و رواتب با تعدیل ارکان و با حضور و خشوع بر وجہے کہ صاحب شرع خبر کردہ ست، لازم گیر کہ در استقامت ایں کار سعادت دو جہانے و دولت جاودانی و برکات و رحمت بے شمار ہست۔

اے فرزند فرصت کو غنیمت جانو، اور دن رات علم کے حاصل کرنے میں انتہائی کوشش کرو کہ علم کے حاصل کرنے کا وقت یہی ہے، اور ہمیشہ طہارت، ادائے فرائض و سنن اور نوافل میں خشوع و خضوع اور تعدیل ارکان کے ساتھ اس طریقے پر کہ جس طرح ہم کو صاحب شریعت نے تعلیم دی ہے لگے رہو کہ اس کام پر استقامت کرنے سے دو جہان کی سعادت اور دولت جاودانی اور بے شمار برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

و بدانکہ مقصود از علم عمل ست کہ فردا از عمل پرسند نہ از بسیاری علم، و مقصود از عمل اخلاص و محبت حق تعالی است۔[2]

اور (یہ بھی) تمھیں جاننا چاہئے کہ کہ مقصود علم سے عمل ہے کہ کل قیامت کے دن عمل کے متعلق پوچھا جائے گا، نہ کہ کثرت علم کے متعلق، اور عمل کا مقصود اخلاص اور حق تعالی کی محبت ہے۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۰۰ [2] مکتوبات قدوسیہ

شیخ حمید الدین

شیخ حمید الدین، حضرت شیخ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، یہ ۸۶۰ھ میں ردولی میں پیدا ہوئے۔ شیخ حمید کی عمر ابھی چودہ یا پندرہ سال کی تھی کہ حضرت شیخ پر اہلِ دنیا سے تنفر کی کیفیت اس قدر شدت سے پیدا ہوئی کہ آپ نے ارادہ کیا کہ آپ گھربار چھوڑ کر کسی جنگل یا ویرانے میں چلے جائیں، چنانچہ آپ نے گدڑی پہن کر مشائخ چشت کے تبرکات و آثار اور خرقۂ خلافت شیخ حمید کے سپرد فرمایا، اور خود بستی سے نکل گئے، ابھی آپ موضع "تورہ" ہی تک پہنچنے پائے تھے کہ عمر خاں شروانی کے لڑکوں کو جو آپ کے مرید تھے خبر ہوئی، وہ فوراً ہی آپ کی تلاش میں روانہ ہوئے، تاکہ آپ کو کسی طرح واپس لوٹا کر گھر لائیں، آپ نے جب اُن کو آتے دیکھا تو فرمایا وہیں رہو ورنہ میری جان جائے گی یا تمہیں نقصان پہنچے گا۔ اتفاقاً اُن میں سعید خاں نامی ایک شخص آپ کے قریب آیا، اُس کے قریب ہوتے ہی آپ میں ایک عجیب تبدیلی پیدا ہوئی، پتلیاں اوپر کو چڑھ گئیں، اور آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ لوگ وہاں سے ہٹ کر دور چلے گئے، حضرت شیخ نے تمام رات وہیں گزاری دوسرے روز جب ذرا سکون ہوا تو آپ واپس گھر تشریف لائے۔[۵۱]

تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ حمید الدین علوم ظاہری میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے کہ سیدی احمد ملتانی نے اُن سے تمنا ظاہر کی تھی کہ وہ "تلویح" کی تعلیم اُن سے حاصل کریں۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے شیخ حمید کے اساتذہ میں مولانا قطب الدین سرہندی، شیخ احمد حسینی ملتانی کا ذکر کیا ہے۔[۵۲]

---

۵۱ لطائف قدوسی ص ۳۹ و ص ۵۲

۵۲ نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۴۰ ۳

اس کے علاوہ شیخ حمیدؒ صاحبِ تصنیف تھے، اور وحدت الوجود پر انھوں نے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا۔

یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ حمید کی اولاد سے ہے، اس فقیر کا سلسلۂ نسب بھی بارہ واسطوں سے بتوسط حضرت شیخ حمید حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے، میرے خاندانی شجرے میں اس کی تفصیل اس طرح مندرج ہے۔

اعجاز الحق قدوسی بن شاہ ظہور الحق بن شاہ عنایت احمد بن شاہ مشتاق احمد بن شیخ العالم عرف اللہ دیا بن شیخ الاسلام بن مولانا شاہ فخر الاسلام بن شاہ محمد حیات بن شاہ محمد حی بن شاہ محمد صادق بن شاہ فتح اللہ بن شاہ عبدالصمد بن شیخ حمید الدین بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ[1]۔

شیخ رکن الدین

شیخ رکن الدین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دوسرے صاحبزادے ہیں، لطائف قدوسی میں خود شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ میں اپنے والد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے شاہ آباد تشریف لانے کے ایک سال بعد ۵ جمادی الاول ۸۹۷ھ میں شاہ آباد میں پیدا ہوا، اس وقت میرے بڑے بھائی شیخ حمید گیارہ سال کے تھے، پھر اس کے بعد میرے تمام بھائی شاہ آباد ہی میں پیدا ہوئے[2]۔

صاحبِ اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی[3] نے حضرت شیخ کے

---

[1] نٹ نوٹ مقدمہ منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۸ و شجرۂ خاندان قدوسیہ مرتبہ شاہ ظہور الحق قدوسی

[2] لطائف قدوسی لطیفہ ۵۳ ص ۳۱

[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بزرگوں میں آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں قتل و خون کا ہنگامہ برپا کیا اپنے وطن سے بدل

صاحبزادوں کے علم و فضل، زہد و ورع اور اُن کے تقویٰ و تقدس کو بیان کرتے ہوئے شیخ رکن الدین کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۳۵) ہو کر سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ سلطان علاءالدین خلجی (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) نے ان کو فوجی عہدے پر مامور کر کے گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا۔ آغا محمد ترک نے ۷۳۹ھ/۱۳۳۸ء کو سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں وفات پائی۔

شیخ عبدالحق کے دادا شیخ سعداللہ تھے جو بہت بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، شیخ سعداللہ نے علم ظاہری کے حصول کے بعد شیخ محمد منگن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، شیخ سعداللہ کے دو صاحبزادے تھے، ایک شیخ رزق اللہ مشتاقی، دوسرے شیخ سیف الدین، شیخ سیف الدین شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد ماجد تھے، شیخ محدث کی والدہ ماجدہ مولانا زین العابدین معروف بہ شیخ ادھن کی صاحبزادی تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماہِ محرم ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، اُس وقت اسلام شاہ کا دورِ حکومت تھا، اُنھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد شیخ سیف الدین سے حاصل کی اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم مکمل کی، تکمیلِ علم کے بعد آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۹۹۶ھ میں آپ عازم حجاز ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر اڑتیس سال تھی، ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک آپ کا قیام حجاز میں رہا، اور وہاں آپ کا تمام وقت شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گزرا جنھوں نے آپ کو علم کی تکمیل کرائی اور عرفان و تصوف کی راہوں سے آشنا کیا، ۱۰۰۰ھ میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے، اور دہلی میں مسندِ درس و ارشاد بچھائی، اور آخر وقت تک اپنے مدرسہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ عبدالحق نے ابتداءً اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی، پھر اپنے والد کے ارشاد پر قادریہ سلسلے میں حضرت سید موسیٰ گیلانی سے بیعت ہوئے۔ سید موسیٰ گیلانی نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ پھر آپ نے شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی بیعت کی، اُنھوں نے آپ کو سلسلۂ چشتیہ قادریہ شاذلیہ اور مدینیہ میں خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ نے خواجہ باقی باللہ سے بھی مراقبہ، رابطہ، حضور اور یادداشت کی تعلیم حاصل کی تھی، ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت "شیخ اولیاء" اور تاریخ رحلت "فخر عالم" سے نکلتی ہے۔ (ماخوذ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ تالیف پروفیسر خلیق احمد نظامی۔)

شیخ عبدالقدوس را اولاد بسیار شد، وپسرانِ او ہمہ عالم ومتعبّد ومتلبّس بلباسِ مشائخ، و از میانِ ایشان شیخ رکن الدین مردے متبرک بود، وبمشربِ فقر ومحبت موصوف بر قدمِ والدِ خود قدم می نہاد۔[1]

شیخ عبدالقدوس کے اولاد بہت ہوئی، آپ کے صاحبزادے سب کے سب عالم، عبادت گزار اور مشائخ کے لباس میں ملبوس تھے، خصوصاً اُن میں شیخ رکن الدین نہایت ہی متبرک بزرگ اور مشربِ فقر ومحبت سے موصوف تھے، اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے۔

سیرالاقطاب میں ہے کہ حضرت شیخ نے متعدد مرتبہ فرمایا، اگر حق تعالےٰ قیامت کے روز مجھ سے پوچھے گا کہ تم دنیا سے ہماری بارگاہ میں کیا لے کر آئے ہو تو میں ایک ہاتھ سے شیخ رکن الدین کو اور دوسرے ہاتھ سے شیخ جلال الدین تھانیسری کو پکڑ کر حاضر ہوں گا، اور کہوں گا کہ اے باری تعالیٰ میں ان دونوں کو لے کر آیا ہوں۔[2]

شیخ رکن الدین نے علومِ درسیہ کی تعلیم شیخ فتح اللہ[3] بن نصیر الدین، سید احمد[4] حسینی ملتانی اور شیخ ابراہیم[5] بن معین حسینی ایرجی سے حاصل کی،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۲ [2] سیرالاقطاب ص ۲۲۰

[3] شیخ فتح اللہ بن نصیرالدین بن سماء الدین ملتانی ثم دہلوی اکابر علماء میں سے تھے، وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے والد اور دادا سے علومِ درسیہ کی تکمیل کی، شیخ رکن الدین گنگوہی اور بہت سے علماء ومشائخ اُن کے تلامذہ میں تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۵۵ تالیف مولانا عبدالحیٔ بن فخرالدین مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

[4] سید احمد ملتانی فقہ، اصول، علم کلام اور ادب میں یگانہ روزگار عالم تھے، سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آئے، اور اُس دور کے مختلف شیوخ سے ملاقاتیں کیں، پھر وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے عوارف اور عرائس البیان کی تعلیم حاصل کی، اور حضرت شیخ سے مسئلہ وحدت الوجود پر متعدد بار گفتگو کی (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۲) [5] علامہ ابراہیم بن معین بن

اور اپنے والد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے مرید ہو کر طریقۂ چشتیہ اور دوسرے طریقوں کی تعلیم حاصل کی، اور طریقۂ قادریہ ابراہیم بن معین ایرجی سے حاصل کیا، اور اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ گنگوہ میں متولی ہوئے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵) عبدالقادر ایرجی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں تھے، اُنھوں نے علوم ظاہری کی تعلیم شیخ علیم الدین محدث سے حاصل کی اور علوم باطنی کی تعلیم شیخ بہاء الدین بن عطاء جنیدی سے حاصل کی، شیخ بہاء الدین نے اُن کے لئے اذکار اشغال میں ایک رسالہ بھی تالیف فرمایا تھا، علامہ ابراہیم سنہ ۹۲۰ھ میں دہلی پہنچے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اُن کے غیر معمولی علم و فضل اور تبحر علمی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ دہلی میں کوئی دانشور اُن کے مقابلے کا نہ تھا، اور حق تو یہ ہے کہ اُن کے ہمعصروں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے اُن سے استفادہ نہ کیا ہو، لیکن وہ ناقدریِ روزگار کی وجہ سے ہمیشہ گوشۂ تنہائی میں کتابوں کے مطالعے اور اُن کی تصحیح میں مصروف رہتے تھے، اُن کا کتب خانہ بھی عظیم الشان تھا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے کتب خانے سے بیشمار کتابیں نکلیں، جن میں سے اکثر اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، سماع کے سننے سے احتراز فرماتے تھے۔

علّامہ ابراہیم ایرجی کے ارشد تلامذہ میں شیخ رُکن الدین گنگوہی، شیخ عبدالعزیز اور شیخ نظام الدین بن سیف الدین کاکوروی مشہور ہیں۔

علّامہ ابراہیم ایرجی نے سنہ ۹۵۳ھ میں اسلام شاہ کے عہدِ حکومت میں وفات پائی، اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مقبرے میں امیر خسرو کے پائینتی دفن ہوئے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۴-۵ و اخبار الاخیار ص ۲۵۰ تا ۲۵۱)

شیخ رکن الدین سے شیخ عبدالاحد بن شیخ زین الدین سرہندی والدِ ماجد حضرت مجدد الف ثانی اور بہت سے دوسرے بزرگوں نے فیوضِ باطنی حاصل کئے۔

مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی مشہور تالیف منتخب التواریخ میں شیخ رکن الدین کے محامد و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین حضرت شیخ عبدالقدوس کے صاحبزادے ہیں، اُن کے مناقب و کمالات بیان سے باہر ہیں، اُنھوں نے مکتوباتِ قدوسی[1] کو جمع کیا ہے جو اُن کی علمی فضیلت اور صاحبِ حال ہونے پر دال ہیں، وہ ایک عظیم المرتبت بزرگ تھے، اور آثار کمالات اُن کے چہرے سے نمایاں تھے، تصوف میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور سلوک میں اپنے مشائخ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے، صاحبِ ذوق و حال تھے، اہلِ حشم اور اہلِ دولت کے دروازوں بہت کم اور صرف شدید ضرورت کے وقت جاتے تھے، اپنا تمام وقت گوشۂ عزلت میں گزارتے تھے، میں نے دہلی میں بیرم[2] خاں کی بغاوت کے زمانے میں اُن سے شیخ

---

[1] یہ سہو ہے غالباً ملا عبدالقادر بدایونی کی مراد "لطائف قدوسی" سے ہے جس کے مؤلف شیخ رکن الدین ہیں اور جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی سوانح حیات ہے، مکاتیب قدوسیہ کے جامع شیخ خضر بن رکن الدین جونپوری ہیں۔

[2] بیرم خاں نے اکبر کی بڑی خدمات انجام دیں، اکبر نے بھی سارے اختیارات اُس کے سپرد کر دئے تھے، مگر اُس میں ایک قسم کی رعونت آگئی تھی جس کی وجہ سے ۹۶۷ھ میں اکبر نے اُس سے سارے اختیارات لے لینے کا فیصلہ کیا اور بیرم خاں کو حج کے لئے جانے کا حکم دیا، سیر المتاخرین میں ہے کہ جب وہ آگرے سے حجاز کے ارادے سے روانہ ہوا تو اُس نے میوات پہنچ کر سلطان سکندر افغان اور غازی خاں سے جو اُسے رخصت کرنے آئے تھے کہا کہ وہ ممالک محروسہ میں گڑبڑ پیدا کریں، پھر خود فتنہ پردازوں کے مشورے

عبدالعزیز کی مجلس میں ملاقات کی تھی۔[1]

شیخ رکن الدین کی تصانیف

شیخ رکن الدین کا علمی دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس کے حالات و ملفوظات کو "لطائفِ قدوسی" کے نام سے مرتب کر کے محفوظ کیا، ورنہ حضرت شیخ کے حالات تک اس درجہ مفصل دسترس بہت مشکل تھی۔

لطائف قدوسی کی تالیف ترتیب کا کام انھوں نے حضرت شیخ کی اجازت سے آپ کی زندگی ہی میں ماہ جمادی الاول ۹۴۴ھ میں شروع

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵۰۲) پر وہ بیکانیر گیا، اور وہاں سے رائے کلیان مل زمیندار کے پاس ٹھہرا اور کھلم کھلا بغاوت کے ارادے سے پنجاب پہنچا، اکبر نے میر شمس الدین محمد خاں اتکہ کو اس بغاوت کے فرو کرنے پر مامور کیا، دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا، آخر بیرم خاں کو شکست ہوئی، بیرم خاں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے اکبر کی بارگاہ میں معافی کے لیے معروضہ پیش کیا، اور لکھا کہ بارگاہِ ہمایونی سے کسی قابلِ اعتماد شخص کو مقرر فرمایا جائے کہ وہ مجھے لے کر آستانہ والا پر حاضر ہو، اکبر نے مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری اور منعم خاں کو اس خدمت کے لئے متعین کیا، یہ دونوں اُس کو تسلی و تشفی دے کر اکبر کے پاس لائے، اور بیرم خاں روتا ہوا معافی کا خواستگار ہوا، اکبر نے اُسے معاف کر کے صفِ امرا میں بٹھایا، پھر اس نے دوبارہ بیرم خاں کو حجاز جانے کا حکم دیا، بیرم خاں دوبارہ روانہ ہوا، ابھی وہ پٹن ہی پہنچا تھا کہ مبارک خاں افغان لوحانی نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے موقع پا کر اس پر تلوار سے وار کیا، جس سے اُس نے وفات پائی۔

(ماخوذ از سیر المتاخرین جلد اول مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۱۶۹-۱۷۷)

[1] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۵۰ مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔

گیا تھا، لیکن اس کی تکمیل حضرت شیخ کی وفات کے بعد ہوئی۔

اس کے علاوہ آن کی دوسری تصنیف "مرج البحرین" ہے جس میں علم دینی اور یقینی کے اسرار و معارف ہیں۔ اس کے علاوہ آن کے مکتوبات بھی ہیں، اور حضرت شیخ عبد القدوس کی مشہور تصنیف "رشد نامہ" پر آن کے حواشی ہیں جو آن کی علمی اور صوفیانہ عظمت کے آئینہ دار ہیں، ایک چھوٹا سا رسالہ "عید قرباں" بھی آن کی تصنیف ہے، جو لطائف قدوسی کے آخر میں شامل ہے اور فارسی میں ہے۔

شیخ رکن الدین ۹۸۲ھ میں گنگوہ میں واصل الی اللہ ہوئے، ان کی قبر گنگوہ میں اپنے والد کی قبر شریف کے متصل جانب جنوب واقع ہے۔

شیخ رکن الدین کے خلفاء

شیخ رکن الدین نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے فیوض و برکات کو سرہند اور سندھ تک پہنچایا، آن کے خلفاء میں حضرت مجدد الف ثانی کے والد شیخ عبد الاحد سرہندی تھے جن کے توسط سے یہ سلسلہ سرہند اور سندھ میں پہنچا، سندھ کے مشہور پیر، پیر پگاڑو کا سلسلہ شاہ اسماعیل پریالو کے ذریعہ شیخ عبد الاحد اور شیخ رکن الدین کے واسطے سے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے[1]، اس کے علاوہ ان کے خلفاء میں شیخ عبد الباقی سہارن پوری اور شیخ عبد الکریم سہارن پوری اور شیخ مصطفےٰ سہارنپوری تھے

شیخ عبد الاحد

شیخ عبد الاحد بن زین العابدین بن عبد الحیٔ بن محمد بن حبیب اللہ بن رفیع الدین العمری سرہندی والدِ حضرت مجدد الف ثانی، مشائخِ چشتیہ میں

---

[1] خزینۃ المعرفت قلمی (مملوکہ سندھی ادبی بورڈ) کے مصنف سید علی گوہر حسینی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶-۷-۸-۹ پر سید محمد بقاء کے ضمن میں آن کے طریقت کے سلسلے یعنی قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ مفصل اور مسلسل نقل کئے ہیں سلسلہ چشتیہ کے ضمن میں یہ تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

خاص شہرت و عظمت رکھتے تھے، یہ سرہند میں پیدا ہوئے، اور تحصیل علم میں مصروف ہوئے، ابھی تعلیم نامکمل ہی تھی کہ قلب میں تزکیۂ نفس کا ذوق بیدار ہوا، اور انھوں نے گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت شیخ نے اُن سے فرمایا کہ پہلے علوم شرعیہ و متعارفہ کی تکمیل کرو کہ بغیر علم کے درویشی کا لطف نہیں، شیخ عبدالاحد نے عرض کیا کہ تعمیل ارشاد میں مجھے کوئی عذر نہیں، لیکن مجھے آپ کے کبر سِن کو دیکھتے ہوئے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ جب میں تحصیل علم سے فارغ ہوکر لوٹوں تو آپ کی صحبت سے محروم رہوں، شیخ نے فرمایا اگر تم مجھے نہ پاسکو تو میرے فرزند شیخ رکن الدین موجود ہیں تم جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو اُن سے حاصل کرو، اور تمھیں جس چیز کی تلاش ہے، وہ تمھیں اُن سے ملے گی، حضرت شیخ کے اس ارشاد کے بعد شیخ عبدالاحد سرہند لوٹ آئے، اور علوم دینیہ کی تکمیل میں مصروف ہوئے یہاں تک کہ مختلف علوم میں غیر معمولی تبحر پیدا کیا، اور صاحب درس و فتوٰی ہوئے، لیکن جب وہ فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت شیخ عبدالقدوس اُس سے پہلے ہی وصال فرما چکے تھے، وہ مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اور وہاں کے شیوخ سے ملاقات اور فیوض حاصل کرتے ہوئے شیخ رکن الدین کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے، اور اُن سے بیعت کر کے ایک طویل عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ شیخ رکن الدین نے ان کو ۹۷۰ھ میں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، اور قادریہ اور چشتیہ سلسلے میں اُن کو تلقین و تربیت کی اجازت مرحمت فرمائی، اِس کے بعد شیخ عبدالاحد اپنے وطن سرہند واپس ہوئے، اور درس و تدریس میں مصروف ہوگئے، شیخ عبدالاحد یوں تو تمام فنون میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے، لیکن فقہ اور اصول اور تصوف میں اُن کا جواب نہ تھا، تصوف میں وہ "تعرف" "عوارف" اور "فصوص" کا درس دیتے، اور اسرارِ توحید کو نہایت دلچسپ انداز میں واضح فرماتے تھے۔

شیخ عبدالاحد کی تصانیف میں کنوز الحقائق اور رسالہ فی اسرار التشہد وغیرہ مشہور ہیں، شیخ عبدالاحد نے ۱۰۰۷ھ میں سرہند میں وفات پائی۔[1]

شیخ عبدالباقی سہارن پوری

شیخ عبدالباقی بن عبدالستار سہارن پوری، سہارن پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے اور بڑھے، حضرت شیخ رکن الدین سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تعلیم حاصل کی اور انھیں سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے، وہ اپنے زمانے کے علمائے صالحین میں تھے۔[2]

شیخ عبدالکریم سہارن پوری

شیخ عبدالکریم سہارن پوری بن شیخ عبدالستار انصاری سہارنپوری اپنے زمانے کے مشہور علماء میں تھے، انھوں نے حضرت شیخ رکن الدین سے علوم ظاہری اور معرفت کی تعلیم حاصل کی، اور بیعت ہو کر ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور درس و تدریس چھوڑ کر وعظ و تذکیر میں مشغول ہو گئے وہ چشتیہ طریقہ پر طالبانِ حق کو ذکر کی تلقین کرتے تھے، بہت سے لوگ ان سے مستفیض ہوئے، شیخ عبدالکریم نے ۱۴ محرم ۱۰۴۱ھ کو وفات پائی۔[3]

شیخ مصطفےٰ سہارن پوری

شیخ مصطفےٰ سہارن پوری کے والد کا نام عبدالستار تھا وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، شیخ مصطفےٰ، حضرت شیخ کے صاحبزادے

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۹۳ و ۱۹۴ بحوالہ زبدۃ المقامات

[2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۹۴

[3] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۴۵

شیخ رکن الدین کے خلفاء میں تھے، زہد و ورع، اور علم و فضل کے اعتبار سے شیخ مصطفیٰ کا شمار اکابر علماء اور جلیل القدر صوفیاء میں ہوتا تھا، صاحب کشف و کرامات تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ مصطفیٰ لشکر شاہی میں جانا چاہتے تھے، مگر حاکم شہر ان کے جانے کے خلاف تھا، یہ بغیر اس کی اجازت کے آگرے روانہ ہو گئے، اور حاکم شہر نے ان کا پیچھا کیا، اور دریا میں غرق ہو گیا، جب شیخ مصطفیٰ آگرے پہنچے تو بادشاہ ان کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا، اور نہایت اعزاز کے ساتھ انھیں اپنے وطن پہنچا دیا۔ شیخ مصطفیٰ نے ۴ شعبان سنہ ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی۔[1]

شیخ احمد

شیخ احمد، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے تیسرے صاحبزادے ہیں، جو تصوف و عرفان، علم و فضل کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔

ایک دفعہ شیخ احمد نے بچپن میں اپنے بھائی شیخ علی کے ساتھ شب قدر میں جاگنے کا ارادہ کیا، تاکہ شب قدر کی برکات سے مستفید ہوں، حضرت شیخ نے کشفی طور پر ان دونوں صاحبزادوں کے ارادے کو معلوم کر لیا، اور کہلا بھیجا کہ تم ابھی بچے ہو، شب قدر میں جاگنے کا ارادہ مت کرو، تم ابھی شب قدر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔[2]

شیخ احمد حافظ کلام اللہ تھے، اور نماز میں حضرت شیخ کی امامت کرتے تھے، حضرت شیخ کی عادت مبارک تھی کہ شب برات میں سو رکعت نفلیں با جماعت ادا فرماتے، اور ان نفلوں میں ایک قرآن مجید ختم کرتے، آپ اس معمول کے اس شدت سے پابند تھے کہ یہ عمل کبھی فوت نہیں ہوا، اس موقع پر بھی

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۵۴

[2] لطائف القدوسی۔ لطیفہ ۴۶ ص ۳۵

شیخ احمد ہی امامت فرماتے، جب وہ موجود نہ ہوتے تو پھر مجبوراً حضرت شیخ کسی دوسرے حافظ کو طلب کرتے۔

ماہ رمضان میں بھی تراویح میں شیخ احمد حضرت شیخ کو قرآن مجید سناتے، حضرت شیخ کا معمول تھا کہ ہر شب میں تراویح میں تین پاروں کی سماعت فرماتے تھے۔

ایک دفعہ رمضان میں شیخ احمد کسی وجہ سے تین پارے سنانے سے معذور تھے، لیکن حضرت شیخ سے ادباً کچھ کہہ نہ سکتے تھے، حضرت شیخ نے کشفی طور پر اُن کے ارادے کو معلوم کر کے فرمایا کہ تم آسانی سے جتنا بھی قرآن مجید سنا سکتے ہو سناؤ۔[1]

شیخ احمد صاحب تصانیف تھے، اُن کی تصانیف میں رسالہ حلت غنا اور رسالہ نفی اثبات وحدت الوجود مشہور ہیں۔

اُن کے صاحبزادے شیخ عبدالنبی تھے، جنھوں نے اپنے والد کے رسائل کی تردید میں ایک رسالہ لکھا، جب شیخ احمد کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے شیخ عبدالنبی کو ڈانٹا، وہ دہلی چلے گئے، اور اکبر نے اُن کو اپنا صدر الصدور مقرر کیا۔

شیخ احمد نے ۹۷۲ھ میں شاہ آباد میں وفات پائی، اُن کا مزار دریائے مارکنڈہ کے کنارے شاہ آباد میں واقع ہے۔[2]

شیخ احمد کے صاحبزادے شیخ عبدالنبی صدر الصدور

عہد اکبر کے مشہور صدر الصدور شیخ عبدالنبی شیخ احمد کے صاحبزادے تھے، جن کے تذکرے سے دور اکبری تاریخیں معمور نظر آتی ہیں، شیخ عبدالنبی کئی مرتبہ حرمین شریفین گئے، وہاں کے جلیل القدر علماء سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، اور محدثین کا طریقہ اختیار کیا اُن پر

---

[1] لطائف قدوسی، لطیفہ ۶۰ ص ۴۲

[2] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۲

علم کا رنگ غالب تھا، تقویٰ و طہارت، علم و فضل سے متصف تھے، اُن کے والد اور چچا نے وحدت الوجود اور سماع کے جواز میں رسالے لکھے تھے، شیخ عبد النبی نے اپنے والد اور چچا کے خلاف اُن کی تردید میں رسالہ لکھا، اُن کی شہرت اور مقبولیت نے اُن کو اکبر کے دربار تک پہنچایا۔ اور ۹۷۲ھ میں صدر الصدوری کے منصب پر فائز ہوئے، اکبر شیخ عبد النبی کا اس قدر معتقد تھا کہ وہ اکثر اُن کے مکان پر حدیث سُننے کے لئے آتا، حدِ عقیدت یہ تھی کہ ایک دفعہ اُس نے اُن کے جوتے اُٹھا کر رکھے، شاہزادہ سلیم کو اُن کی شاگردی میں داخل کیا، شیخ عبد النبی کے فیضِ صحبت نے شروع میں اکبر کو بھی متاثر کیا، وہ نہ صرف نماز باجماعت کا پابند تھا، بلکہ خود اذان دیتا، نماز پڑھاتا، اور مسجد میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا ایک دفعہ وہ جشنِ سالگرہ کے موقع پر زعفرانی کپڑے پہن کر محلِ شاہی سے آیا، شیخ عبد النبی نے بھرے دربار میں اُس کو ڈانٹا، یہاں تک کہ اُن کا عصا اکبر کے سر پر جا لگا لیکن اکبر نے کچھ نہ کہا، اور خاموش رہا، جب دربار سے محلِ شاہی میں پہنچا، اور اپنی ماں سے شیخ کی شکایت کی تو ماں نے اُسے تسلی تشفی دیتے ہوئے کہا، بیٹا رنجیدہ نہ ہو، یہ بات بھی تاریخ میں یادگار رہے گی کہ ایک بوڑھے عالم نے ایک بادشاہ کو مارا تھا، اور اُس نے ادب سے اُس کو برداشت کیا تھا۔[1]

منتخب التواریخ میں ہے کہ شیخ عبد النبی نے منصب صدر الصدوری پر فائز ہوتے ہی مددِ معاش، وظائف ملک کے گوشے گوشے میں لوگوں کے نام جاری کئے، اور مکاتب و مدارس و خانقاہوں کے نام متعدد وقف کئے۔ مُلّا عبد القادر بدایونی جو بہت ہی کم کسی کی تعریف برداشت کرتے ہیں، وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ اس شان و شوکت کا صدر الصدور کسی بادشاہ کے زمانے میں نہیں گذرا، اور جتنے اوقاف شیخ عبد النبی نے اپنے دورِ صدر الصدوری میں کئے اس کے عشر و عشیر بھی ہمیں دوسرے زمانوں میں نہیں ملتے۔ بادشاہ کو اُن سے اس قدر عقیدت تھی کہ اُن کے جوتے اُٹھاتا تھا۔[1]

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۷۹ - ۸۰

لیکن شیخ عبدالنبی کا یہ عروج دیرپا ثابت نہ ہوا، اور اُن کی خوش اقبالی کو دیکھ کر درباری علماء اُن سے کھٹکنے لگے، چنانچہ مخدوم الملک عبداللہؒ سلطان پوری نے جو اکبر کے درباری علماء میں شامل تھے عناداً شیخ کی مخالفت شروع کی، اُنھوں نے شیخ عبدالنبی کے خلاف ایک رسالہ لکھا، جس میں بتایا کہ شیخ عبدالنبی نے

ل مخدوم الملک عبداللہ سلطان پور اطراف لاہور کے رہنے والے تھے، اُن کے بزرگ ٹھٹھ کے تھے، لیکن اُن کے دادا ٹھٹھ سے جالندھر میں منتقل ہوئے، اور عبداللہ پنجاب کے ایک شہر سلطان پور میں پیدا ہوئے، اور مولانا عبدالقادر سرہندی سے تعلیم حاصل کی، فقہ اور دوسرے علوم میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے، صاحب تصانیف تھے، اُن کی تصانیف میں عصمت الانبیاء، منہاج الوصول اور رسالہ "تفضیل عقل" مشہور ہیں۔ اُن کی شہرت کا آفتاب اُس وقت طلوع ہوا جب ۱۵۲۸ء میں میر ابوالبقاء جو بہت بڑے عالم سمجھے جاتے تھے، ایران سے ہندوستان آئے، اور ان کی مختلف موضوعات پر گفتگو میر ابوالبقاء سے ہوئی، میر ابوالبقاء نے ان کی صلاحیتوں کے جوہر کو دیکھ کر اُنھیں دوسرے علماء کے مقابلے میں بیحد پسند کیا، آہستہ آہستہ عبداللہ سلطان پوری کی شہرت ہمایوں کے کان تک پہنچی، اُس نے اُنھیں مخدوم الملک کے خطاب سے سرفراز کیا، ہمایوں کے جلاوطن ہونے کے بعد جب شیر شاہ سوری ہندوستان کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تو اُس نے اُنھیں شیخ الاسلام کا خطاب بخشا، شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد سلیم شاہ نے یہ خیال کر کے مخدوم الملک کا اثر عوام پر بہت زیادہ ہے اُن کے مراتب میں اور بھی اضافہ کیا، وہ اُن کا بیحد ادب کرتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ مخدوم الملک نے اپنے اس اثر و رسوخ کو بجائے اس کے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر صرف کرتے بہت ہی غلط طور پر استعمال کیا، اُنھوں نے اپنے اثر و اقتدار سے سب سے بڑا فائدہ یہ اُٹھایا کہ جس قدر اس اقتدار سے روپیہ مال و دولت حاصل کیا جا سکتا ہو وہ اس سے حاصل کریں، دوسرے اپنے اقتدار سے یہ کام لیا کہ ہر وہ درویش اور عالم جو اُن سے ذرا بھی اختلاف رکھتا تھا، بادشاہ کو اس کی جانب سے یہ خوف

خضر خاں شروانی کو آنحضرت صلعم کی شان میں بے ادبی کی تہمت لگا کر، اور میر حبش کو رافضی ہونے کا الزام لگا کر ناحق قتل کرادیا، مخدوم الملک نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) دلاکر یہ آپ کی مملکت کے لئے خطرہ ہے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، مال کی جوع البقر ہوس کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرے تو ان کے خاندانی قبرستان سے کئی صندوق نکلے، جن میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں، اور جنھیں انھوں نے قبروں کا نام دے کر دفن کردیا تھا تاکہ لوگ ان کے مال کے جمع کرنے سے واقف نہ ہوسکیں اس طرح ان قبروں کو اپنا محفوظ خزانہ بنائے ہوئے تھے۔ وہ اتباعِ شریعت میں بھی ظاہر پرستی کا نقاب ڈالے ہوئے تھے، ورنہ ان کا اپنے لئے شرعی مسائل میں حیلہ گری کا یہ عالم تھا کہ وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے سال کے ختم کے قریب اپنا تمام مال اپنی بیوی کو ہبہ کردیتے، اور ان کی بیوی سال کے اندر وہ مال ان کو واپس کردیتیں اس حیلہ شرعی سے وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ادائی زکوٰۃ سے بچاتے رہے، جب لوگ ان سے پوچھتے کہ آپ پر حج فرض ہے تو کہتے نہیں، اور اپنے پر حج فرض نہ ہونے کی وجہ یہ بتاتے کہ اگر میں خشکی کے راستے سے سفر کروں تو مجھے رافضیوں کے ملک سے گزرنا پڑتا ہے، اگر دریا سے سفر کروں تو فرنگیوں سے عہد و پیمان کرنا پڑتا ہے جو توہین ہے وہ جلیل القدر علماء جن کو انھوں نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، ان میں شیخ علائی ہیں جنھیں انھوں نے کوڑوں سے پٹوا کر شہید کرایا، شیخ داؤد شیر گڑھی بھی ان کی لائی ہوئی مصیبتوں کا نشانہ بنے، لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ترویجِ شریعت اور ردِ بدعت میں شمشیر برہنہ تھے، اور ان کی یہ کوششیں اس زمانے میں جب کہ تصوف کے سرچشمے قرآن و حدیث سے ہٹ چکے تھے، اور غیر اسلامی فکر و کردار کا نشوونما ہو رہا تھا بہت مفید تھیں۔

مآثر الامراء میں ہے کہ جب ۹۹۱ھ مخدوم الملک مکہ معظمہ سے گجرات واپس ہوئے تو اکبر کے حکم سے انھیں زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۰۶)

(ماخوذ از رود کوثر بحوالہ گلزار ابرار و منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۳)

اسی پر اکتفا نہیں کیا، اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ عبدالنبی نے اپنے والد کے خلاف، حرمتِ سماع کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا، اور شاید اُن کے والد شیخ احمد اس وجہ سے کچھ اُن سے کبیدہ بھی تھے۔ مخدوم الملک کو شیخ عبدالنبی کو بدنام کرنے اور عوام کو اُن کے خلاف اُکسانے کے لئے اس واقعہ کا سہارا لے کر پروپیگنڈے کا اچھا موقع مل گیا، اُنھوں نے فتویٰ دیا شیخ عبدالنبی کو چونکہ اُن کے والد نے عاق کر دیا ہے، اس لئے اُن کے پیچھے نماز درست نہیں، مخدوم الملک کے جواب میں شیخ عبدالنبی نے بھی اُنھیں گمراہ اور جاہل بتایا، لیکن تقدیر ان دونوں پر ہنس رہی تھی، کسے خبر تھی کہ دونوں کا زوال قریب ہے، اور دونوں زوال کے زمانے میں ایک دوسرے کے ساتھی بنائے جائیں گے، علماء کی اِس باہمی چپقلش نے اکبر کی نظر میں علماء کے وقار کو بالکل گھٹا دیا، اور وہ اُن کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے لئے تدبیریں سوچنے لگا۔

اتفاق یہ ہے کہ جس زمانے میں شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کے یہ جھگڑے چل رہے تھے، اکبر کے دربار میں ایک اور شخص پہنچا، یہ فیضی اور ابوالفضل کا باپ شیخ مبارک تھا جس نے شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کے ہاتھوں نہایت دُکھ اُٹھائے تھے، سلیم شاہ کے عہد میں جب شیخ علائی کے کوڑے لگائے گئے اور اُنھیں شہید کیا گیا تو شیخ مبارک نے مخدوم الملک کی مخالفت کی تھی، اس وجہ سے مخدوم الملک اُس کے مخالف تھے، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ عہدِ اکبری میں جب شیخ عبدالنبی نے میر حبش اور دوسرے اہلِ بدعت کو قتل کرایا تو اُس زمانے میں شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک نے جو اکبر پر چھائے ہوئے تھے، بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ مبارک بھی مہدوی خیالات کا پیرو ہے اور اہلِ بدعت بھی ہے، خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے، اِس طرح یہ دونوں بادشاہ سے اجازت لے کر اُس کے ختم

کرنے کے درپے ہوتے۔

چنانچہ شیخ مبارک کے مکان پر محتسب بھیجے گئے کہ وہ اس کو گرفتار کرکے لائیں، لیکن شیخ مبارک کو خبر مل گئی، اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر کہیں چھپ گیا، اور مدتوں مختلف شہروں کی خاک چھانتا رہا، ایک طویل عرصہ گذرنے کے بعد ایک امیر مرزا کوکہ[۱] نے اکبر کے سامنے اس کی علمی فضیلت بیان کرکے سفارش کی، اور اس طرح شیخ مبارک کو اپنے وطن میں واپس آنے کی اجازت مل گئی۔

---

[۱] مرزا عزیز کوکہ، شمس الدین محمد خان آعظم کا بیٹا تھا، اکبر بادشاہ کے ہمعصر تھا، بچپن میں اکبر کے ساتھ کھیلا تھا۔ چونکہ اکبر نے بچپن میں اس کی ماں "جیجی" کا دودھ پیا تھا، اس لئے وہ اس کا رضاعی بھائی بھی تھا، اور اکبر اس کے ساتھ نہایت تقرب اور خصوصیت کے ساتھ پیش آتا تھا، اکبر اس کی والدہ کا ادب بھی اپنی حقیقی ماں سے زیادہ کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ بعض اوقات مرزا عزیز کوکہ کی بڑی سے بڑی گستاخیوں سے درگذر کرتا، اور کہا کرتا تھا کہ مجھ میں اور عزیز کوکہ میں ایک دودھ کی نہر کا واسطہ ہے، اپنے والد کی وفات کے بعد مرزا عزیز کوکہ اپنے والد کے خطاب "خان اعظم" سے سرفراز ہوا، وہ عہد اکبری اور عہد جہانگیری میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ممتاز امراء میں شمار ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ پکا مسلمان، مذہب اہل سنت والجماعت کا پابند اور متبع شریعت تھا، جب اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اور اہل دربار نے ہر امر میں اس مذہب کی اطاعت "اولی الامر" کی اطاعت سمجھ کر کی، اور شراب پینا اور داڑھی منڈوانا عام ہوا، ذخیرۃ الخوانین میں ہے کہ اس وقت اہل دربار میں صرف دو ہی آدمی تھے کہ جو شراب پینے اور داڑھی منڈوانے کے مرتکب نہیں ہوتے، ان میں سے ایک مرزا عزیز کوکہ تھا، اور دوسرے میاں شہباز خان کنبوہ۔

[۲] ۹۸۱ھ اکبری میں مرزا عزیز کوکہ خانخانان میرزا عبدالرحیم کے تبادلے کی وجہ سے گجرات کی گورنری کے لئے نامزد ہوا۔ وہ اس وقت مالوے میں تھا اس نے گجرات

تقدیر الٰہی سے اسی زمانے میں ایک اور واقعہ پیش آیا، منظر ابن قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد تعمیر کرنے کے لئے کچھ سامان جمع کیا، ابھی مسجد

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) جانا پسند نہ کیا، آخر ۳۵ھ اکبری میں وہ احمد آباد چلا گیا۔

جب ۱۰۰۱ھ میں اکبر نے مرزا کوکہ کو طلب کیا، چونکہ وہ بادشاہ کی بے دینی کو جانتا تھا، اس نے حج کا عذر کرکے حاضری سے معذرت چاہی، کہا جاتا ہے کہ دین الٰہی کی وجہ سے اکبر کے دربار کا جو رنگ ہو گیا تھا، اور بادشاہ کے دربار میں سجدۂ تعظیمی ڈاڑھی کا منڈانا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہوتے تھے، وہ انھیں بالکل بجا نہ لاتا تھا، بلکہ وہ اُن کے برخلاف لمبی ڈاڑھی رکھتا تھا، اس لئے وہ اکبر کے دربار کی حاضری سے بچتا تھا، جب مرزا عزیز کوکہ نے حج کا عذر کرکے دربار کی حاضری سے معذرت چاہی تو اکبر نے اس کی اصل وجہ تاڑ لی، اور جواب میں اسے لکھا کہ ہمارے دربار میں حاضری سے جو تم معذرت کر رہے ہو، اس کی اصل مانع تمھاری ڈاڑھی کے بال ہیں جو تمھارے راستے میں سنگ گراں بنے ہوئے ہیں۔

بعض دفعہ مرزا عزیز کوکہ اکبر کو مذہب کے معاملہ میں بہت سخت و سست لکھتا تھا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے اکبر پر طنز کرتے ہوئے اسے لکھا کہ تم نے اپنے دین کے عثمان اور علی فیضی اور ابوالفضل کو بنایا ہے، اب بجائے شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کے کن کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔

چنانچہ وہ اپنے چھ لڑکوں اور چھ لڑکیوں اور سو ملازموں کے ساتھ حج کے لئے "بندر بلاول" سے روانہ ہو گیا، اور ۱۰۰۳ھ میں حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس آیا، اور دربار شاہی سے منسلک ہو گیا۔

جہانگیر کے عہد میں مرزا عزیز کوکہ خسرو کے بیٹے سلطان داور بخش کی اتالیقی پر ہمراہی کے لئے مقرر ہوا جو صوبہ داری گجرات کے لئے نامزد ہوا تھا، وہ اس کے ساتھ گیا، اور ۱۰۳۳ھ میں مرزا عزیز کوکہ نے احمد آباد میں وفات پائی۔ (فٹ نوٹ مقالات الشعراء ص ۱۹۵ تا ۱۹۸ بضمن خان اعظم بحوالہ مآثر الامراء)۔

تعمیر شروع نہیں ہوئی تھی کہ وہیں کے ایک مالدار برہمن نے اس پر قبضہ کر لیا، اور اس مسالے سے ایک مندر تعمیر کرایا، قاضی صاحب کے ساتھیوں نے اس برہمن کو روکنا چاہا تو اس نے عیاذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں اور اسلام کی اہانت کی، قاضی عبدالرحیم یہ شکایت لے کر شیخ عبدالنبی کے پاس پہنچے، انھوں نے برہمن کو بلا بھیجا، لیکن وہ ان کے طلب کرنے پر نہ آیا، آخر دربار شاہی سے ابوالفضل اور بیربل کو بھیجا گیا، اور وہ اس کو لے کر آئے، جب وہ حاضر ہوا، تو ابوالفضل نے کہا واقعی اس برہمن نے آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی کی ہے، لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ اسے کیا سزا دی جائے، اس مسئلے میں علماء میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ جو شخص نبی کی توہین کرے اس کی سزا قتل ہے، کچھ ان میں سے کہتے تھے کہ اسے قتل کے سوا کوئی اور بھی سزا دی جا سکتی ہے مؤخر الذکر علماء اپنی تائید میں امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ پیش کرتے تھے کہ اگر کوئی ذمی آں حضرت کی شان میں گستاخی کرے تو اس سے عہد شکنی اور ابراءِ ذمہ جائز نہیں، شیخ عبدالنبی نے بادشاہ سے پوچھا کہ اس برہمن کو کیا سزا دی جائے، اکبر نے کہا کہ شرعی سزاؤں کو تم جانتے ہو، اس بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو، غرضکہ بہت دن تک یہ معاملہ لیت ولعل میں پڑا رہا، ادھر راجپوت رانیوں نے اس برہمن کی رہائی کے لئے شیخ سے پاس سفارش کی، شیخ نے پھر ایک بار بادشاہ سے پوچھا، اکبر نے کہا میں پہلے تمھیں جواب دے چکا ہوں، مجھ سے بار بار کیا پوچھتے ہو، آخر شیخ عبدالنبی نے اس برہمن کو قتل کی سزا دے دی، اور برہمن قتل کر دیا گیا، برہمن کا قتل بادشاہ کی رانیوں کو بہت ناگوار گذرا، رانیوں نے محل میں بادشاہ کو شیخ عبدالنبی کے خلاف برانگیختہ کیا، دربار میں ان مصاحبوں نے جو نہ صرف شیخ کے عروج واقبال کی وجہ سے ان کے مخالف تھے بلکہ وہ اکبر کے دربار میں علماء کا اقتدار ختم کرانا چاہتے تھے، بادشاہ کو بھڑکایا کہ اب یہ ملا اس قدر سر پر چڑھ گئے ہیں کہ آپ کی خوشی

اور ناخوشی کی بھی پروا نہیں کرتے، اور لوگوں کو بغیر آپ کے حکم کے قتل کرا دیتے ہیں، اِن بھڑکانے والوں میں شیخ مبارک کے دونوں بیٹے فیضی اور ابو الفضل پیش پیش تھے، بادشاہ بہت بگڑا، اور علماء سے سخت بددل ہوگیا، اتفاق سے اسی زمانے میں شیخ مبارک کسی تقریب میں اکبر کے دربار میں باریاب ہوا، اکبر نے جو علماء کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے تنگ آچکا تھا، شیخ مبارک سے مشورہ کیا، شیخ مبارک نے کہا کہ بادشاہِ عادل خود امام اور مجتہدِ وقت ہوتا ہے، اُسے ملکی اور شرعی امور میں، ان ملاؤں سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں، آپ کو چاہئے کہ آپ خود مجتہد ہونے کا دعویٰ کریں، یہ بات اکبر کی سمجھ میں آگئی، شیخ مبارک نے بادشاہ کے مجتہد ہونے کا ایک محضر تیار کیا، اور بادشاہ سے کہا کہ وہ اس پر علماء کے دستخط لے، چنانچہ محضر پر دستخط لینے کے لئے علماء کو بلایا گیا، آخر علماء نے بحث و تمحیص کے بعد اس پر اپنی مہریں ثبت کردیں، اس محضر پر مہریں لگانے والوں میں مخدوم الملک، شیخ عبد النبی، قاضی جلال الدین[1]، قاضی خاں بدخشی اور میران صدر جہاں تھے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ بادشاہ نے شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک عبد اللہ سلطان پوری کو محضر پر دستخط کرنے کے لئے بلایا، وہ دونوں اس کی مجلس

---

[1] قاضی جلال الدین اپنے زمانے کے اکابر علماء میں تھے، یہ بھکر میں پیدا ہوئے اور ملتان میں پرورش پائی، اور تحصیل علم کے لئے آگرے پہنچے، اور شیخ جلال بن عبد اللہ اکبر آبادی سے علوم عربیہ کی تکمیل کی، پھر گجرات گئے، اور علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجراتی سے مختلف علوم میں استفادہ کیا، پھر گجرات سے اکبر آباد واپس آئے، اور ایک عرصے تک گوشۂ گمنامی میں رہ کر تجارت میں مشغول رہے، پھر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ اُن کے علم و فضل کے چرچے اکبر آباد میں ہونے لگے، اکبر نے انھیں قاضی کمال الدین یعقوب کی جگہ اکبر آباد کا قاضی مقرر کیا، وہ ایک طویل عرصے تک

میں آئے، لیکن کوئی شخص بھی اہلِ مجلس میں اُن کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہوا، وہ دونوں اُس جگہ بیٹھ گئے جہاں جوتے پڑے رہتے تھے، پھر ان دونوں نے اس محضر پر بالاکراہ دستخط کئے، اس طرح شیخ مبارک[۱] نے اپنے حریفوں کو شکست دینے کے لئے سب سے پہلے اس محضر سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلہ) اکبر آباد کی قضائت کے فرائض انجام دیتے رہے، اور اس خدمت سے اس وقت معزول ہوئے جب کہ علماء اکبر کے دربار سے نکالے جا رہے تھے، اکبر نے ان کو دکن بھجوایا، یہ بیجاپور پہنچے، امیر بیجاپور نے اُن کی بے حد تعظیم و تکریم کی، قاضی جلال الدین نے ۹۹۳ھ میں وفات پائی (نزہتہ الخواطر جلد ۴ ص ۷۴)

۱ے شیخ مبارک بن خضر ناگوری ۹۱۱ھ میں ناگور میں پیدا ہوا، ابتدائی علوم کی تکمیل ناگور میں کی، پھر مزید حصول علم کے لئے گجرات گیا، اور وہاں ابوالفضل گازرونی اور مولانا محمد عماد الدین طارمی سے علوم معقول و منقول کی تعلیم پائی صوفیہ سے طریقت کے سبق لئے۔ فلسفہ وحدت الوجود کی مشہور کتابیں مطالعہ کیں، اور ۹۵۰ھ میں اکبر آباد آکر جمنا پار محلہ چار باغ میں قیام کیا، اور تعلیم و تعلم میں مصروف ہو گیا، ابتداءً اُس کے زہد و تقوی کا یہ عالم تھا کہ اُس کی مجلس وعظ میں کسی شخص کی یہ مجال نہ تھی کہ سُرخ کپڑے، ریشمی لباس، سونے کی انگوٹھی یا ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہن کر آئے، حرمتِ سماع کا اس شدت سے قائل تھا، اگر اتفاق سے گانے کی آواز آتی تو کانوں میں انگلیاں دے لیتا، سُوری سلاطین کے عہد میں جب مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری امور مذہبی کے صدر الصدور تھے، اور وہ مہدویت اور بدعت کا قلع قمع کر رہے تھے، اور سوری سلاطین اور اُمرا اُن سے دبتے تھے، شیخ مبارک خفیہ طور پر اُن کے فتووں پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا، جس کا بدلہ شیخ مبارک سے مخدوم الملک نے عہدِ اکبری میں لیا، جب دربار اکبری میں فیضی اور ابوالفضل کے قدم جمے تو مبارک کے ان دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کے علم و فضل کا سکہ جمایا، اور اکبر کے ذہن نشین کر دیا کہ شیخ مبارک، مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی سے کم نہیں، اب شیخ مبارک کو اپنے پرانے حریفوں سے انتقام لینے

اکبر کے لئے اُس کے مذہب دینِ الٰہی کی زمین تیار کی، جس پر آیندہ چل کر اس کے دونوں بیٹوں فیضی[۱] اور ابوالفضل[۲] نے اس مذہب کی عمارت تعمیر کی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ ۱۰) کا خوب موقع ملا، شیخ مبارک نے جب اکبر کے مزاج میں رسوخ حاصل کیا تو اپنی زندگی کو وقت کے نئے سانچوں میں ڈھالا، زہد و ورع رخصت ہوا، یا تو سماع سے اس درجہ نفرت تھی کہ گلنے کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دیتا تھا، اور اب یہ زمانہ تھا کہ بغیر موسیقی اور مزامیر کے ایک لمحہ نہ گزرتا تھا، آخر عمر میں لاہور آگیا تھا صحت خراب اور بصارت کمزور ہوگئی تھی، مگر درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا، اسی زمانے میں ایک تفسیر "منبع نفائس العیون" کے نام سے چار جلدوں میں لکھی، ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ میں لاہور میں وفات پائی اور آگرے میں مدفون ہوا (تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، مولفہ سید ہاشمی فرید آبادی ص ۵۴۷ تا ۵۴۸ و نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۲۰-۳۲۱)

[۱] شیخ مبارک کا بڑا بیٹا ابوالفیض فیضی ۹۵۴ھ میں آگرے میں پیدا ہوا، بیس اکیس سال کی عمر میں اکبر کے درباری اُمراء میں شامل ہوا، ۹۹۶ھ میں ملک الشعراء کا خطاب پایا، علمی مشاغل کی وجہ سے دو تین سفارتوں کے علاوہ اُس نے کوئی عُہدہ قبول نہیں کیا، لیکن وہ اکبر کے یہاں اِس درجہ مقرب تھا کہ وہ اُس سے ہر معاملے میں مشورہ کرتا تھا، اور اکثر شاہزادوں کی تعلیم اُس کے سپرد تھی، فیضی فارسی کا بے مثل اور بلند پایہ شاعر تھا، اُس کی مثنوی "نل دمن" فارسی ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، سنسکرت کی کتابوں مہابھارت، رامائن وغیرہ کے ترجمے کیے، اس کے علمی کارناموں میں اس کی بے نقط تفسیر "سواطع الالہام" کو خاص اہمیت حاصل ہے، غلام علی آزاد بلگرامی نے اس تفسیر کے متعلق لکھا کہ۔

برہانِ فضیلت شیخ فیضی ست کہ دریں ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدے را میسر نہ شد۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلہ) محمد حسین آزاد نے اس کی انشاء پردازی کے متعلق لکھا کہ
"انشاء پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے"۔

فیضی سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بہتر تعلقات تھے، لیکن جب اُس میں دینی بے راہ روی پیدا ہوئی تو شیخ نے اُس سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے، وہ "فہرس التوالیف" میں اُس کے متعلق لکھتے ہیں۔

فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رضانتِ سخن، ممتازِ روزگار بود، لیکن حیف کہ بجہت وقوع و ہبوط در بادیہ کفر و ضلالت رقم انگارد، وداد بر ناصیہ احوال خود کشیدہ، زبانِ اہلِ دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے و نام جماعتِ شوم وے باک ست، تاب اللہ علیھم ان کانوا مؤمنین۔

مُلّا عبدالقادر بدایونی اُس کے متعلق لکھتے ہیں۔

در وادیِ عناد و عداوت با اہلِ اسلام وطعن در اصل اصول دین و اہانت و مذمتِ صحابۂ کرام، تابعین و سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات احیاء و بے ادبی و بیباکی..... ہمہ یہود و نصارائے و مجوس بر وے ہزار شرف داشتند۔
(منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۲۹۹ تا ۳۰۰)

اس کی تفسیر سواطع الالہام کے متعلق مُلّا عبدالقادر بدایونی نے لکھا۔

و تفسیر بے نقط برائے شستن بدنامی کہ تا روز جزا بصد آبِ دریا شستہ نگردد در عین حالتِ مستی و جنابت می نوشت و سگان آں را از ہر طرف پامال می ساختند۔

فیضی نے ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی اور آگرے میں مدفون ہوا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلہ) سلہ ابوالفضل شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا تھا، یہ ۶ محرم ۹۵۸ھ / ۱۵۴۷ء میں آگرے میں پیدا ہوا، بچپن ہی میں لوگ اس کی

لگا، اور بہت سی ایسی باتیں ہونے لگیں جو نصِ شرعی کے خلاف تھیں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) غیر معمولی ذکاوت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے، اُس نے اپنے والد شیخ مبارک اور اپنے بھائی فیضی سے تعلیم حاصل کی، اور پندرہ ہی سال کی عمر میں علومِ رسمیہ کی تکمیل کر لی، پھر اُس نے فلسفہ و حکمت میں شیخ حسن علی موصلی سے استفادہ کیا، اور اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار علماء میں اُس کا شمار ہونے لگا، ۹۸۱ھ میں وہ فیضی کی سفارش پر اکبر کے دربار میں باریاب ہوا، اور اکبر کے سامنے آیت الکرسی کی تفسیر پیش کی، جسے اکبر نے بیحد پسند کیا۔ اسی زمانے میں اکبر مہم بنگالہ پر روانہ ہو رہا تھا، ۹۸۲ھ میں اکبر کی واپسی پر ابوالفضل نے اکبر کے سامنے سورۂ فتح کی تفسیر پیش کی، اُس کی اس تفسیر نے اکبر کی نظر میں اس کی قدر کو کئی گنا بڑھا دیا؛ اور اُس نے بادشاہ کی نظر میں اس قدر تقرب حاصل کیا کہ منصب بیستی سے لیکر منصب پنج ہزاری تک پہنچا، اور شاہی میر منشی مقرر ہوا، تمام احکامِ شاہی اُس کے قلم سے نکلتے تھے، اور جملہ آئین اور اصلاحات اُسی کی رائے سے مرتب ہوتی تھیں، لیکن افسوس ہے کہ اس نے دنیاوی جاہ و اعزاز کو اپنا مقصد بنا کر ہر اُس گمراہی کو اختیار کیا، جس میں اکبر کی خوشنودی حاصل ہوتی تھی؛ اکبر نے "مذہب الٰہی" کی جب بنیاد رکھی تو دینِ الٰہی کے عقائد اور ضوابط ابوالفضل ہی نے گھڑے، اور دینِ الٰہی کا خلیفہ اوّل ٹھیرا۔

۱۰۰۸ھ میں ابوالفضل اکبر کے ساتھ قلعہ اسیرگڈھ کی فتح میں شریک تھا، جب اسیرگڈھ کی فتح کے بعد اکبر شمال کی طرف مڑا تو خانخانان عبدالرحیم نے جو ان دنوں دکن کی مہم پر مامور تھا، اکبر سے درخواست کی کہ ابوالفضل کو میری مدد کے لئے چھوڑ دیا جائے، اکبر نے خانخانان کی یہ درخواست منظور کر لی اور ابوالفضل کو خانخانان کے حوالے کر کے اکبر آباد روانہ ہو گیا، اب خانخاناں سپہ سالار تھا، اور ابوالفضل اس کے ماتحت تھا، خانخانان نے ابوالفضل کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ زندگی سے بیزار نظر آنے لگا، اُس نے بادشاہ کے نام دکن سے کئی خط اور عرضیاں لکھیں، لیکن وہ عرضیاں اور خط اکبر تک پہنچنے نہیں پاتے تھے، جب الہ آباد میں جہانگیر نے بغاوت کی تو

دربار کا یہ رنگ دیکھ کر مخالفت کی آگ بھڑکی، اور جون پور کے شیعہ قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی[۱] نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ بے دین ہو گیا ہے اس پر جہاد واجب ہے، خود درباری مصاحبوں میں قطب الدین خاں اور شہباز خاں کنبوہ نے بادشاہ کی اس نئی روش کے خلاف آسے سمجھانا چاہا، لیکن اکبر نے اُن کو ڈانٹ دیا، ادھر معز الملک قاضی القضاۃ بنگال نے بھی بادشاہ کی اس نئی روش کے خلاف آواز بلند کی، اکبر نے ملا محمد یزدی اور معز الملک کو کسی بہانے سے آگرے بلا بھیجا، جب وہ دونوں آگرے سے دس میل کے فاصلے پر فیروز آباد پہنچے تو

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سے) اکبر نے ابوالفضل کو لکھا کہ اپنا کام اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد کر کے فوراً اکبرآباد پہنچو، جہانگیر کو معلوم ہوا تو اس نے سوچا اگر ابوالفضل دربار میں پہنچ گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا، اس نے بندھیلہ کے نرسنگھ دیو کو لکھا کہ ابوالفضل کو یقیناً تمھارے علاقے سے گزرنا ہے، جیسے ہی وہ تمھارے علاقے میں پہنچے تم اسے قتل کر دو، چنانچہ جب ابوالفضل اس کے علاقے سے گزرا تو نرسنگھ دیو نے جو اس کی گھات میں تھا دو تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا، ابوالفضل یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء کو مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا قتل کیا گیا، سر جہانگیر کو بھیج دیا گیا، اور دھڑ گوالیار کے قریب انتری میں دفن ہوا۔

ابوالفضل کی تصانیف میں آئین اکبری، اکبرنامہ، رقعات ابوالفضل، عیار دانش، اور انجیل کا فارسی ترجمہ اور دوسری کتابیں ہیں۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۵-۲۶ و رود کوثر ص ۱۳۹)

[۱] ملا محمد، فارس کے شہر یزد میں پیدا ہوئے، مرزا جان شیرازی سے تعلیم حاصل کی، ۹۵۴ھ میں ہندوستان آئے، اور اکبر کے امراء میں شامل ہوئے، ۹۸۶ھ میں جون پور کے قاضی مقرر ہوئے، اہل سنت والجماعت سے سخت تعصب رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۲۹)

توحکم دیا کہ ان دونوں کو دریائے جون کے راستے علیحدہ علیحدہ گوالیار پہنچایا جائے اور گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا جائے، ابھی اس حکم کی تعمیل نہ ہونے پائی تھی کہ دوسرا حکم پہنچا کہ ان کو مار ڈالا جائے، پہرہ داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں بٹھا کر دریا میں غرق کر دیا، بنگال کے قاضی القضاۃ قاضی یعقوب مانک پوری جنھوں نے متعہ کے خلاف فتویٰ دیا تھا، انھیں بلا کر قلعۂ گوالیار میں قید کیا گیا۔ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی کو ۱۵۸۰ء ۹۸۷ھ میں حکم دیا گیا کہ وہ دونوں حج کے لئے جائیں، اور بلا اجازت واپس نہ آئیں، یہ دونوں مکہ معظمہ پہنچے، صاحب اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ چونکہ دونوں میں شروع ہی سے مخالفت تھی دونوں بظاہر تو رفیق سفر ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، لیکن وہ کدورت جو دونوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی صاف نہ ہوئی، اکبر کے خلاف جب مشرقی اضلاع میں مرزا حکیم نے بغاوت پھیلائی اور ان دونوں کو مکہ معظمہ میں معلوم ہوا، تو وہ اس امید پر کہ اب تو اکبر کی حکومت ختم ہی ہو جائے گی بغیر شاہی اجازت کے ہندوستان واپس آگئے، لیکن یہاں وہ مخالفت ختم ہو چکی تھی، اکبر نامہ میں ہے کہ مخدوم الملک تو احمد آباد ہی میں شاہی عتاب کے خوف سے وفات پا گئے، لیکن ۱۵۸۲ء میں شیخ عبد النبی کو گرفتار کر کے فتح پور سیکری لایا گیا۔ اور وہ ستر ہزار روپیہ جو ان کو صدقات و خیرات، حج و زیارت کے لئے دیا گیا تھا، راجہ ٹوڈرمل اس کی حساب فہمی پر مقرر ہوا، بندی خانے میں محبوس رکھے گئے۔

نزہۃ الخواطر میں مآثر الامرا کے حوالے سے منقول ہے کہ اس حساب فہمی کے لئے ابو الفضل کو مقرر کیا گیا تھا۔ مولانا عبد الحی لکھنوی نے اپنی کتاب طرب الاماثل میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبد النبی کی بعض تصانیف میں دیکھا ہے کہ مولانا عبد النبی اکبر کے صدر الصدور ان عطایا کے ساتھ مکے پہنچے جو بادشاہ نے ان کو دئے تھے، اور انھوں نے اس رقم کو جو ان کو بادشاہ نے دی تھی، اس کی مرضی کے مطابق مولانا شیخ الاسلام

قاضی حسین کی معرفت وہاں کی مستحقین میں تقسیم کر دیا، پھر وہ ماہ رجب ۹۸۶ھ میں ہندوستان لوٹے اور وہ اہل خیر میں سے تھے[1] اکبر نے انھیں نہایت سخت وسست کہا، یہاں تک کہ بھرے دربار میں اکبر نے ان کے منہ پر ایک مکا مارا۔ شیخ عبدالنبی نے غصّے سے کہا، مکا کیا مارتے ہو چھری سے کیوں نہیں مارتے، آخر بندی خانے ہی ۹۹۱ھ میں اس پاکباز صاحب علم وفضل کو گلا گھٹوا کر شہید کرادیا گیا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز تک مناروں کے میدان میں ان کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی۔[2]

ملا عبدالقادر بدایونی[3] نے شیخ عبدالنبی کے عروج کے زمانے میں اُن کا تعارف اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ میں ان الفاظ میں کرایا ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۲۱ بحوالہ طرب الاماثل جلد ۳

[2] یہ تمام تفصیل اخبارالاخیار، منتخب التواریخ اور رود کوثر مؤلفہ شیخ اکرام صاحب سے ماخوذ ہے۔

[3] ملا عبدالقادر بدایونی بن ملوک شاہ ۹۴۷ھ میں اجمیر کے قریب بساور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی تعلیم سنبھل میں سید محمد مکی سے حاصل کی، اور ابتدائی علوم عربیہ کی تعلیم اپنی والدہ کے دادا مخدوم محمد اشرف بساوری سے پائی، اور قصیدۂ بردہ اور کنز الدقاق کے کچھ اسباق شیخ حاتم سنبھلی سے پڑھے، پھر آگرے آئے، اور بعض علوم میں مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری سے اکتساب کیا، پھر اکثر علوم کی تعلیم ابوالفضل کے والد شیخ مبارک سے حاصل کی، بعض کتابیں قاضی ابوالمعالی حنفی سے پڑھیں، "بست باب فی الاصطرلاب" میر تقی بن فارغی شیرازی سے پڑھے اور علوم دینیہ کے علاوہ ریاضی، شعر، موسیقی اور دوسرے فنون کی تعلیم مختلف علماء سے حاصل کی، ایک مدت تک فیضی اور ابوالفضل کے ہمدرس رہے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد امیر حسین خان والیِ اودھ کی ملازمت اختیار کی، جو ان کے ساتھ نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آتا تھا، ۹۸۱ھ میں اس کی ملازمت چھوڑ کر آگرے آئے، اور جلال خاں

شیخ عبدالنبی ولد شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی چند مرتبہ در مکہ معظمہ و مدینۂ طیبہ رفتہ علم حدیث را خواند، بعد از آں کہ باز گشتہ آمد، از روشِ آبا و اجدادِ کرام سماع و غنا منکر بود، و بر وتیرۂ محدثین سلوک می نمود، و بتقوی و طہارت و نزاہت و عبادت ظاہری

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵۲۲) قورچی اور عین الملک شیرازی کی سفارش پر اکبر کے درباری علماء میں شامل ہوئے، اور نماز میں بادشاہ کی امامت کے فرائض ان کے سپرد ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ملا عبدالقادر بدایونی نے بادشاہ کی نظر میں وہ تقرب حاصل کیا کہ اپنے بہت سے ہمعصر درباری علماء پر سبقت لے گئے۔ اکبر نے انھیں ہندی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اُنھوں نے بھاون دکنی کی مدد سے مدد سے اتھرویدکو فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا، جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اُس کے اکثر احکام شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہیں، لیکن وہ اس قدر دقیق سنسکرت میں تھی کہ بھاون دکنی بھی باوجود سنسکرت کا عالم ہونے کے ملا عبدالقادر کو اُس کے مطالب و غوامض کے سمجھانے میں عاجز رہتا تھا، ملا عبدالقادر نے اپنی معذرت اکبر کے سامنے پیش کی، اکبر نے یہ کام فیضی کے سپرد کیا، فیضی کے بعد اس ترجمے پر حاجی ابراہیم سرہندی مقرر ہوئے، جنھوں نے اس کو مکمل کیا، پھر مہابھارت اور رامائن کے ترجمے اُن کے سپرد ہوئے، جس میں غیاث الدین قزوینی ان کے شریک کار تھے۔ اس کے بعد جامع رشیدی کا انتخاب ان کے سپرد ہوا، پھر "بحر الاسمار" کی تکمیل اُن کے سپرد کی گئی، جس کو سلطان زین الدین نے نامکمل چھوڑ دیا تھا، ملا عبدالقادر نے پانچ ماہ میں اس کی تکمیل کی، پھر تاریخ کشمیر مؤلفہ مولانا شاہ محمد شاہ آبادی کا خلاصہ لکھنے کا کام ان کے سپرد ہوا، جس کی تکمیل اُنھوں نے دو ماہ میں کر دی، پھر معجم البلدان کے دس اجزا عربی سے فارسی میں منتقل کئے، تاریخ الفی کی ترمیم و تصحیح کی، اس کے علاوہ ملا عبدالقادر بدایونی کی تصانیف میں "اربعین فی فضل الجہاد"، "نجات الرشید من الصغائر و الکبائر" اور ان کی مشہور تاریخ منتخب التواریخ ہے جو تین جلدوں میں ہے، اسی تاریخ نے

اشتغال داشت، وچوں بمنصبِ صدارت رسید جہان جہان زمین مدد معاش، وظائف و اوقاف بخلائق بخشید، چنانچہ در زمانِ ہیچ بادشاہے ایں چنیں صدرے باستقلال نگشتہ، وعشر عشیر ایں اوقاف کہ او دادہ ندادہ، بادشاہ را بنسبت او چناں اعتقاد پیدا شد کہ کفش پیش پائے او می نہادند، آخر بجہت مخالفت مخدوم الملک وسائر علمائے بدنفس۔

جاہلانند ہمہ جاہ طلب
خویش را چوں علماء کردہ لقب

آں نسبت معکوس شد۔[۱]

یہی ملا عبدالقادر شیخ عبدالنبی کی وفات کے بعد ان کی تاریخ وفات "شیخ کفنی" اور "واصل بحق شد" سے نکال کر انھیں اپنے طنز کے نشتروں کا ہدف ۹۹۲ھ بناتے ہیں، انھوں نے شیخ کی تاریخ وفات کو اپنے اس شعر میں نکال کر اس طرح اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) ان کے نام کو سب سے زیادہ روشن کیا، ان کی تاریخ نویسی کا کمال یہ ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے واقعات تصویر کی طرح آتے ہیں اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ خود اس عہد میں موجود ہے، ایک مورخ کی حیثیت سے وہ عہد اکبری کے بے باک ناقد ہیں۔ اس دور کی شخصیتوں میں بہت کم لوگ بچ سکے ہیں جو ان کی کڑی تنقیدوں کا ہدف نہیں، ان کی ان تنقیدوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کے اسلوب بیان کی دلکشی اور طرزِ نگارش کی دلچسپی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، ملا عبدالقادر نے اس تاریخ کو ۲۳ رجمادی الاخری روز جمعہ ۱۰۰۴ھ کو مکمل کیا، اور اسی سنہ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی (ماخوذ از نزہتہ الخواطر ص ۲۳۹ و ۲۴۰)۔

[۱] منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۷۹ - ۸۰

گرچہ الشیخ کالنبی گفتند
کالنبی نیست شیخ ما کبنی ست[1]

کبت فارسی میں بھنگ کو کہتے ہیں، اور سجع واصل شد کے دو معنی جملے سے بھی اُنھوں نے عجیب کام لیا ہے، اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ حق کے ساتھ واصل ہوئے، دوسرے معنی یہ بھی نکلتے ہیں کہ جس کے وہ مستحق تھے اُس کو پہنچے۔

شیخ عبدالنبی کی علمی خدمات

شیخ عبدالنبی کی علمی خدمات کے ضمن میں اُن کی چار تصانیف کا پتہ چلتا ہے، اُن میں سے ایک کا نام "وظائف النبی" ہے۔ وظائف النبی کا ایک قلمی نسخہ صوفی بشیر احمد صاحب قدوسی سجادہ نشین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (کراچی) کے پاس موجود ہے، دوسرا قلمی نسخہ علویہ لائبریری نسکارپور (سندھ) میں بھی موجود ہے یہ کتاب ۲۹ ابواب پر مشتمل ہے، اُس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات وآداب واوراد کو پیش کیا گیا ہے، اُن کی دوسری تصنیف "رسالہ فی رد طعن القفال المروزی علی الامام ابی حنیفہ" ہے جس میں اُنھوں نے قفال شاشی کے اُن اعتراضات کا جواب دیا ہے جو قفال شاشی نے احناف پر کئے تھے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (دکن) میں موجود ہے، اُن کی تیسری تصنیف رسالہ "حرمت السماع" ہے جو اُنھوں نے اپنے والد کے رسالے کی تردید میں لکھا تھا، اُن کی چوتھی تصنیف رسالہ "سنن الھدی فی متابعۃ المصطفےٰ" ہے۔

شیخ عبدالنبی کی اولاد شاہ آباد میں آباد تھی، وظائف النبی کا وہ نسخہ

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۳۱۱-۳۱۲ منتخب التواریخ جلد ۲ کے متذکرہ صفحات پر جہاں ملا عبدالقادر بدایونی نے شیخ عبدالنبی کی شہادت کے تفصیلی حالات لکھے ہیں، وہیں یہ دونوں تاریخیں بھی دی ہیں۔

جو صوفی بشیر احمد صاحب قدوسی کے کتب خانے میں موجود ہے، اُس کے ناقل شاہ عطا حسین نے اِس نسخے کے شروع میں چند اوراق شیخ عبدالنبی کے حالات میں لکھے ہیں، اس میں اُنھوں نے بیان کیا ہے کہ ۔

شیخ عبدالنبی کے اولاد میں سے چند لوگ شاہ آباد میں آباد تھے، اُن میں سے ایک شیخ سوندھا بھی تھے، جو میرے (عطا حسین کے) والد کی حیات میں ۱۲۶۰ھ میں شاہ آباد سے گنگوہ آئے تھے، شیخ سوندھا کے پاس حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر تھی جسے وہ بطور دستاویز کے اپنے پاس رکھتے تھے، اس میں حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے لکھا تھا کہ جو اثاث البیت ہم سے شیخ احمد کو ملا ہے وہ آئندہ اُن کی اولاد میں ہبہ ہوگا، حضرت شیخ کی اس تحریر کی زیارت میں نے اور میرے والد نے اور گنگوہ کے دوسرے لوگوں نے کی اور اُس کو بوسہ دیا۔

اِس کے علاوہ میں نے اپنے والد اور دوسرے بزرگوں سے سنا ہے کہ شیخ عبدالنبی نے گنگوہ میں ایک نہایت شاندار اور رفیع مسجد تعمیر کرائی تھی، جس کے منارے اس قدر بلند تھے کہ اُن پر سے دریائے جمنا صاف نظر آتا تھا، اُنھوں نے اس مسجد کے علاوہ قصبہ گنگوہ کے محلہ سرائے میں گلابی باغ کے متصل جسے اب بڈھا باغ کہتے ہیں۔ ایک حویلی بھی تعمیر کرائی تھی، شیخ عبدالنبی کا خیال تھا کہ وہ گنگوہ میں ایک قلعہ بھی تعمیر کرائیں، مگر اُن کا یہ ارادہ عملی جامہ نہ پہن سکا، اُن کی تعمیر کی ہوئی مسجد ویران ہوگئی تھی، جس کو ۱۲۷۰ھ میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے پھر از سر نو تعمیر کرایا، مگر اب جبکہ ۱۲۹۲ھ ہے یہ مسجد بلا چھت کے ویران ہے، اور

۱؎ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۷۹ - ۸۰

کوئی اس کی تعمیر کے لئے تیار نہیں[1]۔

اس کے علاوہ شیخ عبدالنبی کی تعمیر کرائی ہوئی ایک مسجد، مسجد شیخ عبدالنبی کے نام سے دہلی میں موجود ہے جس پر فیضی کا یہ قطعہ تاریخ بصورتِ کتبہ نصب ہے۔

فی زمان خلیفۃ الاکبر
ابد اللہ ذاتہ النفاع
قد بنی بقعۃ مقدسۃ
مثلھا لایکون فی الاقطاع
شیخ الاسلام زائر الحرمین
شیخ اھل الحدیث بالاجماع
شیخ عبد النبی نعمانی
معدن العلم منبع الانتفاع
سال تاریخ ایں بنا فیضی
سال العقل، قال خیر بقاع[2]
۹۸۳ھ

شیخ عبدالنبی کی داستانِ حیات گزشتہ اوراق میں گذر چکی، اُن کی زندگی کے مختلف پہلو جو ہمیں تلاش وجستجو سے مل سکے ہم انھیں پیش کر چکے ہیں۔ ہمیں شیخ عبدالنبی کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو اُن کے دامنِ علم وفضل اور تقویٰ وتقدس کو داغ دار بناتی ہو۔

اخبار الاخیار میں اُن کے زوال اور معزولی کی وجہ یہ بتائی گئی

---

[1] مقدمہ شاہ عطا حسین گنگوہی ناقل وظائف النبی قلمی مملوکہ صوفی بشیر احمد قدوسی۔

[2] فٹ نوٹس تذکرہ علمائے ہند مطبوعہ ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ص ۳۲۶ مرتبہ ایوب قادری صاحب۔

ہے کہ اس عظیم اور غیر معمولی عقیدت کی وجہ سے جو اکبر کو اُن سے تھی وہ لوگوں کو حقارت سے دیکھنے لگے، اور شرفاء اور علماء کے ساتھ اُنھوں نے حسبِ مراتب سلوک نہیں کیا، جو اُن کے مزاج کے مطابق نہ ہوتا اور اُن کے معیارِ قبول پر پورا نہ اُترتا وہ اُن کے لطف وکرم سے محروم رہتا تھا، اخبار الاخیار کی اصل عبارت یہ ہے۔

وبادشاہِ وقت را باوی اعتقاد عظیم پیدا شد، ومردم بسبب آں در نظر اعتبارش بحقارت درآمدند، باشراف وافاضل کمتر از مراتب ایشاں سلوک نمود، وہر کہ بمزاج اوراست نشد بمعیارِ قبول او تمام نیامد محروم ماند۔[1]

ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں جو الزام اُن پر قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کے اماموں کو جاگیریں صدر الصدور کے دستخط سے ملتی تھیں، اور کہا جاتا تھا کہ شیخ کے متوسلین رشوت لیتے تھے، یہ ہیں وہ تنقیدیں جو اُن پر کی جاتی ہیں، اور جنھیں ہمارے بعض تذکرہ نگاروں نے پہاڑ بنا کر پیش کیا ہے۔

پہلے الزام کو جس کی طرف صاحبِ اخبار الاخیار نے اشارہ کیا ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایک کمزوری ہے، لیکن یہ کمزوری ایسی نہیں کہ جس سے اُن کی تمام خوبیوں سے صرفِ نظر کر کے اُنھیں ہدفِ ملامت بنایا جائے، بلکہ ہم یہ کمزوری تو بعض دوسرے شیوخ اور علماء میں بھی پاتے ہیں، اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سرسری طور پر اس کا تذکرہ کر کے کسی نے بھی اُن علماء و شیوخ کو موردِ الزام قرار نہیں دیا۔

رہا دوسرا الزام کہ شیخ کے متوسلین رشوت لیتے تھے، تو حقیقت یہ ہے کہ یہ الزام شیخ پر قائم ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذمہ داری تو اُن متوسلین پر ہے جو رشوت لیتے تھے نہ کہ شیخ کی ذات پر۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی "مشائخ چشت" میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

شیخ عبدالقدوس نے اصلاح و تربیت کی خاطر حکومت سے رابطہ پیدا کیا تھا، اُن کی اولاد نے حُبِ جاہ و زر کی خاطر شاہانِ مغلیہ کے آستانوں پر اپنی جبینوں کو جھکا دیا، شیخ عبدالنبی کے حالات عہدِ اکبری کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حُبِ جاہ و زر نے اُن کے دینی جذبے کو بالکل ختم کر دیا تھا، اور وہ مشائخ کے اصولوں کا قطعًا احترام نہ کرتے تھے[1]۔

موصوف نے اپنے اس دعوے کے اثبات میں اپنے قارئین کو منتخب التواریخ تالیف مُلّا عبدالقادر بدایونی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب تذکرے کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

ہمیں شیخ کی اولاد میں سوائے شیخ عبدالنبی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جو شاہانِ مغلیہ کے یہاں کسی بڑے عہدے پر فائز رہا ہو، اس لئے شیخ کی تمام اولاد پر حُبِ جاہ و زر کی خاطر شاہانِ مُغلیہ کے آستانوں پر جبیں سائی کا الزام ایک محتاط تذکرہ نگار کے لئے مناسب نہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس کے تمام صاحبزادے صاحب علم و فضل اور تزکیہ نفس سے آراستہ تھے، اور وہ اپنے والد کی روش کے مطابق رشد و ہدایت میں مصروف رہے، اور ارشاد و تلقین کا سلسلہ برابر اُن کی اولاد میں جاری رہا، اُن کے بعد ان کی اولاد اپنے آباء کی روش پر قائم رہی، اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے فروغ اور عوام کی روحانی تربیت کے لئے جد و جہد کرتی رہی۔

خود پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر شیخ

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۳

ابوسعید گنگوہی کے متعلق جو حضرت شیخ عبدالقدوس کے پوتے اور آپ کے صاحبزادے شیخ علی کے فرزند ہیں لکھا ہے کہ۔

شیخ ابوسعید گنگوہی (المتوفی ۱۰۴۹ھ) نے صابریہ سلسلہ کی اشاعت میں کافی سرگرمی کا ثبوت دیا، اُن کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شیخ محب اللہ الہ آبادی (المتوفی ۱۰۵۸ھ) تھے۔[1]

شیخ ابوسعید کے خلفاء میں شیخ محمد صادق گنگوہی، اور اُن کے خلفاء میں اُن کے صاحبزادے شیخ داؤد ہیں جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بڑے صاحبزادے ــــ شیخ عبدالحمیدؒ کی اولاد ہیں، اور جو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے اُن نامور بزرگوں میں ہیں، جنھوں نے سلسلۂ صابریہ کو انتہائی معراج پر پہنچایا۔

رہے شیخ عبدالنبیؒ تو اُن کے متعلق ـ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ملازمتِ شاہی اور حُبِ جاہ و زر کا جو الزام قائم فرمایا ہے، اُس کے متعلق ہم نہایت ادب سے اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ جب ہم اُس کا تجزیہ کرتے ہیں تو ملازمتِ شاہی نہ کوئی عیب ہے، اور نہ کوئی شرعی قباحت اس میں ہے، البتہ تقربِ شاہی اور ملازمتِ شاہی کے بعد ایسی روش اختیار کرنا جو خلافِ شریعت ہو قابلِ مواخذہ ہے، شیخ عبدالنبی کی زندگی کے جو پہلو ہمیں اِس وقت تک مل سکے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالنبی نے اکبر میں جذبۂ دینی کے بیدار کرنے کی انتہائی کوشش کی اُنھیں کے فیضِ تربیت کا نتیجہ تھا کہ شروع میں اکبر نہ صرف نمازِ باجماعت کا پابند تھا، بلکہ مسجد میں خود اذان دیتا، امامت کرتا، اور اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیتا تھا، اُنھوں نے ہمیشہ اکبر کو اس کی بے راہ روی پر ٹوکا یہاں تک کہ اُن کا عصا اس کے لگا، جب اکبر نے دینِ الٰہی کا ہنگامہ

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، ص ۲۲۵

برپا کیا، اور علماءِ سوءِ طرح طرح کی رکیک تاویلوں سے اصلِ دین کو مسخ کرکے دینِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال رہے تھے، اور علماءِ حق کے لئے یہ وقت بہت نازک اور کٹھن تھا، اس نازک دور میں بھی ہمیں شیخ عبدالنبی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ انھوں نے دین الٰہی کی تائید کی ہو۔

ہم منتخب التواریخ سے ملا عبدالقادر بدایونی کا وہ بیان جو انھوں نے شیخ عبدالنبی کے متعلق دیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں بجنسہٖ نقل کر آئے ہیں۔ اُسے دیکھ کر رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ملا عبدالقادر کا مجموعی تاثر شیخ عبدالنبی کے متعلق کیا تھا، شیخ کے متعلق جو معمولی فرو گذاشتیں ہمیں منتخب التواریخ میں ملتی ہیں، ہمیں اُن میں بھی کوئی ٹھوس اور وزنی اعتراض ایسا نہیں ملتا جو شیخ کی جلالتِ شان کو غیر وقیع بناتا ہو، اس قسم کی فروگذاشتیں اور سہو ہر بڑے سے آدمی سے ممکن ہے اور ہوتے رہے ہیں۔

ہم آخر میں شیخ عبدالنبی کے متعلق صاحبِ نزہۃ الخواطر کی رائے بجنسہٖ یہاں نقل کرکے اِس بحث کو ختم کرتے ہیں مولانا عبدالحیؒ صاحب نے نزہۃ الخواطر کی چوتھی جلد میں ان کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الشیخ العالم المحدث عبدالنبی بن احمد بن عبد القدوس گنگوھی احد العلماء المتعددین فی ارض الھند، ولد بگنگوہ، وقرأ القرآن والفقہ والعربیۃ وسائر العلوم فی بلادہ ثم سافر

"محدث، عالم شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہندوستان کے علماء میں سے ایک عالم تھے، جو گنگوہ میں پیدا ہوئے، اور انھوں نے قرآن مجید، فقہ، عربی اور تمام علوم کی تعلیم ہندوستان کے مختلف

الی الحرمین الشریفین و
سمع الحدیث بها عن الشیخ
شهاب الدین احمد بن
حجر المکی وعن غیره
من المحدثین، وتردد
الی الحجاز غیر مرة، و
صحب المشائخ مدة
طویلة حتی رسخ فی
مذهب المحدثین، فرجع
الی الاهل والوطن، و
خالفهم فی مسئلة
السماع والتواجد و
وحدة الوجود والاعراس
واکثر رسوم المشائخ
الصوفیه ونصر السنّة
المحضة والطریقة
السلفیة واقبح براهین
ومقدمات، فخالفه
والده واعمامه تاوذی
فی ذات الله من المخالفین
واخیف فی نصر السنة
حتی انهم اخرجوه
من الاهل والوطن[1]

شہروں میں حاصل کی، پھر
حرمین شریفین گئے، اور وہاں
شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی
اور دوسرے محدثین سے
حدیث کی سماعت کی، اور
ایک طویل عرصے تک وہاں کے
شیوخ کی خدمت میں رہے،
پھر وطن واپس آکر کئی مرتبہ
حجاز گئے، اور وہاں ایک طویل
عرصہ تک شیوخ کی صحبت میں
رہے، یہاں تک کہ محدثین
کے مسلک پر پختہ ہو گئے،
پھر اپنے وطن لوٹے، اور مسئلہ
سماع، وجد، وحدۃ الوجود،
اور اعراس اور اکثر رسوم مشائخ
صوفیہ میں اپنے گھر والوں کی
مخالفت اور سنت محض اور
طریقۂ سلف صالحین کی تائید
بڑے زور وشور سے دلائل اور
براہین سے کی، اُن کے والد اور
چچا ان سے ناراض ہو گئے،
یہاں تک کہ انھیں راہِ حق
میں مخالفین نے طرح طرح

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۱۹ و ۲۲۰

کی تکلیفیں پہنچائیں، اور انھیں سنت کی تائید میں خوف دلایا گیا، آخر اُن سے مخالفوں نے انھیں اپنے وطن اور گھر سے جلاوطن کرایا۔"

شیخ علی

شیخ علی، حضرت شیخ کے چوتھے صاحبزادے تھے، اُن کی ولادت شاہ آباد میں ہوئی، شیخ علی بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح صاحبِ علم و فضل اور تزکیۂ باطن سے آراستہ تھے، گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ جب آپ کے تینوں صاحبزادوں شیخ حمید، شیخ رکن الدین اور شیخ احمد نے حضرت شیخ سے مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو کی؛ اور آپ اُن سے ناراض ہوکر تھانیسر روانہ ہوئے، اور امیر شاہ اسلام داروغہ گنگوہ کے کہنے سننے پر گنگوہ واپس تشریف لائے، پھر شیخ جلال تھانیسری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے حضرت شیخ کے سامنے ایسی آیتیں تلاوت کیں کہ جن میں وحدت الوجود کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا، آپ نے خوش ہوکر شیخ جلال تھانیسری کو اپنے سینہ سے لگا لیا، اور حالتِ عشق و سرمستی میں وحدت الوجود کے متعلق بیان کرنا شروع کیا تو اُس وقت شیخ علی نے آپ کے سامنے چند اشعار پڑھے، جن میں وحدت الوجود کو نہایت دلکش انداز میں نظم کیا گیا تھا، جن سے ساری مجلس پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی[1]

شیخ علی ہی کے پوتے شیخ ابوسعید گنگوہی تھے، جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی ترقی دی۔

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے بقیہ صاحبزادوں کے حالات ہمیں باوجود تلاش و جستجو کے دستیاب نہ ہوسکے، اس لئے ہم اُن کے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

---

[1] لطائف قدوسی۔ ص ۵۸۔ لطیفہ ۱۷

چوبیسواں باب

حضرت شیخ کے خُلفاء اور مریدین

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خُلفاء کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے، لیکن آپ کے خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے، مختلف تذکروں میں جن خلفاء اور ممتاز مریدین کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) شیخ حمید صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی و سجادہ اول حضرت شیخ۔
(۲) شیخ رکن الدین صاحبزادہ حضرت شیخ
(۳) شیخ احمد صاحبزادہ حضرت شیخ
(۴) شیخ علی صاحبزادہ حضرت شیخ
(۵) شیخ جلال تھانیسری
(۶) شیخ عبدالغفور اعظم پوری
(۷) شیخ بھورہ
(۸) شیخ عمر دینی
(۹) شیخ خضر عرف شیخ خاں بڈھن جون پوری۔

(۱۰) شیخ بہاء الدین ولد شیخ بہشتی نبیرہ شیخ جمال ہانسوی
(۱۱) صوفی شیخ جعفر خادم خاص حضرت شیخ
(۱۲) دتّو شروانی
(۱۳) بھولا سفید باف سہارن پوری
(۱۴) ملک مبارک خضر آبادی
(۱۵) ملک عثمان کرّانی گنگوہی
(۱۶) شیخ حسام الدین معروف بہ شیخ اوجھر
(۱۷) میاں خواجہ نصر اللہ دیپال پوری
(۱۸) سید احمد ملتانی
(۱۹) شیخ عبد الرحمان شاہ آبادی
(۲۰) شیخ احمد متحصن
(۲۱) شیخ عزیز اللہ دانشمند
(۲۲) شیخ عبد الستار
(۲۳) بی بی اسلام خانو

شیخ جلال تھانیسری

شیخ جلال تھانیسری، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے جلیل القدر خُلفاء میں سے تھے، والدین کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے، آپ کے والد کا اسمِ گرامی قاضی محمد عمری تھا، صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے آپ کے بزرگوں کا وطن بلخ بتایا ہے، لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کو کابلی لکھا ہے، آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا، اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے اور درس و تدریس و افتاء میں مشغول ہوئے، پھر علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے، آخر حضرت شیخ

عبدالقدوس گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کی ابتدائی ریاضتوں کے زمانے میں ایک شخص نہایت خوش الحانی اور ترنم سے ایک غزل گا رہا تھا، جب اُس کی آواز کانوں میں پڑی تو آپ مُرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے، جب ہوش میں آئے تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت کرکے سلسلۂ صابریہ میں داخل ہوئے اور منازلِ کمال کو پہنچے[۵۱]

صاحبِ اخبارالاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے علم و فضل، جلالت شان اور تقویٰ و تقدس کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

شیخ جلال الدین تھانیسری الکابلی رحمۃ اللہ علیہ، مرید و خلیفہ شیخ عبدالقدوس ست، از مشاہیر مشائخ وقت بود، و عالم و مستقیم، و شیخی کابل از اوّل عمر تا آخر بطاعت و عبادت و درس و ذکر و سماع و ذوق و حالت گزرانید، سن طویل یافتہ بود، و بر حفظ آداب و نوافل و رعایتِ اوراد اوقات تا آخر حیات مستقیم بود۔[۵۲]

ملا عبدالقادر بدایونی نے جنھوں نے حضرت جلال تھانیسری سے ملاقات بھی کی تھی، اُن کے محامد و اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شیخ جلال تھانیسری حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے، علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے، علوم دینیہ کی اشاعت اور معارف یقینیہ کے پھیلانے میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے، آخر میں علوم رسمیہ سے اعراض فرماکر جلوت سے کنارہ کش ہوکر خلوت اختیار فرمائی۔ آپ کے اکثر اوقات تلاوت قرآن، ادائے نوافل، درود اور دعا میں گزرتے تھے،

---

۵۱ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۳۹

۵۲ اخبار الاخیار ص ۲۸۵

ترانوے سال کی عمر میں بالکل ضعیف ہو چکے تھے، یہاں تک کہ اُٹھنا بیٹھنا اور حرکت کرنا بھی مشکل تھا، کم قوتی اور ضعف کی وجہ سے تکیے کا سہارا لے کر غنودگی میں رہتے، لیکن جس وقت اذان کی آواز سُنتے فوراً ہی بغیر دوسرے سے مدد لئے اُٹھتے اور جوتا پہن کر عصا ہاتھ میں لے کر خود طہارت اور وضوء سے فارغ ہوتے، اور نماز ادا فرماتے، نماز سے فارغ ہو کر پھر حسبِ عادت بستر پر لیٹ جاتے۔

اس فقیر نے بھی دو مرتبہ اُن سے مشرف ملاقات حاصل کیا تھا، ایک مرتبہ تو اُس وقت جب کہ وہ ۹۶۹ھ میں آئمہ تھانیسر کی تنظیم اور سفارش کے لئے تھانیسر سے آگرے تشریف لائے تھے۔ دوسری مرتبہ ۹۸۱ھ میں، میں حسین خاں کے ساتھ جبکہ وہ یلغار کرتا ہوا الغ میرزا کے تعاقب میں جا رہا تھا، تھانیسر سے گذرتے ہوئے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، میں نے اُن کو دیکھا سراپا نور معلوم ہوتے تھے[1]۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں مشائخ متاخرین میں آپ سے زیادہ بزرگ نہیں ہوا۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت شیخ جلال پر استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی، نماز کے وقت آپ کے مرید اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالمِ جذب و استغراق سے باہر آ کر نماز ادا فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ جلال کا ایک مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہنے پر بھی اُس نے محرومی محسوس کی، ایک روز وہ آپ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کے دل میں خطرہ گذرا کہ گذشتہ زمانے میں شیخ نجم الدین کبریٰ اس مرتبۂ عالی پر فائز تھے کہ جس پر نظر ڈالتے وہ ولایت کے درجے کو پہنچ جاتا، آج یہ مرتبہ کس کو حاصل ہے، شیخ جلال نے باطنی طور پر اُس کے خطرے کو محسوس کر لیا،

---

[1] یہ تمام تفصیل منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۲۰۔۴ سے ماخوذ ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ آج بھی ایسے مردانِ حق آگاہ دنیا میں ہیں کہ ایک نگاہ میں طالبانِ حق کو حق تک پہنچا دیتے ہیں، یہ کہہ کر اس پر نظر ڈالی وہ اُسی وقت بیہوش ہوکر گر پڑا اور تین روز تک بیہوش رہا، جب ہوش میں آیا تو اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ کر کہا کہ میں جو سالہا سال میں حاصل نہ کرسکا تھا آج وہ میں نے آپ کی نگاہ فیض اثر سے پالیا۔ لیکن اُسی ہفتے اُس شخص نے وفات پائی، حضرت شیخ جلال کو جب اس کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا، ہر آدمی اس بارِ عظیم کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، اِس شخص کی طاقت سے بھی یہ بار باہر تھا، جب اس پر یہ بوجھ پڑا تو برداشت نہ کرسکا، اور جان جان آفریں کے سپرد کی[1]۔

سماع سے ذوق رکھتے تھے، اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت شیخ جلال کے ایک صاحبزادے کی وفات ہوگئی، جب تک آپ کو اس کا غم رہا، آپ نے سماع نہیں سُنا، یہاں تک کہ وہ درد، حق کی محبت میں تبدیل ہوگیا[2]۔

علوم و فضل کے اعتبار سے حضرت شیخ جلال کا مرتبہ بہت بلند تھا، آپ عہدِ اکبری کے علماء کبار میں سمجھے جاتے تھے، معتمد بخشی صاحب اقبال نامہ جہانگیری کا بیان ہے کہ جب اکبر نے اپنے بھائی میرزا عبدالحکیم پر فوج کشی کی تو راستے میں تھانیسر پڑا، اکبر نے حضرت جلال تھانیسری کی زیارت کی۔ ملاقات کے وقت حضرت شیخ جلال تھانیسری نے توحید کی وضاحت کرتے ہوئے یہ رباعی پڑھی ؎

آفتابے در ہزاراں آبگینہ تاختہ
پس برنگے ہر یکے تاب عیاں انداختہ
جملہ یک نور ست اما رنگ ہائے مختلف
اختلافے درمیاں ایں و آں انداختہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۴۴۹ - ۴۵۰ [2] اخبار الاخیار

برپا کیا، اور علماء سُوء طرح طرح کی رکیک تاویلوں سے اصلِ دین کو مسخ کرکے دینِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال رہے تھے، اور علماء حق کے لئے یہ وقت بہت نازک اور کٹھن تھا، اس نازک دور میں بھی ہمیں شیخ عبدالنبی کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ انھوں نے دین الٰہی کی تائید کی ہو۔

ہم منتخب التواریخ سے ملا عبدالقادر بدایونی کا وہ بیان جو انھوں نے شیخ عبدالنبی کے متعلق دیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں بجنسہ نقل کر آئے ہیں۔ اُسے دیکھ کر رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ مُلا عبدالقادر کا مجموعی تاثر شیخ عبدالنبی کے متعلق کیا تھا، شیخ کے متعلق جو معمولی فروگذاشتیں ہمیں منتخب التواریخ میں ملتی ہیں، ہمیں اُن میں بھی کوئی ٹھوس اور وزنی اعتراض ایسا نہیں ملتا جو شیخ کی جلالتِ شان کو غیر وقیع بناتا ہو، اس قسم کی فروگذاشتیں اور سہو ہر بڑے سے آدمی سے ممکن ہے اور ہوتے رہے ہیں۔

ہم آخر میں شیخ عبدالنبی کے متعلق صاحبِ نزہۃ الخواطر کی رائے بجنسہٖ یہاں نقل کرکے اِس بحث کو ختم کرتے ہیں مولانا عبدالحیؔ صاحب نے نزہۃ الخواطر کی چوتھی جلد میں ان کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الشیخ العالم المحدث عبدالنبی بن احمد بن عبد القدوس گنگوھی احد العلماء المتعددین فی ارض الھند، ولد بگنگوہ، وقرا القران والفقہ والعربیۃ وسائر العلوم فی بلادہ ثم سافر	"محدث، عالم شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہندوستان کے علماء میں سے ایک عالم تھے جو گنگوہ میں پیدا ہوئے، اور انھوں نے قرآن مجید، فقہ، عربی اور تمام علوم کی تعلیم ہندوستان کے مختلف

الی الحرمین الشریفین و
سمع الحدیث بها عن الشیخ
شهاب الدین احمد بن
حجر المکی وعن غیره
من المحدثین ، وتردد
الی الحجاز غیر مرة، و
صحب المشائخ مدة
طویلة حتی رسخ فی
مذهب المحدثین، فرجع
الی الاهل والوطن ، و
خالفهم فی مسألة
السماع والتواجد و
وحدة الوجود والاعراس
واکثر رسوم المشائخ
الصوفیه ونصر السنة
المحضة والطریقة
السلفیة واقبع ببراهین
ومقدمات ، فخالفه
والده واعمامه تاوذی
فی ذات الله من المخالفین
واخیف فی نصر السنة
حتی انهم اخرجوه
من الاهل والوطن[1]

شہروں میں حاصل کی ، پھر
حرمین شریفین گئے ، اور وہاں
شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی
اور دوسرے محدثین سے
حدیث کی سماعت کی ، اور
ایک طویل عرصے تک وہاں کے
شیوخ کی خدمت میں رہے،
پھر وطن واپس آکر کئی مرتبہ
حجاز گئے ، اور وہاں ایک طویل
عرصہ تک شیوخ کی صحبت میں
رہے، یہاں تک کہ محدثین
کے مسلک پر پختہ ہو گئے،
پھر اپنے وطن لوٹے، اور مسئلہ
سماع ، وجد ، وحدۃ الوجود،
اور اعراس اور اکثر رسوم مشائخ
صوفیہ میں اپنے گھر والوں کی
مخالفت اور سنت محض اور
طریقۂ سلف صالحین کی تائید
بڑے زور وشور سے دلائل اور
براہین سے کی ، اُن کے والد اور
چچا ان سے ناراض ہو گئے ،
یہاں تک کہ انھیں راہِ حق
میں مخالفین نے طرح طرح

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۲۱۹ و ۲۲۰

کی تکلیفیں پہنچائیں، اور اُنھیں سنت کی تائید میں خوف دلایا گیا، آخر اُن کے مخالفوں نے اُنھیں اپنے وطن اور گھر سے جلا وطن کرایا۔"

شیخ علی

شیخ علی، حضرت شیخ کے چوتھے صاحبزادے تھے، اُن کی ولادت شاہ آباد میں ہوئی، شیخ علی بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح صاحبِ علم و فضل اور تزکیۂ باطن سے آراستہ تھے، گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ جب آپ کے تینوں صاحبزادوں شیخ حمید، شیخ رکن الدین اور شیخ احمد نے حضرت شیخ سے مسئلہ وحدت الوجود پر گفتگو کی، اور آپ اُن سے ناراض ہو کر تھانیسر روانہ ہوئے، اور امیر شاہ اسلام داروغہ گنگوہ کے کہنے سننے پر گنگوہ واپس تشریف لائے، پھر شیخ جلال تھانیسری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنھوں نے حضرت شیخ کے سامنے ایسی آیتیں تلاوت کیں کہ جن میں وحدت الوجود کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا، آپ نے خوش ہو کر شیخ جلال تھانیسری کو اپنے سینہ سے لگا لیا، اور حالتِ عشق و مستی میں وحدت الوجود کے متعلق بیان کرنا شروع کیا تو اُس وقت شیخ علی نے آپ کے سامنے چند اشعار پڑھے، جن میں وحدت الوجود کو نہایت دلکش انداز میں نظم کیا گیا تھا، جن سے ساری مجلس پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی[1]

شیخ علی ہی کے پوتے شیخ ابوسعید گنگوہی تھے، جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی ترقی دی۔

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے بقیہ صاحبزادوں کے حالات ہمیں باوجود تلاش و جستجو کے دستیاب نہ ہو سکے، اس لئے ہم اُن کے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

---

[1] لطائف قدوسی۔ ص ۵۸۔ لطیفہ ۱۷

چوبیسواں باب

حضرت شیخ کے خُلفاء اور مریدین

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خُلفاء کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے، لیکن آپ کے خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات ہمیں تذکروں میں نہیں ملتے، مختلف تذکروں میں جن خلفاء اور ممتاز مریدین کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) شیخ حمید صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی وسجادہ اول حضرت شیخ۔
(۲) شیخ رکن الدین صاحبزادہ حضرت شیخ
(۳) شیخ احمد صاحبزادہ حضرت شیخ
(۴) شیخ علی صاحبزادہ حضرت شیخ
(۵) شیخ جلال تھانیسری
(۶) شیخ عبدالغفور اعظم پوری
(۷) شیخ بھورہ
(۸) شیخ عمر دینی
(۹) شیخ خضر عرف شیخ خاں بڈھن جون پوری۔

(۱۰) شیخ بہاء الدین ولد شیخ بہشتی نبیرہ شیخ جمال ہانسوی
(۱۱) صوفی شیخ جعفر خادم خاص حضرت شیخ
(۱۲) دلّو شروانی
(۱۳) بھولا سفید باف سہارن پوری
(۱۴) ملک مبارک خضر آبادی
(۱۵) ملک عثمان کرّانی گنگوہی
(۱۶) شیخ حسام الدین معروف بہ شیخ اوجھر
(۱۷) میاں خواجہ نصر اللہ دیبال پوری
(۱۸) سید احمد ملتانی
(۱۹) شیخ عبد الرحمان شاہ آبادی
(۲۰) شیخ احمد متحصن
(۲۱) شیخ عزیز اللہ دانشمند
(۲۲) شیخ عبد الستار
(۲۳) بی بی اسلام خاتون

شیخ جلال تھانیسری

شیخ جلال تھانیسری، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے جلیل القدر خُلفاء میں سے تھے، والدین کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے، آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی محمد عمری تھا، صاحب خزینتہ الاصفیاء نے آپ کے بزرگوں کا وطن بلخ بتایا ہے، لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کو کابلی لکھا ہے، آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا، اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے اور درس و تدریس و افتاء میں مشغول ہوئے، پھر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے، آخر حضرت شیخ

عبدالقدوس گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، اور تصوف و عرفان کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کی ابتدائی ریاضتوں کے زمانے میں ایک شخص نہایت خوش الحانی اور ترنم سے ایک غزل گا رہا تھا، جب اُس کی آواز کانوں میں پڑی تو آپ مُرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے، جب ہوش میں آئے تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت کر کے سلسلۂ صابریہ میں داخل ہوئے اور منازلِ کمال کو پہنچے [۱]۔

صاحبِ اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے علم و فضل، جلالت شان اور تقوی و تقدس کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

> شیخ جلال الدین تھانیسری الکابلی رحمۃ اللہ علیہ، مرید و خلیفہ شیخ عبدالقدوس ست، از مشاہیر مشائخ وقت بود، و عالم و مستقیم، و بہ شیخی کامل از اول عمر تا آخر بطاعت و عبادت و درس و ذکر و سماع و ذوق و حالت گزرانید، سن طویل یافتہ بود، و بر حفظ آداب و نوافل و رعایتِ اوراد و اوقات تا آخر حیات مستقیم بود [۲]۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے جنھوں نے حضرت جلال تھانیسری سے ملاقات بھی کی تھی، اُن کے محامد و اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شیخ جلال تھانیسری حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے، علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے، علوم دینیہ کی اشاعت اور معارف یقینیہ کے پھیلانے میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے، آخر میں علوم رسمیہ سے اعراض فرما کر جلوت سے کنارہ کش ہو کر خلوت اختیار فرمائی۔ آپ کے اکثر اوقات تلاوت قرآن، ادائے نوافل، درود اور دعا میں گزرتے تھے،

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۳۹

[۲] اخبار الاخیار ص ۲۸۵

ترانوے سال کی عمر میں بالکل ضعیف ہو چکے تھے، یہاں تک کہ اُٹھنا بیٹھنا اور حرکت کرنا بھی مشکل تھا، کم قوتی اور ضعف کی وجہ سے تکیے کا سہارا لے کر غنودگی میں رہتے، لیکن جس وقت اذان کی آواز سنتے فوراً ہی بغیر دوسرے سے مدد لئے اُٹھتے اور جوتا پہن کر عصا ہاتھ میں لے کر خود طہارت اور وضو سے فارغ ہوتے، اور نماز ادا فرماتے، نماز سے فارغ ہو کر پھر حسب عادت بستر پر لیٹ جاتے۔

اس فقیر نے بھی دو مرتبہ اُن سے مشرف ملاقات حاصل کیا تھا، ایک مرتبہ تو اُس وقت جب کہ وہ ۹۶۹ھ میں آئمہ تھانیسر کی تنظیم اور سفارش کے لئے تھانیسر سے آگرے تشریف لائے تھے۔ دوسری مرتبہ ۹۸۱ھ میں، میں حسین خاں کے ساتھ جبکہ وہ یلغار کرتا ہوا الغ میرزا کے تعاقب میں جارہا تھا، تھانیسر سے گذرتے ہوئے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، میں نے اُن کو دیکھا سراپا نور معلوم ہوتے تھے[1]۔

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں مشائخ متاخرین میں آپ سے زیادہ بزرگ نہیں ہوا۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت شیخ جلال پر استغراق کی کیفیت زیادہ طاری رہتی تھی، نماز کے وقت آپ کے مرید اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر بیدار کرتے اور وہ عالم جذب و استغراق سے باہر آکر نماز ادا فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ جلال کا ایک مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہنے پر بھی اُس نے محرومی محسوس کی، ایک روز وہ آپ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کے دل میں خطرہ گذرا کہ گذشتہ زمانے میں شیخ نجم الدین کبریٰ اس مرتبۂ عالی پر فائز تھے کہ جس پر نظر ڈالتے وہ ولایت کے درجے کو پہنچ جاتا، آج یہ مرتبہ کس کو حاصل ہے، شیخ جلال نے باطنی طور پر اُس کے خطرے کو محسوس کر لیا،

---

[1] یہ تمام تفصیل منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۳۰۔۳۱ سے ماخوذ ہے۔

اور ارشاد فرمایا کہ آج بھی ایسے مردان حق آگاہ دنیا میں ہیں کہ ایک نگاہ میں طالبانِ حق کو حق تک پہنچا دیتے ہیں، یہ کہہ کر اس پر نظر ڈالی وہ اُسی وقت بیہوش ہوکر گر پڑا اور تین روز تک بیہوش رہا، جب ہوش میں آیا تو اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ کر کہا کہ میں جو سالہا سال میں حاصل نہ کر سکا تھا آج وہ میں نے آپ کی نگاہ فیض اثر سے پالیا۔ لیکن اُسی ہفتے اُس شخص نے وفات پائی، حضرت شیخ جلال کو جب اس کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا، ہر آدمی اس بارِ عظیم کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا، اِس شخص کی طاقت سے بھی یہ بار باہر تھا، جب اس پر یہ بوجھ پڑا تو برداشت نہ کر سکا، اور جان جان آفریں کے سپرد کی[1]۔

سماع سے ذوق رکھتے تھے، اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت شیخ جلال کے ایک صاحبزادے کی وفات ہوگئی، جب تک آپ کو اس کا غم رہا، آپ نے سماع نہیں سُنا، یہاں تک کہ وہ درد، حق کی محبت میں تبدیل ہوگیا[2]۔

علوم و فضل کے اعتبار سے حضرت شیخ جلال کا مرتبہ بہت بلند تھا، آپ عہدِ اکبری کے علماء کبار میں سمجھے جاتے تھے، معتمد بخشی صاحب اقبال نامہ جہانگیری کا بیان ہے کہ جب اکبر نے اپنے بھائی میرزا عبدالحکیم پر فوج کشی کی تو راستے میں تھانیسر پڑا، اکبر نے حضرت جلال تھانیسری کی زیارت کی۔ ملاقات کے وقت حضرت شیخ جلال تھانیسری نے توحید کی وضاحت کرتے ہوئے یہ رباعی پڑھی ؎

آفتابے در ہزاران آبگینہ تاختہ
پس برنگے ہر یکے تاب عناں انداختہ
جملہ یک نور ست اما رنگ ہائے مختلف
اختلافے درمیاں ایں و آں انداختہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص ۴۴۹ - ۴۵۰ [2] اخبار الاخیار

اکبر آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا، لیکن آپ نے گوشۂ فقر کو چھوڑ کر کبھی دربار سے وابستگی پسند نہ کی[1]۔

صاحبِ تصنیف و تالیف تھے، تحقیق اراضی الہند[2] حضرت شیخ جلال کی مشہور تالیف ہے، اس کتاب میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ اگر بادشاہِ وقت کوئی زمین کسی کو دے تو چونکہ وہ بیت المال کی ہے، اور امامِ وقت جسے چاہے دے سکتا ہے اس لئے وہ اس کا حق ہو گی۔

اس کے علاوہ آپ کی ایک مشہور تصنیف "ارشاد الطالبین" ہے، اس میں ۳۷ ابواب ہیں جن میں تصوف کے مختلف عنوانات پر بحث کی گئی ہے، آپ کے مکاتیب بھی ہیں، ان مکاتیب کا طرزِ نگارش اور اسلوب آپ کے پیر، حضرت شیخ عبدالقدوس کے خطوط کے طرز پر ہے بعض کتب متداولہ پر آپ نے حاشیے بھی لکھے تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکاتیب میں زیادہ خطوط حضرت شیخ جلال کے نام ہیں۔

شیخ جلال نے ۱۴ ماہ ذی الحجہ ۹۸۹ھ کو وفات پائی، مفتی غلام سرور صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے اس تاریخی قطعہ میں آپ کا سنہ وفات نکالا ہے ؎

جلال از جہاں چوں بہ جنت رسید
پئے سالِ ترحیل آں ذی کمال
بگو شیخ پاکیزہ دل شد عیاں
۹۸۹
دگر ہست مہتاب عزت جلال[3]
۹۸۹

---

[1] ردِ کوثر۔ مؤلفہ شیخ اکرام صاحب ص ۱۰۷ بحوالہ اقبال نامہ جہانگیری، یہ واقعہ اختصار کے ساتھ انوار العارفین ص ۳۴۶ پر بھی مندرج ہے۔

[2] اراضی الہند کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

[3] حضرت شیخ جلال کی عمر صاحبِ منتخب التواریخ نے ۹۲ سال اور صاحبِ خزینۃ الاصفیاء نے ۹۰ سال اور صاحبِ سفینۃ الاولیاء نے ۹۶ سال لکھی ہے۔

حضرت شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء

خواجہ نظام الدین تھانیسری

حضرت شیخ جلال تھانیسری کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسری نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ خواجہ نظام الدین تھانیسری کے والد کا نام شیخ عبدالشکور تھا۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضؓ سے جا ملتا ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ نظام الدین ہندوستان کے اولیاء میں تصرف ظاہری و باطنی میں جامع کمالاتِ صوریہ و معنویہ تھے، اُنھوں نے حضرت جلال تھانیسری کے دستِ حق پرست پر بیعت کرکے ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، حضرت شیخ نظام الدین نے اگرچہ علومِ ظاہری کی تعلیم باقاعدہ کسی اُستاد سے حاصل نہیں کی تھی، یہاں تک کہ آپ کا ہاتھ قلم سے بھی آشنا نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو علم لدنی سے سرفراز فرمایا گیا تھا، اور اُن پر علومِ ظاہری و باطنی کے اسرار منکشف تھے، وہ سلسلۂ چشتیہ میں ایک خاص مشرب رکھتے تھے، صاحبِ تصانیف تھے، جو کچھ اُن پر منکشف ہوتا اُس کو اپنے رسائل میں لے آتے، اُن کی تصانیف میں شرح لمعات، رسالہ حقیقت بیان ہفت بطن تفسیر ریاض القدس اور رسالہ بلخیہ وغیرہ کے نام تذکروں میں ملتے ہیں[1]۔

صاحبِ حدیقۂ داؤدی نے اُن کی جلالتِ شان کو ان الفاظ میں سراہا ہے۔

قطب المحققین و تاج الموحدین حضرت شیخ نظام قدس سرہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل۔

نامِ پدر بزرگش غریق دریائے نور شیخ عبدالشکور بودہ ولشو و نمائش از بلدۂ تھانیسر ست، ونسبتش در طریق تصوف بقطب بالکمال حضرت شیخ جلال تھانیسری خلیفۂ اجل قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہما، وہم نسبت اجداد شریفش واجدادِ قطب باکمال حضرت شیخ جلال بیک جامی رسد۔[1]

شیخ نظام الدین اپنے مرشد حضرت شیخ جلال کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے ان کے کمال وکرامت کا غلغلہ اس قدر بلند ہوا کہ جہانگیر اُن سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ جب اکبر نے ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی، اور جہانگیر تخت پر بیٹھا تو اُس کا لڑکا خسرو باپ سے باغی ہوکر اکبر آباد سے پنجاب کی طرف بھاگا، راستے میں تھانیسر پڑتا تھا، وہ شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کا طالب ہوا، شیخ نظام الدین نے اس کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ نہ مانا اور بیاس کی طرف چلا گیا، شیخ کے معاندین نے جہانگیر کو بھڑکایا کہ شیخ نظام الدین خسرو شاہ کی سلطنت کے لئے دعا کر رہے ہیں، جہانگیر نے رنجیدہ ہوکر حکم جاری کیا کہ شیخ ہندوستان چھوڑ دیں، اور پھر واپس نہ آئیں۔

شیخ نظام الدین پہلے مکہ معظمہ حاضر ہوئے، اور حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور چند سال وہاں قیام فرمایا، وہیں انھوں نے شرح لمعات تصنیف کی، پھر وہ بلخ روانہ ہوئے، اور وفات تک بلخ ہی میں مقیم رہے، بلخ کا بادشاہ امام قلی خاں ازبک اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا، اُن کے فیضِ تربیت سے تقریباً سات سو طالبانِ حق کمال کو پہنچے۔

---

[1] دیباچہ حدیقہ داؤدی قلمی تالیف غلام عبدالقدوس ابن شیخ محمد یوسف عثمانی مملوکہ صوفی بشیر احمد صاحب، قدوسی۔

شیخ نظام الدین ۸ رجب ۱۰۳۶ھ کو بلخ ہی میں واصل الی اللہ ہوئے، اُن کے خلفاء میں شیخ ابوسعید گنگوہی، شیخ ولی محمد نارنولی، شیخ پایندہ بنوری، سید الہ بخش لاہوری بھکری، شیخ عبدالکریم لاہوری اور شیخ عبدالرحمان کشمیری اور شیخ محمد صادق برہان پوری مشہور ہیں۔[۱]

شیخ ابوسعید گنگوہی

اور اُن کا سلسلہ

خواجہ نظام الدین تھانیسری کے خلفاء میں شیخ ابوسعید گنگوہی نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی فروغ اور ترقی دی، اور اُنھوں نے اِس سلسلے کی نشر و اشاعت کی طرف خاص توجہ کی، شیخ ابوسعید گنگوہی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حدیقۂ داؤدی میں اس طرح مذکور ہے کہ شیخ ابوسعید کے والد کا اسم گرامی شیخ نور تھا، اور شیخ نور حضرت شیخ علی کے فرزند تھے، اور شیخ علی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحب زادے تھے۔

شیخ ابوسعید نے حضرت نظام الدین تھانیسری کے دستِ حق پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا، حدیقۂ داؤدی میں ہے کہ وہ ہمیشہ استغراق اور محویت میں رہتے تھے؛ اور اُن کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔

صاحبِ حدیقۂ داؤدی نے ان کی جلالتِ شان اور مرتبۂ کمال کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری کے ایک مرید نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے سیکڑوں مرید ہیں، اُن میں سب سے زیادہ فضیلت کس کو حاصل ہے، فرمایا کہ میرے دس مرید

---

[۱] یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل ص ۴۶۳ تا ۴۶۶ جلد اوّل سے ماخوذ ہے۔

ایسے ہیں کہ جنھیں سب پر فضیلت حاصل ہے، پھر اُس شخص نے پوچھا اُن دس میں کس کو فضیلت حاصل ہے، فرمایا اُن میں چار افضل ہیں، پھر اُس نے پوچھا، اُن چاروں میں کس کو فضیلت حاصل ہے، فرمایا ان میں سے دو بارگاہ الٰہی میں مقرب ہیں، ان دو سے آپ کا اشارہ شیخ ابوسعید، اور شیخ حسین بھورے کی طرف تھا۔ پھر اُس شخص نے آپ سے پوچھا کہ ان میں سے کس کو امتیاز حاصل ہے، فرمایا یہ دونوں عالیہ اور مدارجِ عُلیہ پر واصل ہیں، اور دونوں مثل دو آنکھوں کے ہیں ایک کو دوسرے پر امتیاز نہیں، پھر اُن کے مقامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حال و وجد میں شیخ حسین بڑھے ہوئے ہیں، اور مراقبہ میں شیخ ابوسعید کا مرتبہ بلند ہے[۱]

شیخ ابوسعید ماہ ربیع الآخر ۱۰۴۹ھ[۲] میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک گنگوہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اُن کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے، جن میں شیخ ابراہیم رام پوری، شیخ ابراہیم سہارن پوری، شیخ محب اللہ آلہ آبادی اور شیخ محمد صادق گنگوہی مشہور ہیں[۳]۔

شیخ محب اللہ آلہ آبادی

شیخ محب اللہ الہ آبادی اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم تھے اُن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

محب اللہ بن مبارز بن پیر، بن بڈی بن مٹھی بن القاضی ضی الدین

---

[۱] حدیقہ داؤدی قلمی روضہ دوم متضمن بر حدائق قبلہ اہلِ توحید حجۃ العارفین شیخ ابوسعید قدس سرہٗ۔

[۲] خزینۃ الاصفیاء ص ۴۲۷، حدیقہ داؤدی میں آپ کا سنہ وفات ۱۰۳۹ھ درج ہے۔

[۳] یہ تمام تفصیل حدیقہ داؤدی سے ماخوذ ہے۔

بن اوحدالدین بن مجدالدین بن جمیل الدین بن رفیع الدین بن
محب اللہ بن رحم اللہ بن حبیب اللہ بن ابراہیم بن علاء الدین بن
قاسم بن عبدالرزاق بن عبدالقادر بن ابی الفتح بن عبدالسلام بن
جعفر بن شہاب الدین بن فرید الدین بن مسعود العمری۔

شیخ محب اللہ ۲ صفر روز یکشنبہ ۹۹۶ھ میں صدر پور نواح خیرآباد
میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد حصول علم میں مصروف ہوئے
اور لاہور پہنچ کر مفتی عبدالسلام لاہوری[۵۱] سے تعلیم پائی۔ شیخ محمد میر
سائیں[۵۲] سیوستانی اور سعد اللہ خاں تمیمی[۵۳] ان کے ہم درس تھے، جب

---

۵۱ مفتی عبدالسلام لاہوری اکابر علماء میں تھے، اور اُن کے زمانے میں درس و
تدریس میں اُن کی نظیر نہ تھی، اُنھوں نے کتب درسیہ کی تعلیم شیخ اسحاق بن کاکو،
شیخ سعد اللہ اور قاضی صدر الدین سے پائی، اور منطق و فلسفہ کی تعلیم علامہ
فتح اللہ شیرازی سے حاصل کی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ درس و
تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور پچاس سال تک لاہور میں تعلیم دیتے رہے اُن کے
ارشد تلامذہ میں شیخ محب اللہ الہ آبادی، مفتی عبدالسلام دیوی، اور شیخ محمد میر
سیوستانی لاہوری اور سعد اللہ خاں بہت سے علماء اور مشائخ تھے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس علم کی بھی طرف توجہ کی خدائے تعالیٰ نے اس
علم کے دروازے مجھ پر کھول دیئے، لیکن میں نے درس و تدریس کی مشغولیت
کی وجہ سے تالیف و تصنیف کی طرف، توجہ نہیں کی، وہ اپنی آخر عمر میں تصنیف
کی طرف متوجہ نہ ہونے پر افسوس کیا کرتے تھے،

مآثر الامراء میں ہے کہ شیخ عبدالسلام لشکر میں مفتی تھے، پھر وہ اس عہدے
سے علیحدہ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

مفتی عبدالسلام نے ۱۰۳۷ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، ان کی تصانیف
میں حاشیہ بیضاوی ہے (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۲۳ تا ص ۲۲۴)

۵۲ میاں میر سیوستان میں ۹۳۵ھ میں پیدا ہوئے، آپ شیخ خضر سیوستانی

سعد اللہ خاں تمیمی وزارت کے عہدے پر فائز ہوا تو اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو دہلی بلایا، شیخ محمد میر سیوستانی اپنے زہد کی وجہ سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ ۵۲) (متوفی ۹۹۶ھ) کے مرید تھے - آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے، میاں میر نے مفتی عبدالسلام لاہوری سے تعلیم حاصل کی، پھر اپنے پیر شیخ خضر قادری سیوستانی کے اشارے پر ترکِ وطن کر کے لاہور میں منتقل ہو گئے۔

عمل صالح میں ہے کہ وہ بہت بڑے عالم، عارف باللہ، اور معارف الٰہیہ کے ماہر تھے اور تحقیق مسائل میں علماء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، فقر و غناء، توکل و قناعت اور ترک دنیا و زہد و عبادت میں اپنے زمانے میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، جہانگیر اور شاہجہاں آپ کے بے حد معتقد تھے، اکثر آپ یہ شعر پڑھتے تھے ؎

شرط اوّل در طریق معرفت دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را دلیشت پا زدن

ساٹھ سال سے زیادہ آپ لاہور میں مقیم رہے، اور محلہ خان پورہ میں ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ کو منگل کے دن ظہر کی نماز کے بعد آپ واصل الی اللہ ہوئے، آپ کے جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی، آپ کا مزار مبارک لاہور سے پانچ میل کے فاصلے موضع ہاشم پورہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - آپ کے ممتاز خلفاء اور مریدوں میں ملا شاہ محمد بدخشی، حاجی نعمت اللہ سرہندی، شیخ نتھا، شیخ اسماعیل، ملا خواجہ کلاں، میاں حامد، ملا عبدالغفور دانشمند، حاجی صالح، ملا خواجہ بہاری، شیخ محمد لاہوری، شیخ احمد سنامی اور شیخ احمد دہلوی وغیرہ تھے (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۹۲ تا ۳۹۳ و سفینۃ الاولیاء و حواشی مقالات الشعراء ص ۵۰۱)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

۵۳ سعد اللہ خاں ضلع جھنگ کے ایک قصبہ چنیوٹ میں پیدا ہوا، اور لاہور میں ہوش سنبھالا، اور حفظ قرآن مجید کے بعد، علامہ یوسف اور دوسرے

چونکہ دنیا اور اقتدار کی طرف مائل نہ تھے، اس لئے انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن شیخ محب اللہ دہلی پہنچے، اور اس نے انھیں نظامت پر فائز کرکے الہ آباد بھجوایا۔

"بحرِ زخار" میں ہے کہ شیخ محب اللہ دہلی میں حصولِ ملازمت کے لئے پہنچے۔ سعد اللہ خاں وزیر سے ان کا زمانۂ طالب علمی سے تعارف تھا، اس تعارف کی بناء پر اس تک رسائی حاصل کی، لیکن دہلی کے دورانِ قیام میں ان کا دل دنیا سے متنفر ہوکر زہد و عبادت کی طرف مائل ہوگیا، اور وہ طلبِ حق میں گنگوہ پہنچے، اور سلسلۂ چشتیہ میں شیخ ابو سعید گنگوہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور ایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ سلوک و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ شیخ ابو سعید نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر انھوں نے اپنے وطن صدر پور پہنچ کر ہنگامۂ ارشاد و تلقین برپا کیا اور ایک زمانے تک صدر پور میں رہے، وہاں سے وہ الہ آباد میں منتقل ہوئے اور دریائے جمنا کے کنارے قیام کیا، اور ایک طویل عرصہ تک فقر و فاقے کی زندگی بسر کی، پھر حق تعالےٰ نے ان کے رزق میں وسعت دی[1]۔

حدائق داؤدی میں ان کے بیعت کے واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ محب اللہ علومِ عقلیہ میں اپنا جواب نہ رکھتے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳) علماء سے تعلیم حاصل کی، اور ایک طویل عرصے تک مدرسہ وزیر خاں لاہور میں تعلیم پاتا رہا، جب شاہجہاں اپنے جلوس کے چودھویں سال لاہور میں آیا اس نے سعد اللہ خاں کے علم و فضل کی شہرت سن کر ۱۰۵۰ھ میں اس کو طلب کیا اور سعد اللہ خاں کا لقب دے کر اپنے ملازموں میں شامل کرلیا، یہاں تک کہ رجب ۱۰۵۵ھ میں اس کو اپنا وزیر بنایا، سعد اللہ خاں نے مرض قولنج سے ۱۰۶۶ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۵۶، ۱۵۷)

[1] یہ تمام تفصیل نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۲۳ سے ماخوذ ہے۔

تھے، مسئلۂ وحدت الوجود کے متعلق انھوں نے مختلف علماء سے تبادلۂ خیالات کیا، لیکن کوئی اُن کو مطمئن نہ کرسکا، آخر وہ دہلی پہنچے، اور اس مسئلہ پر وہاں کے علماء اور صوفیا سے گفتگو کی، لیکن اُن کا تردد زائل نہ ہوا، انھیں خیال ہوا کہ دہلی کے نواح میں جو علماء اور صوفیہ ہیں اُن سے بھی اس موضوع پر تبادلۂ خیال کرنا چاہیے، وہ اسی تلاش و جستجو میں سہارن پور کے نواح میں پہنچے، اور لوگوں سے وہاں کے مشاہیر علماء اور صوفیہ کے متعلق دریافت کیا، کسی نے اُن کو حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی کا پتہ دیا، وہ حضرت شیخ ابوسعید کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے، اور اُن کی گفتگو میں ایک طمانیت اور ان کی محفل میں ایک دل بستگی محسوس کی، اور حضرت شیخ ابوسعید کے دستِ حق پرست پر بیعت کرکے مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا، اور اپنے وطن لوٹ کر رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے، ان کی اصلاح و تربیت سے بہت سے لوگوں نے نیکی کی راہ پائی[1]۔

صاحب تصانیف تھے، شیخ محب اللہ نے عربی اور فارسی میں فصوص الحکم کی دو شرحیں لکھی تھیں، اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں انفاس الخواص، مناظر اخص الخواص، ہفت احکام، سر رکنی المبین فی حکمۃ الالہیہ، رسالہ فی مبحث وجود مطلق، رسالہ تسویہ اور اس کی شرح مشہور ہیں[2]۔

شاہجہاں[3] اُن سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اور اُن کی ملاقات کا مشتاق

---

[1] حدیقہ داؤدی قلمی روضہ دوم متضمن بر حدائق قبلہ اہل توحید، حجۃ العارفین شیخ ابوسعید قدس سرہ۔

[2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۲۵۔

[3] شاہجہاں، جہانگیر کا تیسرا لڑکا تھا جو لاہور میں بروز پنجشنبہ یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ راجہ بھگوان داس کی دختر جودھ بائی کے بطن سے پیدا ہوا، اور ۲۵ بہمن ماہ الٰہی مطابق دوشنبہ، جمادی الاول ۱۰۳۷ھ دار الخلافہ آگرہ میں تخت سلطنت پر بیٹھا، اور ۱۰۷۶ھ میں اُس نے وفات پائی (عمل صالح جلد ۳ ص ۳۴۹)

رہتا تھا، ایک خط میں اُن کو لکھتا ہے۔

عرفان آگاہ معارف جلوہ گاہ، شیخ محب اللہ سلمہٗ فرمان اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نیک تصور نمودہ بیایند کہ شوق فوق الحدیث۔

والدعا مافوق الدعا

شیخ محب اللہ نے اُس کو جواب میں لکھا۔

امر اولی الامر رسید، اثر محبت مفہوم گردید، لیکن شخصے کہ از مرتبہ اولیٰ وثانی نبرآمدہ باشد بمرتبہ ثالث چگونہ رسد۔[۵۱]

شہزادہ دارا شکوہ[۵۲] بھی اُن کا معتقد تھا، اور الہ آباد کے قیام کے زمانے میں اُس نے شیخ سے استفادہ کیا تھا۔ دارا شکوہ نے بھی متعدد خطوط شیخ کو لکھے تھے، ایک خط میں دارا شکوہ نے ان کو لکھا:۔

از گرفتن صوبۂ الہ آباد بیشتر خوش حالی از وجود شریف ست۔

شیخ محب اللہ نے ایک خط میں دارا شکوہ کو نصیحت فرماتے ہوئے لکھا۔

فقر کجا و نصیحت کجا، حق آنست کہ اندیشہ رفاہیت خلق خدا دامن گیر خاطرِ حکام باشد، چہ مؤمن و چہ کافر کہ خلقِ خدا پیدائش خداست

---

۵۱ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۵

۵۲ دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، جو بانو بیگم کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر تال دو شنبہ کی شب میں ۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ کو پیدا ہوا، اس نے میرک شیخ بن فصیح الدین ہروی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی، اور شیخ شاہ محمد بدخشی سے بیعت کی جو میاں میر کے مرید و خلیفہ تھے، وہ غیر معمولی علم و فضل کا مالک تھا، صاحبِ تصنیف و تالیف تھا، شاہجہاں کو اس سے بےحد محبت تھی، اور اُس نے دارا شکوہ کو "شاہ بلند اقبال" کا خطاب دے رکھا تھا، اس کے اعزاز و مراتب اپنے دوسرے بھائیوں سے بڑھے ہوئے تھے، اس کے دوسرے بھائی

مگر اورنگ زیب کی رائے شیخ کے متعلق اچھی نہ تھی، اُس نے ان کے رسالۂ تسویہ کو جلانے کا حکم دیا تھا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۲) دفعہ دراز کے صوبوں میں صوبہ داری پر بھیجے گئے تھے، مگر یہ زیادہ تر اپنے باپ کے ساتھ دار الخلافہ اکبرآباد ہی میں رہتا تھا، شاہجہاں کی غیر معمولی شفقتوں نے اسے جذباتی، ضدی اور ناعاقبت اندیش بنادیا تھا، یہاں تک کہ اس میں اور اُس کے بھائیوں میں اختلافات رونما ہوئے، اور انھیں اختلافات نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کی، آخر ۲۸ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ کو اجمیر کے قریب اُس کے اور اُس کے بھائیوں اورنگ زیب اور مُراد میں ایک سخت مقابلہ ہوا جس میں داراشکوہ شکست کھا کر احمد آباد کی طرف بھاگا، وہاں سے بھج اور سیوستان ہوتا ہوا قندھار روانہ ہوا، راستے میں دادر (بلوچستان) میں ایک بلوچی سردار ملک جیون کے یہاں ٹھیرا جس پر داراشکوہ کے بہت سے احسانات تھے، ابتداءً تو یہ سردار اُس کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا، لیکن آخر میں غداری کر کے اس نے داراشکوہ کو انعام واکرام لالچ میں گرفتار کر کے اورنگ زیب کے پاس بھجوادیا، ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کو داراشکوہ عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا، سیف خاں نظر بیگ چیلہ اور دوسرے چند لوگوں نے جو اس کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے پنجشنبہ کی شب میں اُس کے چراغِ زندگی کو خاموش کر دیا اور ہمایوں کے مقبرے میں اس تہہ خانے میں جو گنبد کے نیچے ہے، شاہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد کی قبروں کے نزدیک دفن کیا گیا۔

عمل صالح میں ہے کہ داراشکوہ انھیں کپڑوں میں دفن کیا گیا جو موت کے وقت اُس کے جسم پر تھے، اس عہد کے مشہور شاعر محسن فانی نے جو غالباً داراشکوہ سے وابستہ تھا اُس کی وفات پر اپنے جذباتِ غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ؎

داغ شو یوسفا کہ مارا در غمِ داراشکوہ
عشق برعکسِ زلیخا در جوانی پیر کرد

ایک اور جگہ داراشکوہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

شیخ محب اللہ نے ۹ رجب ۱۰۵۸ھ کو الہ آباد میں وفات پائی، اور وہیں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۲)

"فانی" از دارا شکوہ و "قدسی" از شاہجہاں
نزق بسیا دست از ہم آفتاب و ماہ را

دارا شکوہ کی تصانیف کی تفصیل جو اس وقت تک مل سکی وہ یہ ہے۔
(۱) سفینۃ الاولیاء (تصنیف ۲۷ رمضان ۱۰۴۹ھ) (۲) سکینۃ الاولیاء (۱۰۵۲ھ) (۳) رسالہ حق نما (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (ربیع الاول ۱۰۶۲ھ) (۵) مجمع البحرین (۱۰۶۵ھ) (۶) سِرِ اکبر (۱۰۶۷ھ) (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض دارا شکوہ (۹) دیوان دارا شکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) تزک (۱۳) نادر النکات (۱۴) رسالہ معارف (۱۵) مکاتیب۔

دارا شکوہ فارسی کا خوش گفتار شاعر تھا، اور شاعری میں قادری تخلص کرتا تھا۔ صاحبِ مقالات الشعراء نے اس کے چند اشعار نقل کیے جن میں سے ہم چند شعر بطور نمونہ کلام یہاں درج کرتے ہیں ؎

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود
چوں بزلفِ او رسید آخر پریشانی کشید

بخیہ بر خرقہ تنا کیشاں — موجِ آبِ حیات را ماند

تا دوست رسیدیم چو از خویش گذشتیم
از خویش گذشتن چہ مبارک سفرے بود

بر ہر کہ فگندی نظرے مست و خراب ست
در ساغرِ چشمِ تو ندانم چہ شراب ست

مدفون ہوئے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی کے خلفاء میں شاہ محمدی تھے، جن سے روحانی تربیت شاہ محمد مکی نے حاصل کی، شاہ محمد مکی کے خلیفہ شاہ عضد الدین تھے، جو علوم شرعیہ کے عالم اور زہد و ورع میں یگانۂ روزگار تھے، حکام نے اُن کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا مگر ان کی غیرتِ فقر نے اس کو قبول نہ کیا، اُنھوں نے امروہے میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کا وہ مرکز قائم کیا کہ جس سے علم و عمل کے سرچشموں سے آبیاری ہوئی، شاہ عضد الدین نے ۱۱۷۲ھ میں وفات پائی، اُن کے جلیل القدر خلفاء میں شاہ عبد الھادی تھے، جنھوں نے ۱۱۹۰ھ میں وصال فرمایا، شاہ عبد الھادی کے خلیفہ شاہ عبد الباری تھے، جو شاہ عبد الھادی کے پوتے بھی تھے، جن سے اُن کے خلیفہ حاجی سید عبد الرحیم[۱] (متوفی ۱۲۴۶ھ) نے خرقۂ خلافت حاصل کیا، حاجی سید عبد الرحیم نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۲)

از دولتِ فقرم ہوسِ جاہ نماند
واندر نظرم ہیچ جز اللہ نماند
ہر کس کہ بحق رسید گمرہ گفتند
من گمرہ از آنم کہ مرا راہ نماند

دارا شکوہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے، بعض اُسے صالح عقیدہ صوفی سمجھتے ہیں، اور اپنے دعوے کے اثبات میں اسی کی تصانیف سے دلیل پیش کرتے ہیں، اور بعض اسے فاسد العقیدہ سمجھتے ہیں اور وہ بھی اپنے دعوے کی دلیل میں اس کے افعال اور اسی کی دوسری کتابوں سے دلیل پیش کرتے ہیں (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۴۳ و ۱۴۴ و فٹ نوٹس مقالات الشعراء مرتبہ سید حسام الدین راشدی بضمن قادری)۔

[۱] حاجی عبد الرحیم سہارن پوری حسینی افغانی تھے، طریقۂ قادریہ میں شاہ رحم علی قمیصی القادری ساڈھوری سے مرید تھے، اور طریقۂ چشتیہ

اُس وقت رشد و ہدایت کی شمع روشن کی جب ہر طرف سے زوال و انحطاط کے آثار نمایاں تھے، زندگی سکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ احیاء سنت اور اتباعِ شریعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ اسی جذبے کے تحت جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سلسلہ ۵) ہیں شاہ عبدالباری سے بیعت تھے، پھر سید صاحب سے بیعت ہوئے، میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے شیخ تھے، سفرِ جہاد میں سید صاحب کے ہم رکاب تھے، ۱۲۴۶ھ میں بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ (سیرۃ سید احمد شہید مؤلفہ سید ابوالحسن ندوی ص ۴۰۲)۔

لہ حضرت سید احمد بریلوی یکم محرم ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں اودھ کے قصبے رائے بریلی میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام سید محمد عرفان اور اُن کی والدہ کا نام بی بی عافیہ بنت سید ابوسعید تھا، بچپن میں اُن کو تحصیلِ علم کی طرف کچھ رغبت نہ تھی، تین چار سال مکتب میں گزارنے کے باوجود قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کر سکے۔ بڑے ہونے کے بعد اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ تلاشِ روزگار میں لکھنؤ گئے، وہاں اُن کا قیام ایک رئیس کے یہاں تھا، وہیں سے اُن کی طبیعت میں انقلاب پیدا ہوا، اور تحصیلِ علم کے شوق میں وہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحب نے ان کو اکبری مسجد میں اپنے بھائی شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس بھیجا، وہاں اُنھوں نے صرف و نحو کی کچھ کتابیں پڑھیں اور قرآن مجید کے اردو ترجمے کا بھی —— مطالعہ کیا، ۱۲۲۲ھ میں اُنھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں شاہ عبدالعزیز سے بیعت کی، اور کچھ دن کے بعد رائے بریلی واپس تشریف لے گئے، ۱۸۱۰ء میں نواب امیر خاں کے پاس چلے گئے جو بعد میں والیِ ٹونک ہوئے اور اُن کی جمعیت میں شریک ہو گئے جو اس زمانے میں وسطِ ہند میں انگریزوں اور بعض ہندو راجاؤں سے برسرِ پیکار رہتی، تقریباً چھ سال فنِ سپہ گری میں گزارے، لیکن جب نواب امیر خاں نے انگریز

عَلَمِ جہاد بلند کیا تو اُن کے ساتھ بالاکوٹ میں جہاد میں شریک ہوکر لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۰) سے صلح کی ٹھانی تو وہ اُن کی جمعیت سے علیحدہ ہو کر تقریباً ۱۸۱۶ء میں دوبارہ دہلی تشریف لے گئے اور وہیں ہدایت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا، اُسی زمانے میں شاہ عبدالحئی جو شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے، اور شاہ عبدالعزیز کے بھانجے شاہ اسماعیل آن سے بیعت ہوئے، ان دونوں کو لے کر سید صاحب نے مظفر نگر، سہارن پور، رام پور اور لکھنؤ وغیرہ کا دورہ کیا، اور وعظ و تذکیر سے لوگوں کو راہِ حق دکھائی، بیعت میں ان کا طریقہ دوسرے شیوخ سے مختلف تھا، وہ پہلے طریقۂ چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں بلند آواز سے بیعت لے کر طریقۂ محمدیہ میں بیعت لیتے تھے۔

پنجاب و سرحد میں مسلمانوں پر مظالم کی وجہ سے (جہاں سکھوں کی حکومت تھی) سیّد صاحب کو جہاد کرنے کا خیال پیدا ہوا، آپ نے فیصلہ کیا کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد جہاد کریں گے، یکم شوال ۱۲۳۶ھ کو آپ اپنے چار سو رفقا کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے، اور ۱۲۳۷ھ میں حج سے واپس ہو کر آپ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں، اور اس مقصد کی تبلیغ کے لئے مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی کو ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھیجا جو ہر جگہ پہنچ کر عام مسلمانوں کو جہاد کے فضائل بتا کر اس کی ترغیب دیتے تھے، سید صاحب ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۵ء کو پانچ ہزار رفقا کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، آپ طویل مسافت کے بعد نوشہرہ پہنچے، آپ کا پہلا معرکہ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو نوشہرے سے آٹھ میل کے فاصلے پر اکوڑہ میں ہوا، ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو آپ کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت ہوئی اور آپ کو امیر المومنین چُنا گیا، سکھوں سے آپ کے مختلف مقامات پر شدید مقابلے ہوئے، لیکن آخر بالاکوٹ میں سید صاحب کا آخری معرکہ ہوا، اس معرکہ میں سید صاحب کا لشکر بعض لوگوں کی غدّاری اور نمک حرامی کے سبب سے چاروں طرف سے گھر گیا، اس جنگ میں مجاہدین کو شکست ہوئی، اور اس معرکہ میں وہ لوگ شہید ہوئے جن پر تاریخ اسلام کو ناز ہے، اسی معرکے میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں سید صاحب نے بھی شہادت پائی۔

(ماخوذ از سیرت سید احمد شہید مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

میاں نور محمد جھنجھانوی

حاجی سید عبدالرحیم شہید کے خلفاء میں میاں نور محمد جھنجھانوی تھے جو شیخ عبدالرزاق ولی کی اولاد میں تھے، وہ اخفائے حال کے لئے قصبہ لوہاری میں ایک مکتب قائم کئے ہوئے تھے، جس میں بچوں کو تعلیم دیتے تھے، اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا کہ تیس برس تک اُن کی تکبیر تحریمہ قضا نہیں ہوئی، اُنھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو انتہائی عروج پر پہنچایا۔ میاں جی نور محمد نے ۴ رمضان ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

میاں جی نور محمد کے خلیفہ حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی تھے جو آسمانِ ولایت پر رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر طلوع ہوئے، اور جن کی ضیا باریوں نے سلسلۂ صابریہ کی برکات کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی پہنچایا، حاجی امداد اللہ کی ولادت باسعادت ۱۲۳۳ھ میں ضلع سہارن پور (یوپی) کے مشہور قصبے نانوتہ میں ہوئی، اٹھارہ سال کی عمر میں اُنھوں نے شاہ محمد اسحاق کے داماد اور شاگرد مولوی نصیر الدین

---

[1] مولانا محمد اسحاق شاہ عبدالعزیز کے جانشین اور اُن کے نواسے تھے، شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد وہ ان کی جگہ درس و تدریس میں مشغول رہے، اسی زمانے میں حضرت سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جنگ آزادی شروع ہوئی۔ وہ اس تحریک کے بڑے مؤید تھے، اور اُنھوں نے اس تحریک کو مالی اور اخلاقی حیثیت سے بڑی امداد پہنچائی، لیکن جب یہ تحریک ناکام ہوئی، اور حالات ابتر ہوگئے تو ۱۲۵۸ھ میں دہلی سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور وہاں بھی درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا جن لوگوں نے آپ سے علوم ظاہری اور فیوضِ باطنی کا اکتساب کیا، اُن میں اُن کے بھائی شاہ محمد یعقوب، شاہ عبدالغنی دہلوی، حاجی امداد اللہ تھانوی، شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی، سید نظیر حسین محدث دہلوی، مفتی صدر الدین، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری اور سرسید احمد خاں تھے۔ (رود کوثر ص ۲۱۳)

کے دستِ حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی، پھر میاں جی نور محمد جھنجھانوی سے چاروں سلسلوں میں، خصوصاً سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو کر سلوک کی تکمیل کی، پھر ۱۲۶۱ھ میں حجاز حاضر ہوئے اور حج و زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت حاصل کی، اور وہاں شاہ محمد اسحاق دہلوی سے بھی فیوض باطنی کا اکتساب کیا، شاہ محمد اسحاق کے توجہ دلانے پر آپ ہندوستان تشریف لائے اور ارشاد و تلقین کا کام شروع کیا، آپ کے خلفاء میں مولانا رشید احمد محدث گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور حاجی محمد عابد جیسے اکابر علماء تھے، جن کے اتحادِ فکر و عمل سے آیندہ چل کر ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی جس کی وجہ سے ہندوستان کی فضائیں علوم دینیہ کی تابانی سے جگمگا اٹھیں، ان بزرگوں نے طریقت کو شریعت کے جمال سے اس طرح آراستہ و پیراستہ کیا کہ شریعت و طریقت میں وہ دوئی کا فرق جو بعض مغلوب الحال صوفیہ کے اقوال و کردار سے سطح بینوں کو محسوس ہوتا تھا، مٹ گیا۔ غدر کے بعد جب انگریزوں نے دار و گیر شروع کی تو حاجی صاحب چھپتے چھپاتے پھر مکہ معظمہ چلے گئے، اور وہیں مقیم ہو گئے، اور مکہ معظمہ میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا، اور غدر کے بعد تقریباً بیالیس سال تک رشد و ہدایت میں مشغول رہے، آخر ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں آپ واصل الی اللہ ہوئے۔

حاجی صاحب کو اپنے مریدوں سے غیر معمولی عشق تھا، اور مرید بھی آپ کے والہ و شیفتہ تھے، ایک جگہ آپ نے تحریر فرمایا۔

ہر کس کہ ازیں فقیر عقیدت و محبت دارد، مولوی رشید احمد و مولوی محمد قاسم را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے فقیر بلکہ بمدارج فوق از من شمارند۔

مریدوں کی عقیدت اور شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم سے کسی نے دریافت کیا، کیا حاجی صاحب عالم بھی تھے؟ فرمایا عالم ہونا تو علیحدہ رہا آپ تو عالم گر تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ روحانی قوت عطا فرمائی تھی جو بڑے

بڑے علماء کو میسر نہیں۔ حاجی صاحب کی تصانیف میں غذائے روح، ضیاء القلوب اور تحفۃ العشاق مشہور ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی

حاجی صاحب کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی ذاتِ گرامی علم و عمل کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے سیکڑوں تشنگان معرفت و علم نے سیرابی حاصل کی، انھوں نے علم و عرفان کی شمع اپنے وطن گنگوہ میں روشن کی، اور دور دور سے علم و معرفت کے پروانے کھنچ کھنچ کر اُن کے گرد جمع ہونے لگے، اُن کے حلقۂ درسِ حدیث سے وہ علماء اور اکابرِ اُمّت نکلے کہ جنھوں نے اپنی ساری عمر احیاءِ ملت، ترویج سنت اور تعلیم علوم دینیہ میں صرف کی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے مریدوں کی روحانی ترقی کے لئے اتباعِ شریعت کو سب سے زیادہ ضروری قرار دیتے تھے۔ اُن کے مریدوں میں زیادہ تر علماء تھے، جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے جامع تھے، اور جو اتباعِ شریعت کو روحانی بلندی اور پستی کا معیار بنائے ہوئے تھے، مولانا رشید احمد نے ۱۳۲۳ھ میں گنگوہ میں وفات پائی، مولانا رشید احمد کے خلفاء میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا عبد الرحیم رائے پوری اور مولانا صدیق احمد انبہٹوی تھے۔

مولانا رشید احمد کے خلفاء میں اُستادی مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوری صاحب بذل المجہود شارح ابو داؤد ہیں، جو ساری عمر اپنے شیخ کے طریقے پر سہارن پور کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر العلوم میں حدیث کا درس دیتے رہے اور تعلیم باطنی میں مشغول رہے، راقم الحروف نے بھی صحیح بخاری کا کچھ حصّہ حضرت مولانا خلیل احمد سے پڑھا تھا، مولانا عشقِ رسول، اتباعِ شریعت اور حسنِ اخلاق کا ایک مکمل نمونہ تھے۔

اپنے پیر کی نظر میں مولانا کو اس قدر تقرب و اختصاص حاصل تھا کہ میں نے اپنے بعض بزرگوں سے سنا کہ ایک مرتبہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے آپ کے متعلق فرمایا

کہ جو خلیل احمد کو نہیں مانتا وہ رشید احمد کو کیا مانے گا۔

صاحبِ تصانیف تھے، آپ کی تصانیف میں بذل المجہود، شرح ابو داؤد علمی دنیا میں بڑی شہرت رکھتی ہے، جس زمانے میں آپ یہ شرح لکھ رہے تھے، میں ایک مرتبہ مظاہر العلوم سہارن پور کے کتب خانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپ کے سامنے متعدد کتابیں کھلی ہوئی تھیں، اور آپ بذل المجہود کی تصنیف میں مشغول تھے، چہرے پر دماغی محنت و کاوش کی وجہ سے اضمحلال اور تکان کے آثار محسوس ہوتے تھے، ایک صاحب نے جو اُس مجلس میں تھے عرض کیا کہ حضرت! اس غیر معمولی محنت کی وجہ سے دماغ پر شدید اثر پڑتا ہے، اگر محنت کم اُٹھائیں تو زیادہ بہتر ہو، فرمایا، دماغ کے لئے حدیثِ نبوی سے بہتر اور کون سا مشغلہ ہو سکتا ہے، پھر فرمایا کہ اب اس دماغ سے سوائے اس کے اور کوئی کام لینا ہی نہیں۔

مولانا کی بڑی تمنا یہ تھی کہ بذل المجہود کی تکمیل مدینۂ طیبہ میں ہو، چنانچہ سنہ ۱۳۴۴ھ میں آپ ہجرت فرما کر حج کے لئے مکۂ معظمہ تشریف لے گئے، اور پھر مدینۂ منورہ میں مقیم ہو گئے، بذل المجہود کی تکمیل کے کچھ دن بعد ہی آپ نے مدینۂ منورہ میں وصال فرمایا۔

مولانا خلیل احمد کے خلفاء میں مولانا الیاس کاندھلوی نے درگاہ شاہ نظام الدین اولیاء کے متصل دہلی میں قیام فرما کر میوات کے علاقے میں ہنگامۂ ارشاد و تلقین بپا کیا، اور میوات کے باشندوں کو جو اسلامی تعلیمات سے بالکل نا آشنا ہو چکے تھے از سرِ نو اسلامی شعور، اسلامی تعلیمات سے آراستہ کر کے ان میں قوتِ عمل کو بیدار کیا، ان کی اصلاحی تحریک کو ہند و پاکستان میں جو وسعت و ہمہ گیری حاصل ہے اس کا اندازہ ان تبلیغی جماعتوں سے کیا جا سکتا ہے جو ان دونوں ممالک کے گوشے گوشے میں اور بعض ممالکِ اسلامیہ میں اپنے اخراجات سے سفر کر کے اعلائے کلمۃ الحق، ترویج سُنّت اور مسلمانوں میں صحیح جذبۂ دینی پیدا کرنے کے لئے نہایت خموشی سے جدو جہد کر رہی ہیں۔

مولانا کے دوسرے خلیفہ اور اُن کے ارشد تلامذہ میں استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ہیں جو طریقت و شریعت کے جامع، سراپا علم و عمل اور اتباعِ شریعت کا ایک نمونہ ہیں، وہ اپنے شیخ کے ساتھ ایک طویل عرصے تک سفر و حضر میں رہے اور اپنے شیخ سے علمی اور روحانی فیوض کا اکتساب کرتے رہے، بذل المجہود کی تصنیف کے زمانے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ہاتھ میں رعشہ آچکا تھا، اس لئے مسودے کی کتابت کے فرائض شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی ہی انجام دیتے تھے، اور بعض علمی اور دقیق مسائل میں مولانا اپنے اِس شاگردِ رشید سے مشورہ بھی فرماتے تھے، بذل المجہود کی تکمیل تک ایک رفیقِ کار کی حیثیت سے مولانا زکریا کاندھلوی اپنے شیخ اور اُستاد کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جب حجاز گئے تو یہ بھی اپنے شیخ کے ساتھ گئے، اور بذل المجہود کی تکمیل کے بعد اور اپنے شیخ کے وصال کے بعد ہندوستان واپس ہوئے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں جہاں اُن کے شیخ مولانا خلیل احمد اور اُن کے والد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے درس و تدریس میں عمر کا بڑا حصّہ گزارا تھا، وہ آج بھی حدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہیں، اور حقائق و معارف کے دریا بہا رہے ہیں۔ توکل و استغناء شیخ الحدیث، مولانا زکریا کاندھلوی کی سیرت کا جلی عنوان ہے، وہ تقریباً پچیس سال سے حدیث کے درس میں مشغول ہیں، لیکن وہ مدرسہ مظاہر العلوم سے اس کا معاوضہ کچھ نہیں لیتے، بلکہ اپنے تجارتی کتب خانے سے اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کرتے ہیں۔

راقم الحروف نے بھی مشکوٰۃ شریف مولانا زکریا کاندھلوی سے پڑھی تھی، اُن کی تصانیف میں شرح مؤطا امام مالک مشہور ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو جو شہرت مقبولیت حاصل ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں، مولانا محمود الحسن کے والد کا نام مولانا ذوالفقار علی تھا جو بلند پایہ عالم اور بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے، مولانا محمود الحسن ۱۸۵۱ء میں ضلع سہارن پور کے مشہور قصبے

دیوبند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی، تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند[1] کے صدر مدرس مقرر ہوئے، اور

---

[1] مدرسہ دارالعلوم غدر سے دس سال بعد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو قائم ہوا، اس کے بانیان میں مولوی فضل الرحمان والدِ مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ، مولوی ذوالفقار علی اور حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ تھے، سوانح قاسمی میں ہے کہ حاجی عابد حسین نے مولانا محمد قاسم نانوتوی سے اس مدرسے کے قیام کے متعلق گفتگو کی اور اس دینی ضرورت کی طرف توجہ دلائی، مولانا محمد قاسم نے اُن کی رائے سے اتفاق کیا، جب ان بزرگوں نے اس مدرسے کا افتتاح کیا، اُس وقت مولانا محمد قاسم میرٹھ میں تھے، حاجی عابد حسین نے اُن کو مدرسے کے قیام کی اطلاع دی، اور کہلایا کہ وہ آکر اس مدرسے میں تعلیم کا افتتاح کریں، چنانچہ مولانا محمد قاسم تشریف لائے اور مدرسے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، اس مدرسے کے پہلے مدرس مُلا محمود مقرر ہوئے، جن کی تنخواہ پندرہ روپئے ماہانہ مقرر کی گئی۔ شروع میں یہ مدرسہ مسجد چھتہ دیوبند میں قائم ہوا، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اُس زمانے میں ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر تھے وہ جدید نظام تعلیم اور طریقۂ کار سے واقف تھے، جس سال مدرسے کا افتتاح ہوا اُسی سال اُنھوں نے اپنی ملازمت اور معقول مشاہرے کو چھوڑ کر محض جذبۂ خدمت اسلامی کے تحت بیس روپئے ماہوار پر دارالعلوم کی صدر مدرسی قبول کر لی، وہ اس مدرسے کے پہلے صدر مدرس تھے جسے ہندوستان میں تعلیم دینیات کا سب سے بڑا مرکز بننا تھا۔

جب طلباء کی کثرت ہوئی تو مسجد قاضی کے قریب مدرسے کے لئے ایک مکان کرائے پر لیا گیا، ۱۲۹۳ھ میں دارالعلوم کی اپنی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا، آج دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں علوم دینیات کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس کی کئی لاکھ کی عمارتیں ہیں، متعدد درسگاہیں ہیں، آٹھ درس دارالافتاء ہیں، جن میں چار سو کمرے ہیں، دارالعلوم کا ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے، طلباء کی تعداد عموماً ایک ہزار سے متجاوز رہتی ہے، ہند و پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک کے

تقریباً تینتیس ۳۳ سال تک دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے، اپنے مسلک پر پختہ ہونے کے باوجود مولانا کے فکر و نظر میں بڑی وسعت تھی، انھوں نے اس کشیدگی کو بڑی حد تک کم کیا جو علی گڈھ اور دیوبند میں چلی آتی تھی۔ اور اس خلیج کو پاٹ دیا جو ان دو درسگاہوں میں ایک حد فاصل بنی ہوئی تھی۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڈھ میں جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھتے وقت ان کا جو خطبہ صدارت پڑھا گیا، اس میں انھوں نے طلباء سے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ سلہ) طلباء بھی یہاں آکر تعلیم پاتے ہیں، اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طلباء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالحق مفسر تفسیر حقانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا یوسف بنوری مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا احمد علی لاہوری، اور مولانا محمد طیب دیوبندی علم و فضل کے وہ روشن ستارے ہیں جن کی علمی اور اور ملی خدمات کو ہماری تاریخ فراموش نہیں کر سکتی، دارالعلوم دیوبند کے پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، ان کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست ہوئے، کچھ زمانے مولانا محمد یعقوب نانوتوی، اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن اس عہدے پر فائز رہے، پھر مولانا اشرف علی تھانوی سرپرست ہوئے، اسی طرح اس دارالعلوم کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب تھے، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی مقرر ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اس مسند کو زینت بخشی، مولانا محمود الحسن کے بعد مولانا انور شاہ کشمیری مسندِ صدر مدرسی پر رونق افروز ہوئے، پھر مولانا حسین احمد مدنی، عہدۂ صدر مدرسی پر فائز ہوئے، اب مولانا فخر الدین مراد آبادی صدر مدرسی کے عہدے کو سنبھالے ہوئے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب ہیں جو علم و فضل اور تقویٰ و تقدس میں اپنے بزرگوں کے صحیح جانشین ہیں۔

(ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۷ حاشیہ ص ۳۸۷ و موج کوثر ص ۲۲۵ تا ۲۲۸)

مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا تھا۔

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا، اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔

انھیں کے دور صدر مدرسی میں یہ معاہدہ ہوا کہ علی گڑھ کے جو طلباء تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا ذوق رکھتے ہیں وہ دارالعلوم دیوبند جاکر علوم دینیہ کی تکمیل کریں، دارالعلوم دیوبند ان کے لئے خاص اہتمام کرے گا، اسی طرح علی گڑھ کالج، دارالعلوم دیوبند کے طلباء کے لئے خاص اہتمام کرے گا جو انگریزی تعلیم کے لئے علی گڑھ جائیں گے۔

شیخ الہند نے آزادی وطن کے لئے اسیر مالٹا ہوکر سات سال تک فرنگی استبداد کے ہاتھوں جو صعوبتیں اور مصیبتیں جھیلیں وہ ہماری آزادی اور سیاسی تاریخ کا سنہرا باب ہیں، مالٹا کی قید وبند سے چھوٹ کر جب وہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان واپس ہوئے تو فرنگی قید وبند کی صعوبتوں نے ان کی صحت بالکل خراب کردی تھی، وہ دق میں مبتلا تھے، آخر ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند نے اسی بیماری میں دہلی میں ڈاکٹر انصاری کے مکان پر وفات پائی نعش دیوبند لائی گئی اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی

مولانا محمد قاسم نانوتوی ہندوستان کے علماء ربانین میں تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، مولانا ۱۲۴۸ھ میں قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش صدیقی نانوتوی

بچپن ہی میں رہ سہارن پور آئے، اور ابتدائی کتابیں شیخ محمد نواز سہارن پوری سے پڑھیں، ان کی عمر گیارہ سال کی تھی کہ مولانا مملوک علی اُن کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے، جہاں اُنھوں نے تمام درسیہ کتب کی تعلیم مولانا مملوک علی سے حاصل کی، اس کے بعد اُنھوں نے حدیث کی تعلیم شاہ عبدالغنی سے پائی، مولانا رشید احمد گنگوہی اُن کے ہم سبق تھے، اُنھیں کے ساتھ حاجی امداد اللہ سے بیعت کی اور اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر سلوک کے منازل طے کیے، ان تمام منازل سے فارغ ہونے کے بعد مطبع احمدیہ دہلی میں مولانا احمد علی[1] محدث سہارن پوری کے ساتھ ان کے رفیقِ کار کی حیثیت سے مختلف کتابوں کے حاشیے و تصحیح

---

[1] مولانا احمد علی محدث بن لطف اللہ حنفی ماتریدی سہارن پوری اکابر فقہاء حنفیہ میں تھے، یہ سہارن پور میں پیدا ہوئے اور ابتدائی کتابیں اپنے شہر کے اساتذہ سے پڑھیں، پھر دہلی تشریف لے گئے، اور مولانا مملوک علی نانوتوی سے تعلیم حاصل کی، اور حدیث کی سند شیخ وجیہ الدین سہارن پوری سے حاصل کی، پھر ۱۲۶۱ھ میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور حج سے مشرف ہوئے۔ وہیں مولانا شاہ محمد اسحاق بن محمد افضل دہلوی سے دوبارہ حدیث پڑھی اور سند و اجازت حاصل کی، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہو کر ہندوستان واپس ہوئے اور ذریعۂ معاش تجارت کو بنا کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، آخر عمر تک صحاح ستہ کے درس میں اور تالیف و تصنیف میں مشغول رہے، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے بڑی کاوش و محنت سے تصحیح کے ساتھ حدیث کی کتابوں کو شائع کیا، خصوصاً صحیح بخاری کی تصحیح و حاشیہ جس پر اُنھوں نے دس برس صرف کیے علمی دنیا اُن کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مولانا شبلی بھی ان کے شاگردوں میں تھے۔

مولانا احمد علی نے ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں فالج میں مبتلا ہو کر وفات پائی اور سہارن پور میں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۴۳)

کے سلسلے میں کام کرتے رہے، اُس زمانے میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، صحیح بخاری کی تصحیح اور حاشیے میں مصروف تھے، مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کے آخری پانچ اجزا مولانا محمد قاسم کے سپرد کئے، یہ اجزا سخت مشکل تھے، خصوصاً وہ مقامات جن میں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر اعتراض وارد کئے ہیں، مولانا محمد قاسم نے ان اجزا کی تصحیح و تحشیہ میں غیر معمولی کاوش سے کام لیا، خصوصاً امام بخاری کے ایراد کے جوابات دیتے ہوئے مذہب حنفی کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اُن میں جواب کا حق ادا کر دیا ہے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ مولانا محمد قاسم نہایت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے۔ لباس اس قدر سادہ اور معمولی پہنتے تھے کہ اُن کے لباس کو دیکھ کر اُن کے عالم ہونے کا گمان نہ ہوتا تھا، اُس زمانے میں وہ وعظ و فتویٰ سے علیٰحدہ رہ کر اپنا زیادہ وقت ذکرِ الٰہی اور مراقبے میں گزارتے تھے، یہاں تک کہ اُن پر حقائق و معارف کے دروازے کھل گئے۔ اور حاجی امداد اللہ نے اُن کو یہ کہتے ہوئے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا کہ قاسم کے زہد و تقویٰ کی مثال پہلے زمانے میں ملے تو ملے لیکن ہمیں اس زمانے میں نہیں ملتی، پھر اُنھوں نے اپنے شیخ کے حکم پر شادی کی، اور شیخ مظفر حسینؒ بن محمود کاندھلوی کے کہنے پر منبر پر تشریف لاکر وعظ فرمایا، رجب ۱۸۵۷ء

لہ شیخ مظفر حسین بن محمود بخش حنفی قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے اکابرِ علماء میں تھے، تقویٰ، استقامت شریعت اور اتباعِ سنت میں اُس زمانے میں اُن کی مثال نہ تھی، شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ وہ کھانا جس کی حیثیت شرعاً مشتبہ ہو نہ کھاتے تھے، اگر اس قسم کا کھانا ناواقفیت میں اُن کو کھلا دیا جاتا تو فوراً قے ہو جاتی اور معدہ اس قسم کی غذا کو قبول نہ کرتا تھا، اُنھوں نے مفتی الٰہی بخش بن شیخ الاسلام کاندھلوی سے تعلیم حاصل کی، اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے، پھر اُن کی وفات

میں غدر کا ہنگامہ برپا ہوا تو فرنگی استبداد سے مولانا بھی نہ بچ سکے، اور اُن پر بھی انگریزی حکومت نے بغاوت اور خروج کا الزام لگایا، جس کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک چھپے رہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نجات دی تو وہ ۱۲۷۷ھ میں اپنے چند رفیقوں کے ساتھ جن میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی بھی تھے، مکہ معظمہ چلے گئے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور میرٹھ میں منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی میں میں ملازمت اختیار کر لی۔ جب ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو دیوبند میں مدرسہ دارالعلوم کی بُنیاد پڑی تو اُنھوں نے حاجی عابد حسین کے کہنے پر دیوبند پہنچ کر دارالعلوم کی سرپرستی اختیار کی، اور ۱۲۸۵ھ میں دوبارہ حرمین شریفین حج و زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اور حج کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور عمر بھر دارالعلوم کی ترقی اور فروغ میں لگے رہے۔

مولانا محمد قاسم اگرچہ علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے، لیکن عوام

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ) کے بعد دہلی تشریف لے گئے، اور شیخ یعقوب بن محمد افضل کے دستِ حق پرست پر بیعت کی جو شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں سے تھے، پھر سید احمد بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُن سے استفاضہ کیا، اور سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربلندی میں کوشش کرتے رہے، اور حق کی سربلندی میں مبتدعین کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اُٹھائیں، پھر بیواؤں کے نکاح میں بیحد کوشش کی جو اُس زمانے میں معیوب سمجھا جاتا تھا اس کے بعد حرمین شریفین حاضر ہوئے، اور حج و زیارت کے بعد ہندوستان واپس ہوئے، اس کے بعد دوسری مرتبہ اپنے شیخ یعقوب بن افضل کے ساتھ حرمین شریفین حاضر ہوئے، جب مکہ معظمہ پہنچے تو اُن کے شیخ محمد یعقوب نے وفات پائی۔ شیخ مظفر حسین خود اُن کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ ادا کی۔ پھر وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ راستے میں بیمار ہوئے، اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ کو وفات پائی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۷، ص ۴۸۳-۴۸۴)

ہیں اُن کی زیادہ شہرت اُن مناظروں اور مباحثوں کی وجہ سے ہوئی جو اُن کے اور آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پادری اور آریہ سماجی اسلام کے خلاف جابجا تقریریں کر رہے تھے، اور علماء اُن کے جواب کی طرف متوجہ نہ تھے، اُس زمانے میں صرف ایک عالم منصور علی دہلوی تھے، جو عیسائیوں کے ساتھ مناظرے میں مشہور تھے۔
اُسی زمانے میں ۱۲۹۳ھ میں ضلع شاہجہاں پور کے ایک تعلقدار نے ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے ایک مباحثے کا انتظام کیا، اور اس کا نام "میلہ خدا شناسی" رکھا، مولانا محمد قاسم، مولوی منصور علی کو لے کر اس مباحثے میں شریک ہوئے، اور اس مباحثے میں انھوں نے ابطال تثلیث و شرک اور اثباتِ توحید پر وہ معرکۃ الآرا تقریر فرمائی کہ مخالفین کے دانت کھٹے کر دیئے، دوسرے سال پھر مباحثہ ہوا، اس مباحثے میں آریہ سماج مذہب کا بانی سوامی دیانند سرسوتی بھی شریک تھا، اس موقع پر مولانا نے توحید پر ایک اہم تقریر فرمائی، ایک اور تقریر جو انھوں نے رُڑکی میں سوامی دیانند سرسوتی کے اعتراضات کے جواب میں کی تھی وہ "قبلہ نما" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔
افسوس ہے کہ مولانا محمد قاسم نے بہت کم عمر پائی، وہ پچاس سال کو بھی نہ پہنچے تھے کہ انھوں نے ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ کو دیوبند میں وفات پائی۔
عہد حاضر کا مورخ مولانا محمد قاسم کی اس عظیم الشان جدوجہد کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ایک وقیع اور معیاری درس گاہ بنانے کے لیئے کی، اُن کے زہد و ورع اور تقویٰ کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ دارالعلوم میں پچاس روپئے ماہوار پر ملازم ہوئے مگر تنخواہ صرف دس روپئے لیتے تھے، اس پر بھی اگر کوئی ملاقات کے لیئے آجاتا تو گھڑی دیکھ کر اُس ملاقات کا دوران نوٹ کر لیتے، اور مہینے کے ختم پر ان ملاقات کے اوقات کو دن بنا کر اپنی تنخواہ سے وضع کرا دیتے تھے۔
مولانا محمد قاسم کی تصانیف میں قبلہ نما، تقریر دلپذیر، آب حیات،

حجۃ الاسلام، دلیل محکم، ہدیۃ الشیعہ، تحذیر الناس، الحق الصریح فی بیان التراویح، تصفیۃ العقائد، لطائف قاسمیہ، تحفۃ اللحمیہ اور قاسم العلوم مشہور ہیں[۱]۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی

مولانا محمد یعقوب نانوتوی حاجی صاحب کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے اور جامع العلوم تھے، ان کے والد مولانا مملوک علی[۲]، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم، سرسید محمد[۳] خاں اور مولانا ذوالفقار علی[۴]، اور

---

[۱] یہ تمام تفصیل نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۳۸۲ تا ۳۸۴ و موج کوثر ص ۲۱۸ تا ۲۲۱ سے ماخوذ ہے۔

[۲] مولانا مملوک علی ہندوستان کے مشہور علماء اور اساتذہ میں تھے، وہ قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلہ نسب یہ ہے، مملوک علی ابن احمد علی بن غلام شرف بن عبداللہ صدیقی نانوتوی، انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبے میں حاصل کی، پھر دہلی تشریف لے گئے اور علامہ رشید الدین دہلوی اور دہلی کے دوسرے علما سے مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی، وہ منطق، فلسفہ، فقہ، اصولِ فقہ اور ادب میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے، علوم دینیہ درسیہ کی تکمیل کے بعد مولانا مملوک علی مدرسۂ "دارالبقا" میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ تعلیم میں صرف کیا، یہاں تک کہ وہ زمرۂ علماء میں ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، اُن کے شاگردوں کی تعداد بے حد و بے شمار ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں وہ حجاز گئے، اور ایک سال کے بعد حج و زیارت سے فارغ ہو کر ہندوستان واپس ہوئے، انھوں نے ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ میں مرضِ یرقان میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۴۸۷)

[۳] سرسید احمد خاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، اُن کے دادا جواد الدولہ سید ہادی، شاہ عالم کے زمانے میں صوبۂ شاہجہاں آباد کے محتسب اور قاضی لشکر تھے، اُن کے والد میر متقی مشہور نقشبندی بزرگ شاہ غلام علی کے مرید تھے

دوسرے بہت سے علماء کے استاد تھے، مولانا محمد یعقوب نے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے ساتھ ہی ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر کا عہدہ چھوڑ کر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گزشتہ بسلسلہ ۵۳) اُن کے نانا دبیرالدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ تھے۔ جو ابتداءً کمپنی کے مدرسہ کلکتہ میں سپرنٹنڈنٹ تھے، اور پھر اکبر شاہ ثانی کے وزیر ہو گئے تھے۔ خواجہ فریدالدین ایک صوفی منش انسان تھے، سرسید احمد خاں کی تربیت اُن کی والدہ نے کی جو نہایت عقلمند اور نیک خاتون تھیں۔

اُس وقت دہلی میں ترویج مذہب اور علوم اسلامی کے دو مرکز تھے، ایک شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ دوسرے مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ و جانشین شاہ غلام علی کی خانقاہ، سرسید احمد خاں نے ان دونوں سے فیض حاصل کیا، کیونکہ ان کے ننہال کو شاہ عبدالعزیز اور اُن کے خاندان سے عقیدت تھی اور ان کے والد شاہ غلام علی کے مرید تھے، لہٰذا سرسید کے تعلقات خانقاہ سے بھی بہت زیادہ تھے، شاہ غلام علی سرسیّد پر نہایت شفقت فرماتے تھے، شاہ صاحب ہی نے سرسید کا نام احمد رکھا تھا اور ان کی بسم اللہ کی تقریب بھی شاہ صاحب ہی نے ادا کی تھی۔ سرسید نے اپنے ایک شعر میں اس شرف پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے ؎

بمکتب رفتم و آموختم اسرار یزدانی
زفیض نقشبندِ وقت، جاں جان جانانی

سرسید نے قدیم اسلامی اصولوں پر تعلیم پائی، پہلے قرآن مجید پڑھا، پھر فارسی کی کتابیں آمدنامہ، خالق باری، کریما، گلستاں، بوستاں وغیرہ پڑھیں، عربی میں شرح ملّا جامی، شرح تہذیب میبذی، اور مختصر معانی وغیرہ پڑھی علم ریاضی اُنھوں نے اپنے ماموں نواب زین العابدین سے حاصل کیا، اور طب کی تعلیم حکیم غلام حیدر خاں سے پائی، اس کے علاوہ سرسید نے جن بزرگوں سے فیض حاصل کیا، اُن میں شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ شاہ عبدالعزیز

جذبۂ دینی کے تحت دارالعلوم دیوبند کی بیس روپے کی صدر مدرسی اختیار کرلی، وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے، مولانا محمد قاسم کی

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳)

کے جانشین شاہ محمد اسحاق اور مولانا مملوک علی مشہور ہیں۔

سر سید نے ملازمت کی ابتداء صدر امینی سے کی، پھر ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کر کے منصف مقرر ہوئے، اور بضمن ملازمت دہلی، بجنور، مراد آباد، غازی پور اور علی گڑھ میں مقیم رہے، اُن کی ملازمت کا زمانہ پینتیس سال ہے، وہ اپنے دوران ملازمت میں بھی تالیف و تصنیف کی طرف متوجہ رہے، ان کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) انتخاب الاخوین یعنی قواعد دانی کا خلاصہ۔

(۲) قول متین در ابطالِ حرکتِ زمین۔

(۳) تسہیل فی جر الثقیل۔

(۴) رسالہ اسباب بغاوت ہند۔

(۵) آثار الصنادید

(۶) تبیین الکلام

(۷) رسالہ طعام اہل کتاب۔

(۸) خطبات احمدیہ۔

(۹) تفسیر احمدی تفسیر قرآن کریم ۷ جلدیں۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ سر سید کا دوسرا عزیز ترین مشغلہ اشاعتِ تعلیم تھا۔ سب سے پہلے اُنھوں نے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا، ۱۸۶۴ء میں اُنھوں نے دوسرا اسکول غازی پور میں قائم کیا، جس میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی، اسی سال اُنھوں نے سائنٹفک سوسائٹی غازی پور کی بنیاد رکھی جس کا مقصد یہ تھا کہ مغربی علوم کو ہندوستان میں پھیلایا جائے، سر سید نے ابتداءً اشاعتِ تعلیم کے لیے جو کوششیں کی تھیں وہ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے

وفات کے بعد، جب مولانا رشید احمد گنگوہ میں رہتے تو سرپرستی کے فرائض بھی مولانا محمد یعقوب انجام دیتے تھے۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ لیسلسلہ ۵۳) لئے تھیں، لیکن جب وہ ۱۸۶۷ء میں بنارس میں مقیم تھے، تو بنارس کے سربرآوردہ ہندوؤں نے اس کی کوشش شروع کی کہ تمام سرکاری عدالتوں سے اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کو موقوف کر کے بھاشا زبان رائج کی جائے جو دیوناگری میں لکھی جائے۔ سرسید نے ہندوؤں کی اس کوشش سے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ مسلمان اور ہندو بطور ایک قوم کے جس کی بنیاد وطنیت پر ہے ایک ساتھ نہیں چل سکتے، اب انھوں نے خاص مسلمانوں کے ترقی ترقی کے پہلو سوچنے شروع کئے، سرسید احمد خاں بنارس ہی میں تھے کہ ان کے صاحبزادے سید محمود کو حکومت کی طرف سے انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفہ ملا، اور وہ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو اپنے صاحبزادے کو لے کر ولایت روانہ ہوئے۔ اور اٹھارہ انیس ماہ کے بعد ۱۸۷۰ء میں ولایت کے سفر سے بنارس واپس آئے، یہاں واپس آکر جو کام انھوں نے سب سے پہلے کیا، وہ رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا اجرا تھا، جو اُنکی واپسی کے دو ماہ بعد شائع ہوا، اس کے بعد انھوں نے ایک کمیٹی "خواستگار ترقی مسلمانان" قائم کی، اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا جائے، چنانچہ محمڈن کالج فنڈ کمیٹی قائم ہوئی، فروری ۱۸۷۳ء میں سرسید کے صاحبزادے، سید محمود نے مجوزہ کالج کے متعلق ایک تفصیلی اسکیم پیش کی، جسے کمیٹی نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد طے پایا کہ علی گڈھ میں جہاں مدرسۃ العلوم قائم کرنے کا فیصلہ ہوا ہے، پہلے ایم اے، او ہائی اسکول قائم کیا جائے، اس زمانے میں سرسید بنارس ہی میں تھے، اس اسکول کا انتظام مولوی سمیع اللہ خاں، سکریٹری علی گڈھ سب کمیٹی کو کرنا پڑا، چنانچہ سر ولیم میور نے ۲۴ رمئی ۱۸۷۵ء کو اس اسکول کا افتتاح کیا، اس کے بعد کالج فنڈ کمیٹی نے چندہ جمع کرنے کی سعی کی، اس کمیٹی کے سکریٹری سرسید، صدر چھتاری کے کنور لطف علی خاں، اور نائب صدر راجہ باقر علی تھے، اس کمیٹی نے

حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی

حاجی صاحب کے خلفاء میں ہندوستان کے نامور عالم، جلیل القدر فقیہ اور عظیم المرتبت صوفی مولانا اشرف علی تھانوی بھی تھے، جن کی خانقاہ تھانہ بھون میں پچاس سال تک تزکیۂ نفس، اصلاحِ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳) اصحاب خیر سے چندے لئے، اور جب "کالج فنڈ کمیٹی" کی مالی حالت اچھی ہوگئی تو کمیٹی نے کالج کھولنے کا فیصلہ کیا، سرسید احمد خاں جولائی ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر علی گڑھ میں مقیم ہوگئے تھے، چنانچہ ۸ر جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن نے اس کالج کا افتتاح کیا، اس کالج نے سرسید کی سرپرستی میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی، اسی زمانے میں سرسید نے نیشنل کانگریس کے قیام کے ایک سال بعد ۱۸۸۶ء میں "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کی بنیاد رکھی، ۱۸۸۹ء میں سرسید نے کالج کے لئے ایک ٹرسٹی بل مرتب کیا، جس کے مطابق کالج کا انتظام ٹرسٹیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

اسّی سال کی عمر میں ۲۷ر مارچ ۱۸۹۸ء کو ملّت اسلامیہ کے اس مخلص رہنما نے علی گڑھ میں وفات پائی، مرض الموت میں وفات سے کچھ پہلے یہ آیتیں ان کی زبان پر تھیں، حسبی اللہ ونعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر، ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ٥

(ماخوذ از آب کوثر ص ۶۲ تا ۸۷)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۴)

۵۴ مولانا ذوالفقار علی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے والد تھے، اور اکابر علماء میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ تک درس وتدریس کی خدمات انجام دی، عربی ادب میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے۔

باطن اور علم و عمل کا گہوارہ رہی ہے، اور جنھوں نے مسلمانانِ ہند کی اپنے مواعظ و تذکیہ، تالیف و تصنیف، ارشاد و تلقین سے وہ عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں جو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی تاریخ کا ایک جلی عنوان ہیں، مولانا نے جولائی ۱۹۴۳ء میں اپنے وطن تھانہ بھون میں وفات پائی۔

شیخ محمد صادق گنگوہی

شیخ محمد صادق خلیفہ شاہ ابوسعید گنگوہی نے اپنے وطن گنگوہ ہی میں عرفان و تصوف کی شمع روشن کی، وہ شیخ فتح اللہ حنفی گنگوہی کے صاحبزادے تھے، حدیقۂ داؤدی میں اُن کا سلسلہ نسب اس طرح مندرج ہے۔ شیخ محمد صادق بن شیخ فتح اللہ بن شیخ عبدالصمد بن شیخ حمیدالدین بن شیخ قطب الاقطاب عبدالقدوس گنگوہی۔

شیخ محمد صادق ابتدائے تزکیۂ نفس اور نورِ باطن کے لئے موضع کراہو میں شیخ عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، ان کی خدمت میں رہ کر ایک طویل عرصہ تک ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، لیکن جب شیخ عبدالسلام نے وصال فرمایا تو اس راہِ سلوک کے راہی پر اُن کی جدائی بیحد شاق ہوئی، اور اپنے شیخ کی دائمی مفارقت سے اس قدر افسردہ ہوئے کہ اُن کے حُزن نے یاس کی صورت اختیار کر لی، ایک روز اُسی عالمِ حیرانی و پریشانی میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکاتیب کو اُٹھایا، اور بطور فال کے اُسے کھولا تو حضرت شیخ کے مکتوب کے اس ٹکڑے پر نظر پڑی، تحریر تھا۔

اگر مرغ بیضہ را بگذارد،	اگر مُرغی انڈے کو چھوڑ دے
باید کہ آں بیضہ را زیرِ مرغ	تو اُس انڈے کو دوسری مرغی
دیگر سپارد تا بچہ برآید، و	کے نیچے رکھنا چاہیئے تاکہ اس سے

بکمال رسد۔ بچّہ نکلے اور کمال کو پہنچے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اس روحانی اشارے کے بعد اُنھوں نے اپنے چچا شاہ ابوسعید گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، شاہ ابوسعید کی وفات کے بعد اُن کی جگہ شیخ محمد صادق مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔[1]

صاحبِ سیر الاقطاب، اُن کے محامد و اوصاف میں رقمطراز ہیں کہ :۔

واز خلفائے شیخ ابوسعید گنگوہی قدس سرہ العزیز لسان قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، المکملین بالصورہ و المعنی حضرت صادق محمد گنگوہی بن شیخ فتح اللہ الحنفی قدس سرہ کہ معشوق الٰہی و دریائے نامتناہی بود، اگر شمۂ از احوالش ثبت نمایم دفترے جداگانہ املا گردد، والحق ذات بابرکات مصدرِ فیوضات، و مظہر کمالات درعرصۂ روزگار جلوہ گر گشت تا ہر مسلمانے کہ بخدمتش آمد خاطر از ہمہ علائق دنیوی سرد گردید، و ہر کافرے کہ روئے مبارکش بدید زنگِ کفر از دلش محو شد، الغرض وصف از آں بیشتر ست کہ بیان نمایم و کمالاتش ازاں زیادہ کہ تحریر کنیم۔[2]

شیخ محمد صادق کے خلیفہ شیخ عبدالہادی شاہ آبادی کا بیان ہے کہ میرے مرشد شیخ محمد صادق گنگوہی ساڑھے پندرہ سال تک محویت کی کیفیت طاری رہی، لیکن نماز و روزہ، عبادت، اشغالِ باطنی اور ارشاد و تلقین میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔[3]

---

[1] بیعت کا واقعہ حدیقۂ داؤدی سے ماخوذ ہے۔

[2] حدیقہ داؤدی قلمی بحوالہ سیر الاقطاب۔ روضہ سیوم۔

[3] " " " " " " "

شیخ محمد صادق ۱۰۵۸ھ میں اور بروایتِ حدیقۂ داؤدی ۱۹ رمحرم ۱۰۵۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے، اُن کے خلفاء میں ان کے دونوں صاحبزادے شیخ داؤد، شیخ محمد اُن کے علاوہ شیخ ابراہیم مرادآبادی اور شیخ عبدالجلیل الہ آبادی تھے۔[1]

شیخ محمد صادق گنگوہی کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ محمد داؤد نے سندِ ارشاد کو زینت بخشی، وہ گنگوہ میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کی، اور انھیں سے بیعت ہوکر خرقہ خلافت حاصل کیا، صاحبِ وجد و حال تھے، اُن کے ارشد خلفاء میں شیخ ابوالمعالی بن محمد اشرف حسینی انبہٹوی تھے جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو غیر معمولی فروغ دیا، شیخ ابوالمعالی کی تصانیف میں "ہفت گریہ" مشہور ہے۔ شیخ محمد داؤد نے ۱۰۹۵ھ میں وصال فرمایا۔[2]

شیخ عبدالغفور اعظم پوری

خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

شیخ عبدالغفور اعظم پوری، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے جلیل القدر خلفاء میں تھے، اُن کا وطن اعظم پور تھا، جو سنبھل کے اطراف میں واقع ہے انھوں نے کتبِ درسیہ کی تعلیم شیخ نظام الدین علوی کاکوروی سے پائی اور ایک عرصہ تک اُن کی خدمت میں رہے، اور پھر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن سے بیعت کی، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

اخبارالاخیار میں ہے کہ وہ نہایت بزرگ اور صاحبِ واقعات و کرامات تھے، کہتے ہیں کہ انھوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ۵ ص ۱۹۶

[2] نزہتہ الخواطر جلد ۵ ص ۳۷۷-۳۷۸- اخبارالاخیار ص ۲۲۲-

تھا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ درود شریف تلقین فرمایا تھا۔

اللّٰھم صلی علی محمد وآلہ بعدد اسمائک الحسنیٰ[۱]

مُلّا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ شیخ عبدالغفور اعظم پور اطرافِ سنبھل کے رہنے والے تھے، وہ حضرت شیخ عبدالقدوس چشتی گنگوہی کے مرید اور علماء ربانین میں تھے، اُن کی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں شک نہیں کیا جاسکتا، اُن کا بیشتر وقت عبادت وریاضت میں گزرتا تھا، اتباعِ سنت کا یہ اثر تھا کہ وہ طالبانِ راہِ سلوک کو خواہ اُنھیں کتنی مناسبت ہی کم کیوں نہ ہوتی منزلِ عرفان پر پہنچا دیتے، یہی وجہ تھی کہ طالبانِ رشد وعرفان کھنچ کھنچ کر اُن کے پاس آتے تھے، علومِ دینیہ کی درس وتدریس میں بھی اُن کے وقت کا بڑا حصہ صرف ہوتا تھا، شاعر بھی تھے، اُن کا کلام اہلِ نظر کی سوزشِ قلب کے لئے سرمایہ تسکینِ دل و جاں ہے، حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ نے اُن کو حسنِ صورت سے بھی نوازا تھا، شیخ عبدالغفور نے ۹۸۵ھ میں بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور اعظم پور میں مدفون ہوئے[۲]۔

شیخ عبدالغفور کے خلفاء میں سید علاء الدین ساکن کُتانہ اور اُن کے دونوں صاحبزادے شیخ ابواسحاق اور شیخ سراج العارفین مشہور ہیں[۳]۔

شیخ بھورہ

شیخ بھورہ گاندر بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں تھے وہ حضرت شیخ سے مرید ہونے سے قبل ہمیشہ شراب میں غرق رہتے تھے یہاں تک کہ ایک لمحہ بھی بغیر بادہ وساغر کے نہ گذار سکتے تھے، اچانک رحمتِ

۱؎ نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۲۴-۱۲۵

۲؎ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۴۲-۴۳

۳؎ سیر الاقطاب ص ۲۲۰

الہٰی شاملِ حال ہوئی، اور ترک بادہ و ساغر کرکے، شیخ کی تلاش میں ایک طرف چل کھڑے ہوئے، راستے میں اُن کو ایک شخص ملا، اُس نے کہا کہ تم طلبِ مرشد میں کہاں جا رہے ہو، تمہارے پیر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نوشاہ آباد میں ہیں، شیخ بھورہ نے یہ سُنا تو فوراً شاہ آباد پہنچے، اور حضرت شیخ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور عرض کیا کہ میں شراب کی عادتِ بد میں مبتلا ہوں، شیخ نے فرمایا کہ پریشان نہ ہو تمھیں توبہ نصیب ہو گی، پھر حضرت شیخ نے اُن پر دم کیا، اُسی وقت سے اُن کو شراب سے نفرت ہو گئی، اس کے بعد شیخ بھورہ نے حضرت شیخ سے حج کی اجازت طلب کی، فرمایا تمہارا مقصود یہیں حاصل ہو گا۔ پھر حضرت شیخ نے اُن کی تربیت اپنے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے سپرد فرمائی۔ شیخ بھورہ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق شغلِ حق میں مصروف ہوئے۔ یہاں تک کہ خلافت سے سرفراز کئے گئے[1]۔ شیخ بھورہ نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی[2]۔

شیخ عمر دینی

شیخ عمر دینی بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مُرید تھے لیکن اُن کو عقیدت شیخ عبدالرزاق جھنجانوی[3] سے تھی، ایک دفعہ

---

[1] لطائف قدوسی ص ۳۴-۳۵ لطیفہ ۴۳

[2] اخبار الاخیار ص ۲۲۱

[3] شاہ عبدالرزاق جھنجانوی سلسلۂ قادریہ کے شیوخ میں تھے، یہ ۸۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور مولانا جلال جھنجانوی سے قرآن مجید حفظ کیا اور بعض کتابیں پڑھیں، پھر پانی پت آئے اور وہاں سے دہلی پہنچے، اور شیخ اللہ داد ٹھٹوی کی خدمت میں پانچ سال رہ کر کتب درسیہ کی تعلیم حاصل کی پھر کالپی پہنچے اور وہاں کے اساتذہ سے بعض کتابیں پڑھیں، وہاں سے فارغ ہو کر دوبارہ دہلی تشریف لائے، اور ملا عبداللہ کے مدرسہ میں داخل ہو کر مختلف

شیخ عبدالرزاق، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی ملاقات کے لئے آئے۔
اُس وقت حضرت شیخ عبدالرزاق پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔
جب وہ کیفیت فرو ہوئی تو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے ایک
ایک مرید اور خلفاء کو اُن کے سامنے پیش کیا، آخر میں شیخ عمر کا ہاتھ
پکڑ کر ان سے کہا کہ یہ آپ کا مرید ہے، اسے چاہیئے کہ آپ کے قدموں میں
گرے، شیخ عمر اُسی وقت اُٹھے اور اس طرح گرے کہ اُن کے دونوں ہاتھ حضرت
شیخ عبدالقدوس کے قدموں پر تھے اور سر حضرت شیخ عبدالرزاق کے پیروں پر تھا[۱]

شیخ خضر عرف شیخ خان

شیخ خضر عرف شیخ خان بن رکن صدیقی جون پوری، حضرت شیخ
عبدالقدوس گنگوہی کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے، صاحبِ علم اور
صاحبِ حال تھے، یہ پہلے حج و زیارت کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے،
اور حج و زیارت کے بعد بیت المقدس گئے، اور پھر وہاں سے واپس ہو کر شاہ آباد
حاضر ہوئے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دستِ حق پرست پر بیعت
کی اور خلافت سے سرفراز کئے گئے[۲]

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ بسلسلہ ۵۳) علمی بحثوں میں مشغول رہے، آخر اُسی
مدرسہ کی صدر مدرسی پر اُن کا تقرر ہوا، اور تین سال تک درس دیتے
رہے، اُس کے بعد شیخ محمد بن حسن عباسی جون پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور اُن سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر سلسلۂ
چشتیہ میں وہ شیخ نور بن حامد مانک پوری سے مستفیض ہوئے۔
شیخ عبدالرزاق نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مکتوبات کی ایک بسیط
شرح لکھی، اور ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ (ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۴
ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ و اخبار الاخیار ص ۲۳۷)

[۲] اخبار الاخیار ص ۲۲۲

[۳] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۰۵

ان کی بیعت کی تفصیلات اور اصلاح وتربیت کے واقعات گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ شیخ خضر حضرت شیخ سے بیعت ہو کر اپنے خلوت کدے میں عبادت اور ریاضت میں مشغول تھے۔ کہ اتفاق سے ایک سیاح آیا، اور اُس کی ملاقات شیخ خضر سے ہوئی، اُس نے انھیں اپنے سفر کے حالات و واقعات سناتے ہوئے بتایا کہ فلاں فلاں شہروں میں بڑے بلند پایہ بزرگ ہیں یہ سن کر شیخ خضر کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اُن بزرگوں سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ سفر کا اشتیاق ان پر اس قدر غالب آیا کہ ذکر وشغل میں فرق آنے لگا، اور جسمانی صحت پر بھی اُس کا اثر پڑا، ان کی والدہ نے اس خیال سے کہ اُن کا لڑکا روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے، افطار میں کچھ چیزیں بڑھائیں حضرت شیخ نے کشفی طور پر شیخ خضر کے اس خطرے کو محسوس کر لیا، اور ایک روز اُن سے فرمایا کہ اے خضر! میں تمھارے ذکر وشغل میں پہلے کی بنسبت کمی پاتا ہوں' شیخ خضر نے اقرار کیا، آخر شیخ خضر کا اشتیاق یہاں تک بڑھا کہ وہ سفر کے لئے تیار ہو کر حضرت شیخ عبدالقدوس سے اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے، حضرت شیخ نے مصلحت کی بنا پر اُن کو اجازت دے دی، اور فرمایا جاؤ اور دنیا کا تماشا دیکھ کر واپس آؤ۔ شیخ خضر روانہ ہوئے اور مختلف مقامات کے علما اور مشائخ سے ملاقات کی، لیکن انھیں ایک بھی اپنے پیر کے ہمرتبہ نظر نہ آیا۔ وہ ہر جگہ سے اپنے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کو لکھتے تھے کہ دور کے ڈھول سُہانے ہیں، یہ میری بدنصیبی تھی کہ میں آستانۂ عالی کی خاک روبی چھوڑ کر دنیا کی خاک چھان رہا ہوں۔ یہاں تک کہ شیخ خضر حرمین شریفین پہنچے اور حج وزیارت کے بعد گجرات آئے، اور وہاں اُن کی ملاقات سید محمد جون پوری[1] سے ہوئی جو اُن کے خالہ زاد بھائی بھی تھے، سید محمد جونپوری

---

[1] سید محمد جون پوری ۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت مہدی موعود کے لقب سے ہوئی، دعوی مہدویت سے قطع نظر تمام معاصرین آپ کی

نے اُن سے کہا کہ تم اِس تلاش وجستجو میں اپنی عمر ضائع کر رہے ہو، تمھیں چاہیئے کہ ذکر وشغل میں مشغول ہو، اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے تلقین فرمایئے، سید محمد جون پوری نے اُن کو ذکرِ پاس انفاس کی تلقین کی، حالانکہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) علمیت، پرہیزگاری اور زہد وتقویٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں آپ نے شیخ دانیال سے تعلیم شروع کی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، اور پندرہ سال کی عمر میں آپ علوم ظاہری کی تعلیم سے فارغ ہو گئے، آپ کے غیر معمولی علم کو دیکھ کر اُس دور کے علماء نے آپ کو اسد العلماء کا خطاب دیا، اُسی زمانے میں آپ نے اپنے اُستاد شیخ دانیال چشتی سے بیعت کی اور غیر معمولی ریاضتیں اور مجاہدے کئے، ۸۸۷ھ میں چالیس سال کی عمر میں آپ ترکِ وطن کر کے داناپور گئے، وہاں سے چندیری، چانپانیر، مندو ہوتے ہوئے برہان پور پہنچے، ہر جگہ آپ کے وعظ وارشاد و خطابت سے ہزاروں انسانوں نے ہدایت حاصل کی، پھر آپ دکن آئے۔ بیدر اور گلبرگہ میں بہت سے علماء نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، ۹۰۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے ارادے سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جہاز کے راستے جدہ ہوتے ہوئے مکۂ معظمہ پہنچے اور حج سے واپسی پر وہ کھمبایت پہنچے وہاں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے، وہاں سے احمد آباد آئے، رودِ کوثر میں ہے کہ آپ نے احمد آباد میں دعویٰ کیا کہ میں اِس دنیا میں مادی آنکھوں سے خدا دکھا سکتا ہوں، جس پر علماء نے آپ کی مخالفت کی، اور وہاں کے بادشاہ محمود شاہ کبیر نے آپ کے خارج البلد ہونے کا حکم جاری کیا۔

۹۰۵ھ میں آپ برلی پہنچے، اور یہیں آپ نے پہلی مرتبہ مہدیٔ موعود ہونے کا دعویٰ کیا، جس کی وجہ سے علماء اور عوام آپ کے مخالف ہو گئے، نزہۃ الخواطر میں ہے کہ آپ نے پہلی مرتبہ جب کہ آپ ترک وطن کر کے سفر میں روانہ ہوئے تھے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا، پھر آپ نے مکۂ معظمہ میں اِس دعویٰ کو دُہرایا، آپ حج سے فارغ ہو کر احمد آباد آئے تو تیسری مرتبہ احمد آباد میں اِس دعوے کا اعادہ کیا، پھر چوتھی

وہ اپنے پیر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے کشفِ انوار واسرار کی منزل پر پہنچ چکے تھے، انھوں نے کہا کہ جس شغل کی آپ مجھے تلقین فرما رہے ہیں یہ تو بچوں کا کام ہے، مجھے اس شغل کی تلقین کیجئے جو اس سے بلند ہو، سید محمد جون پوری شیخ خضر کی یہ بات سن کر حیران ہوئے، پھر انھوں نے پوچھا کہ تم کس کی صحبت میں رہے ہو، شیخ خضر نے جواب دیا کہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا مرید ہوں، مختصر یہ کہ شیخ خضر کی نظر میں سید محمد جون پوری کے مقاماتِ رفیعہ بھی اپنے پیر کے مقابلے میں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ سے) مرتبہ برلی میں انھوں نے اس دعوے کی تجدید کی، اس وقت علما نے سختی سے آپ کی مخالفت کی، اور اسی مخالفت کی وجہ سے آپ کو برلی بھی چھوڑنا پڑا، پھر آپ جالور اور ناگور ہوتے ہوئے ۹۰۷ھ میں براہ نصرپور ٹھٹھہ پہنچے، ٹھٹھہ کا حاکم اس وقت جام نظام الدین نندا تھا، جام نظام الدین نندا کی مخالفت کے باوجود سندھ کے بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، وہ لوگ جو دورانِ قیام ٹھٹھہ میں آپ سے بیعت ہوئے اُن میں قاضی قاضن، مفتی شیخ صدرالدین خاں، دریاخاں وزیر اعظم اور سید مبارک شاہ قابل ذکر ہیں۔ سندھ میں صوفی شاہ عنایت اللہ شہید کا گاؤں جھوک آج بھی میران پور جھوک کے نام سے اس وجہ سے مشہور ہے کہ سید محمد جون پوری نے وہاں چند روز قیام کیا تھا۔

ٹھٹھے میں ایک سال قیام کے بعد وہ اپنے آٹھ سو ساتھیوں کے ساتھ خراسان روانہ ہوئے پہلے قندھار آئے، وہاں کا حاکم شاہ بیگ ارغون جو بعد میں سندھ کا فرماں روا ہوا، آپ کے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آیا، وہاں سے آپ فرہ پہنچے، جہاں آپ نے ۱۹ ذی قعدہ ۹۱۰ھ ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء کو وفات پائی، آپ کے صاحبزادے میراں سید محمود نے جنازے کی نماز پڑھائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ "نم عشق" سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے۔

(ماخوذ از تذکرۂ محمد بن طاہر پٹنی و نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۲۲ تا ۳۲۶ و رود کوثر ص ۱۹ تا ۲۲)۔

ہیچ نظر آئے اور وہ نہایت ندامت کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقدوس کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی وفات تک ..... حضرت شیخ کے قدموں سے وابستہ رہے[1]۔

اُن کی تالیفات میں مکاتیبِ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ملفوظاتِ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

شیخ بہاؤالدین

شیخ بہاءالدین ولد شیخ بہشتی نبیرۂ حضرت مخدوم عالم جمال ہانسوی[2]، حضرت شیخ کے مخلص مریدوں میں تھے۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ ایک ظالم شخص نے اُن کو محبوس کرکے قفل لگا دیا، اور اُن کے قید خانے پر پہرہ بٹھا دیا، اس عالمِ حبس میں وہ اپنے شیخ کو بہت یاد کرتے تھے، ایک دن صبح صادق کے وقت اُنھوں نے نیم بیداری اور خواب کی حالت میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور اُن کے صاحبزادے شیخ رکن الدین آئے، اور کہا کہ ہم تمھاری مدد کے لئے آئے ہیں ہمارے ساتھ چلو، اُنھوں نے اسی عالم میں عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ کیسے چل سکتا ہوں، درآں حالے کہ دروازے میں قفل لگا ہوا ہے، اور پہریدار بیٹھے ہیں۔ شیخ رکن الدین نے کہا کہ تمھاری مدد کے لئے خود حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، تم اُٹھو تو سہی، میں اِس عالمِ غنودگی سے بیدار ہوا، اور قفل کو جھٹکا تو وہ کھلا ہوا تھا، باہر نکلا، اور میں نے پہرے داروں کو آواز دے کر کہا کہ میں اپنے شیخ کی مدد سے جا رہا ہوں، اُس وقت پہرے دار بیدار تھے، اور وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ کوئی چیز سائے کی طرح جا رہی ہے، لیکن کچھ دکھائی نہیں دیتا،

---

[1] لطائف قدوسی ص ۳۸ و ۳۹ لطیفہ ۵۱

[2] لطائف قدوسی ص ۳۶ ۔ لطیفہ ۴۸

اس طرح میں نے اس قید و بند سے نجات پائی۔

دتّو شروانی

دتّو شروانی افغانوں کی فوج میں سپاہی تھے، اور حضرت شیخ کے مخلص مریدوں میں تھے، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انھوں نے حضرت شیخ سے کس وقت بیعت کی تھی، لیکن لطائف قدوسی سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اُن کا حضرت شیخ سے ظاہری اور باطنی تعلق اور ربط بہت گہرا تھا، اُن کے خواب بہت سچے ہوتے تھے، اور وہ حضرت شیخ کی طرف سے عالم رویا میں بہت سے مبشرات سے نوازے جاتے تھے، شیخ رکن الدین صاحبزادۂ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کا بیان ہے کہ میں لطائف قدوسی کی ترتیب کا کام ختم کر چکا تھا، اور لطائف قدوسی مکمل ہو چکی تھی کہ دتّو شروانی ایک سفر سے لوٹ کر میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ نے حضرت شیخ کے حالات مرتب کئے ہیں، چونکہ میرا بھی حضرت شیخ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے، اور مجھے آپ کے اکثر معاملات و کرامات معلوم ہیں، اِس لئے مناسب یہ ہے کہ انھیں بھی لطائف میں درج کیجئے، چنانچہ دتّو نے اپنے قلم سے حضرت شیخ کے متعلق چند لطائف لکھ کر دیئے جنھیں میں نے اِس کتاب میں شامل کر دیا، پھر وہ لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ دتّو بہت نیک آدمی تھے۔

دتّو شروانی کے تفصیلی حالات ہمیں کہیں دستیاب نہیں ہوئے، ممکن ہے کہ ان کے متعلق تاریخ خاں جہاں لودھی میں کچھ مل سکے لیکن وہ کتاب اب تک نایاب ہے، اُن کی زندگی کے متعلق لطائف قدوسی سے جو اشارات ہمیں ملتے ہیں ہم انھیں یہاں درج کرتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دتّو کی عمر کا بڑا حصّہ سفر اور جنگی آویزشوں میں گذرا، وہ افغانوں اور مغلوں کی مختلف جنگوں میں، افغانوں کی طرف سے شریک رہے، انھوں نے ان لڑائیوں کے واقعات اور ان لڑائیوں میں اُن پر

مصائب کے وقت حضرت شیخ کے تصرفِ روحانی اور کرامات کو بیان کیا ہے جن کی تفصیلات ہمیں لطائف قدوسی میں ملتی ہیں۔ انھیں اس کا افسوس تھا کہ ان کی عمر ان دنیاوی امور میں صرف ہونے کی وجہ سے انھیں ذکر و شغل اور عبادتِ الٰہی کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔

لطائف قدوسی لطیفہ ۸۸ میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک طویل سفر کے بعد قلعۂ آگرے میں آیا، میرے پیر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی اس زمانے میں وہیں مقیم تھے میں اپنے پیر کی زیارت سے مشرف ہوا، اتفاق یہ تھا کہ تنہائی تھی، اور اس وقت حضرت شیخ مراقبے میں تھے، میں بہت دیر تک ادب سے کھڑا رہا، جب حضرت شیخ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور مجھ پر نظر پڑی تو فرمایا دتّو قریب آؤ، میں قریب گیا، پھر آپ مجھ سے بہت دیر تک گجرات اور قلعۂ مندو کے حالات پوچھتے رہے، پھر میں نے نہایت عجز و زاری سے عرض کیا کہ افسوس ہے کہ میں شامتِ نفس میں گرفتار ہوں اور میری ساری عمر امورِ دنیاوی میں صرف ہوئی اور یادِ الٰہی سے قاصر رہا، مجھے معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہوگا؛ حضرت شیخ نے نہایت شفقت سے مجھ سے فرمایا کہ اے دتّو! کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جس سے غلطی سرزد نہ ہوتی ہو، خدا کی رحمت اور اس کی مغفرت کے امیدوار رہو کہ قرآن مجید میں ہے ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا، پھر آپ سر بمراقبہ ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا، اور فرمایا اے دتّو! پریشان نہ ہو، اور اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو کہ خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے، لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر فرمایا کہ اے دتّو! تم ہمارے فرزند ہو، جب تمھیں کوئی مشکل پیش آئے گی، تمھارا پیر تمھاری مدد کرے گا، پھر مجھے بہت دیر تک نصیحتیں فرماتے رہے، اور کلام اللہ کی بعض سورتیں پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا پھر میں نے عرض کیا کہ گجرات میں ایک بزرگ شاہ طیفور تھے وہ ایک اسم اعظم کے پڑھنے کی وجہ سے چالیس اسموں کے مجاز کیے

گئے، اس کے بعد میں نے اسمائے اعظم کی تاثیرات بیان کیں، آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمھیں جملہ چالیس اسمائے اعظم کا مجاز کیا، جس نام سے بھی تمھارا مقصد متعلق ہو پڑھو، اور کچھ فکر نہ کرو، تمھیں کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، تمھارے پیر تمھاری حفاظت کریں گے، ہم تم سے ہر وقت قریب ہیں، پھر میرے لئے دعائے خیر فرمائی، جس کی وجہ سے میں نے ایک خاص مسرت اور فرحت محسوس کی[۱]۔

دتو شروانی افغانوں کی طرف سے مغلوں کے ساتھ جن جھڑپوں اور آویزشوں میں شریک رہے، اُن کی کچھ تفصیل اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں گزر چکی، اُن کو حضرت شیخ کی طرف سے عالم رویا میں جن بشارات سے نوازا گیا، اُن کا بھی کہیں کہیں تذکرہ پچھلے اوراق میں گزر چکا ہے۔

جب شیر شاہ سوری نے خطۂ سنبھل کی منصفی پر عیسیٰ خاں کو بھیجا تو عیسیٰ خاں نے پرگنہ کانتا، تلہر اور جہدارد؟ کی عملداری پر دتو شروانی کا تقرر کیا، اور یہ کچھ عرصہ وہاں کی عملداری پر رہے[۲]۔

حضرت شیخ کو جو دتو سے تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود ان کا بیان ہے کہ میرا ایک پاؤں سُن ہو گیا، اس بیماری کو ہندی میں بہری کہتے ہیں، بیماری کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ میرے پیر میں سوئی چبھانے سے مجھے پتہ نہ چلتا تھا، اطباء نے میرے لئے اکیس روز تک ہڑتال کھانا تجویز کیا، ابھی میں نو دس روز تک ہی اُسے کھا پایا تھا کہ خدا کے فضل سے مجھے فائدہ معلوم ہوا اور وہ سُن ہونے کی کیفیت جاتی رہی، میں ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں گیا، اور نماز باجماعت ادا کی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد مصلیانِ مسجد بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے،

---

[۱] لطائف قدوسی لطیفہ ۸۸ ص ۱۷

[۲] لطائف قدوسی لطیفہ ۱۰۱ ص ۸۳ و ۸۴

میں بھی آنکھیں بند کر کے اُن کی باتیں سننے لگا، اچانک مجھ پر غنودگی طاری ہوئی، میں نے عالم غنودگی میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی دو اور آدمیوں کے ساتھ تشریف لاتے ہیں، اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ دتو! تم جس قدر ہڑتال کھا چکے ہو وہ تمھیں کافی ہے، اب مت کھانا ورنہ تمھیں نقصان ہوگا، اُن دو آدمیوں نے جو حضرت شیخ کے ساتھ تھے کہا کہ حضرت یہ ضرور ہڑتال کھائے گا، اور جب تک کہ اسے نقصان نہیں پہنچے گا یہ باز نہیں آئے گا، اور نہ اسے ہماری اس بات کی اُس وقت تک قدر معلوم ہوگی، جب تک کہ یہ نقصان نہ اُٹھالے، شاید نقصان اُٹھانے کے بعد یہ ہماری بات کی قدر جانے گا، اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی، میں بہت دیر تک اس خواب کے متعلق سوچتا رہا، پھر میں نے خیال کیا اگرچہ ہڑتال کے کھانے سے مجھے نفع ہے، لیکن اب نہ کھاؤں گا، لیکن مجھ پر ایسی غفلت طاری ہوئی کہ میں نے حضرت شیخ کے ارشاد کو فراموش کر دیا، اور ایک صبح کو ہڑتال کھالی جب پندرہ روز کھاتے ہوئے گذرے تو میرے ہاتھ پاؤں میں سخت گرانی پیدا ہوئی یہاں تک کہ بیسویں روز یہ کیفیت تھی کہ مجھے ہاتھ پاؤں ہلانا مشکل تھا، اس عرصہ میں موت کے قریب ہوگیا، پانچ سال میں نے سخت بیماری میں گزارے، پھر ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں، اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے تمھیں ہڑتال کھانے سے منع کیا تھا، پھر تم نے کیوں کھائی؟ میں نے عرض کیا کہ میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ میری عقل پر پردے پڑ گئے۔ فرمایا پریشان مت ہو، تمھاری زندگی ابھی باقی ہے، لیکن ابھی کچھ اور دن تکلیف اٹھاؤ گے، اس خواب کے چند دن بعد میں اچھا ہوگیا[1]۔

لطائف قدوسی کے اندراجات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دتو حضرت شیخ کی وفات کے بعد ایک طویل عرصے تک زندہ رہے، اور وہ حضرت

---

[1] ہم نے لطائف قدوسی کے لطیفہ ۱۰۲ سے یہ واقعہ اختصار کے ساتھ یہاں لکھا ہے

شیخ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گنگوہ بھی حاضر ہوئے، اور حضرت شیخ کے چاروں صاحبزادوں سے ملاقات کی[1]۔

دتّو شروانی کے ایک صاحبزادی بھی تھیں، جن کا نام مریم خاتون تھا، دتّو کا بیان ہے کہ جب میں موضع پٹھ میں تھا تو میں اور میاں بابو اکثر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا آپس میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، میری لڑکی مریم خاتون جو ابھی بالکل بچی ہی تھی یہ باتیں سنتی رہتی تھی، ان باتوں کو سن کر اس کو حضرت شیخ سے اس قدر عقیدت پیدا ہوئی کہ ایک روز اس نے مجھ سے پوچھا، بابا! یہ قطب عالم جن کا تذکرہ آپ اکثر کرتے ہیں کہاں رہتے ہیں میں نے اسے بتایا کہ بیٹی! وہ شاہ آباد میں ہیں، اس نے پھر مجھ سے پوچھا کہ شاہ آباد یہاں سے قریب ہے یا دور، میں نے کہا شاہ آباد یہاں سے بہت دور ہے، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں تو حضرت قطب الاقطاب (شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کی مرید ہوں گی، میں نے اس سے کہا کہ بیٹی میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ میری اولاد سوائے آپ کے کسی دوسری جگہ مرید نہ ہو، میں انشاء اللہ تم کو حضرت شیخ سے مرید کراؤں گا، مریم خاتون اس سے بہت خوش ہوئی[2]۔

شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی

شیخ عبدالرحمٰن شاہ آباد کے رہنے والے تھے، غالباً انھوں نے حضرت شیخ کے قیام شاہ آباد کے زمانے میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اور حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کی توثیق پر وہ خلافت سے سرفراز کئے گئے تھے، لیکن ایک ایسا ناگوار واقعہ پیش آیا کہ حضرت شیخ ان سے اس قدر برہم ہوئے کہ نہ صرف خلافت

---

[1] لطائف قدوسی ص ۹۲

[2] لطائف قدوسی ص ۸۷-۸۸ لطیفہ ۱۰۶

سے بلکہ اُن کو اپنی مریدی سے بھی عاق کر دیا، پھر حضرت شیخ حمید کی سفارش پر اُن کی خطا معاف ہوئی، اور وہ دوبارہ خلافت سے سرفراز کیے گئے، اس ناراضی کی وجہ ہمیں اُن خطوط سے معلوم ہوتی ہے جو اس سلسلے میں حضرت شیخ نے شیخ عبدالرحمان شاہ آبادی کو لکھے ہیں، ان خطوط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ احمد کو ہمایوں نے اپنے دربار میں طلب کیا تھا، عبدالرحمان شاہ آبادی بھی جو حضرت شیخ کے مرید تھے، وہ وہاں موجود تھے، اور غالباً ہمایوں کے مزاج میں دسترس بھی رکھتے تھے، اور ملازمت شاہی میں بھی منسلک ہو چکے تھے، ملازمت شاہی میں منسلک ہونے کی وجہ سے وہ ذکر و شغل اور طریقۂ درویشی سے غافل ہو چکے تھے، اُن کا یہ طرز عمل حضرت شیخ کو ناگوار تھا، اُسی زمانے میں اتفاق سے یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کے صاحبزادے شیخ احمد کو ہمایوں نے اپنے دربار میں طلب کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمان شاہ آبادی نے شیخ احمد کے وہاں پہنچنے پر سرد مہری اور بے التفاتی کا برتاؤ کیا، اُن کی اس سرد مہری اور بے التفاتی سے شیخ احمد نے حضرت شیخ کو واقف کرایا، حضرت شیخ اُن سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، اپنے صاحبزادے کے ساتھ عبدالرحمٰن کے اس طرز عمل سے حضرت شیخ کو اور بھی رنج پہنچا، اور نہایت ناراض ہو کر عبدالرحمان شاہ آبادی کو کئی خط لکھے، ایک خط میں عبدالرحمان شاہ آبادی کو نصیحت اور متنبہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا:-

حق، حق، حق

بجانب شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی

بعد حمد و صلوٰۃ و دعائے خیر و صلاح عبدالرحمان مطالعہ کند و بداند۔ بیت:

راست بازے می رود در کوئے دوست
کاذباں را ہیچ منزل یار نیست

چرا عبد الشیطان شدۂ ومنافق گشتہ کار وبار خود ہمہ نفاق نہادہ وافترا پیش گرفتہ ما اورا تلقین کردہ ایم وارشاد نفی خطرات ماسوی اللہ کردہ ایم، خطرہ ملکی وتقربات ومشوبات از صفحۂ دل پاک ومصفا نیز تیر اشد ومحو ومتلاشی گرداند، ومشغول بحق گردد، ومستغرق حق شود، چنانکہ نداند کہ روز کی گذشتہ وشب کی وحساب غیر نماند، چنانکہ گفت۔ بیت:—

تاکہ باشد یاد غیرے در حساب

ذکر مولیٰ از تو باشد در حجاب

واو بسیاہ روئی خویش بالشاء خطرۂ شیطانی تحصیل مال دیوانی مشغول گشت، واویلا وامصیبتا فویل للقاسیۃِ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلالٍ مبین، ہلا چہ تحصیل خواہی کرد، وچہ پیش خواہی برد، پیش قضاء کرسی حاضر شدن ست، چرا گمراہ می شود، ودین برباد می دہد، وہیچ خبر ندارد، و ہوش دار، ہوش دار، ہوش دار، تا کار ابتر نشدہ ست، آنچہ وظیفہ پیران ست ما می گویم وارشاد می کنم ولکن لا تحبون الناصحین، چہ توان کرد، خاک بر سر خود می کنم وحی گویم۔ بیت:

برد غفلت روزگارم چوں کنم

بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

لیکن شیخ عبد الرحمان شاہ آبادی نے حضرت شیخ کے اِس

۱؎ مکتوبات قدوسیہ مطبوعہ احمدی پریس دہلی، مملوکہ پنجاب یونیورسٹی ص ۳۵۶ مکتوب اول بجانب شیخ عبد الرحمان۔

خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی، حضرت شیخ نے ایک اور طویل خط اِس سے بھی زیادہ سخت اُن کو لکھا۔ اُس خط میں تحریر فرمایا۔

چرا عبد الشیطان شدہ، وروئی نفاق آوردہ، نام خود بر جریدہ خمشلہ کمثل الکلاب ثبت کردہ آہ ہزار آہ افسوس ہزار کار کجا بکجا کشید، از چہ در چہ افتاد، این چہ واقع مسجد بود بتخانہ گشت، صلاح بود بفساد پیوست سبک برخیز برخیز۔ بیت:۔

ہر چہ جز حق بسوز غارت کن

ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

ومخلص ویگانہ باش، الا للہ دین الخالص واگرنہ از خدا واز پیران بریدست، واز راہ حق رفتہ ست۔ اجازت از ما و خلافت از ما بر خود جائز ندارد، وخود را بعد ازیں شیخ ودرویش نخواند، قطعیت ست، ہوش دار ہوش دار، اگر توانی دست بدامن استغفار زن و مستغفر شود بابا دیگر توانی، واللہ المستعان، از مستان باید ترسند، واز زخم ایشاں خود را نگاہ باید داشت۔

بیت:۔ ما مست الستیم قضا را نشناسیم

از غایت مستی سر و پا را نشناسیم

ہوش دار ہوش دار، کار خود از دست رفتہ ست، وترا خبر نیست۔ بیت:۔

کشتیِ من کہ بگردابِ خطر افتادست

وہ چہ بودی کہ رسیدی بکناری باری

تو یار دیوان شدۂ وشیطان گشتہ، واز رحمن رفتہ یا لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا زخمے ست کہ مرداں از ہیبت آں زخم بیجان اند بیزبان۔

بیت :- بروم سرکوئے تو جاں دہم
این حیلہ چارہ رہا کنم

استغفر اللہ ، استغفر اللہ ، استغفر اللہ ، من جمیع ما کرہ اللہ

بیت :-

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست
جز حرف عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

برخیز شتاب بیا ، ہیچ درنگ برخود جائز مدار کہ کار ابتر ست و یار ابتر و زلف ابتر ، و ہر چہ ست ہمہ ابتر ، انّ شانئك ھو الابتر ، دوہرہ-

جگ سبایا چھوڑ کہ ہوں نج جگ ہوں
باج پیاری ہی سکھی اب کو جگ نہ لیوں

عبدالرحمان شاہ آبادی نے حضرت شیخ کے اس مکتوب سے بھی غفلت برتی کہ حضرت شیخ کی برہمی کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ شیخ نے پھر اُن کو ایک خط میں لکھا کہ تمہاری بیوفائی ، ناہنجاری اور نفاق جو لوگوں سے معلوم ہوا ہے وہ ناقابل بیان ہے ، اگر اس پر توبہ واستغفار نہ کروگے تو مہلک قہر کا شکار بنوگے ، تم جو ہماری اولاد کی تحقیر و تذلیل میں اپنی توقیر کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہو یہ بدبختی ہے ، لکھتے ہیں ۔

عبدالرحمان دعا خیر و صلاح مطالعہ کند و بداند کہ از بعضے کساں بیوفائی و ناہنجاری و نفاق وے چنداں معلوم شد کہ در تقریر نیاید ، اگر واقع برین ست مردود و مخذول ست ، خدائش ہرگز فلاح نبود ، این نوع از وے محال و بعید نمود ، از مقبلان ہرگز چنیں واقع نہ شود لیس

---

[1] مکتوبات قدوسیہ مطبوعہ احمدی پریس دہلی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ۳۵۶ مکتوب سیوم بنام شیخ عبدالرحمان شاہ آبادی۔

ھذا الاصنیعہ المراد و دین المخذولین، و درحال روئے، استغفار آرد و تائب گردد و مخلص و یگانہ شود تا وقت باقی ست، ورنہ مہلک قہر فرد بود، و درحاویہ سپارد، ولیس لہٗ من دون اللہ من ولی ولا نصیر، حکمے قطعی ست، ہوش دار، ہوش دار، عبدالرحمان چرا عبدالشیطان شود، روئے بنفاق آرد، توقیر و توفیر بجوید، و تحقیر و تقیر فرزندانِ ما خواہد، العیاذ باللہ، آرے مردود را ہماں راہِ مردودی و مخذولی درپیش ست، چہ تواں کرد، از اُستادِ خود شنیدہ ام۔ دوہرہ :۔

بہت بودی بہجاہ توں دیک جیون تیرا
سائیں تہیں توکی بہرا دیکھ کتب کہیرا
ایکو کام نہ اوسی جب پڑسی بیر
پہو دپیارا سائیاں توں جاتھ گھنیرا

قطعیت باپیراں کردہ ست مخذول و مطرود گشتہ ست، اگر اورا میسر ست او داند، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ من جمیع ما کرہ اللہ قولاً و فعلاً و ضمیراً و حاضراً و ناظراً۔ ما اورا خلافت بطوع و رغبت ندادہ ایم و بکوشش فرزندم شیخ حمید دادہ ایم، ہم آں خلاف برآمد، والعیاذ باللہ من ذلک و کل یعمل علیٰ شاکلتہ، چہ کند کہ سعید درراہِ سعادت رود، و شقی درراہِ شقاوت رود، خاتم بخیر باد۔[۵۱]

عبدالرحمان شاہ آبادی کو خلافت سے محروم کر دینے اور قطع تعلق

---

[۵۱] مکتوبات قدوسیہ مطبوعہ احمدی پریس مکتوب ۴۲ بجانب میاں عبدالرحمان شاہ آبادی ص ۳۵۷ و ۳۵۸۔

کرنے کے بعد بھی حضرت شیخ اپنی اولاد کی تحقیر و توہین سے جس کا صدور عبدالرحمان شاہ آبادی کی جانب سے ہوا تھا، اس قدر متاثر تھے کہ اپنے مرید خاص حضرت جلال تھانیسری کو شیخ کی اولاد کے حقوق و احترام کو واضح کرتے ہوئے عبدالرحمان شاہ آبادی کے اس نازیبا سلوک کی شکایت فرمائی جو انھوں نے آپ کے صاحبزادے شیخ احمد کے ساتھ روا رکھا تھا، حضرت شیخ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت جلال تھانیسری کو تحریر فرمایا۔

از فقیر حقیر عبدالقدوس اسماعیل مطالعہ کند و بداند کہ ہر کہ روئے از پیران بگرداند، و تحقیر فرزندان ایشاں بکند مردودِ ہر دو جہاں و مطرود گردد، اولاد ما و اکباد ما مخصوص کہ اہل اللہ و اہل حق باشند، اگر تعظیم و تکریم ایشاں نکنند جز لعنت دیگر بار نیارد، بایں نفاق دین کجا و معرفت کجا و مشاہدہ کجا، اگر اخلاص و اتحاد و خدمت گاری با فرزندانِ ما نباشد، و خود را شیطان صفت شیخ علاحدہ گویاند و جاہِ نفسانی و عز شیطانی خواہد، آں چہ دعویٰ بمشاہدۂ ربّانی و ذوقِ سبحانی می کند آں ہمہ وسوسۂ شیطانی ست، و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین، زخم جان عارفان خواہند کہ در عدم شوند و ناچیز گردند۔ بیت:۔

کاشکے ہرگز نبودے نام من
تا نبودے جنبش و آرام من

در ابہام عاقبت ہمیں بہ ست و ہمیں ہیبت کجا، کسے با خودست تا با عز خود و جاہ خود ساکن گردد، و آں برادر کہ، ہیچ التفات بفرزندم شیخ احمد نمی کند، و آمد و شد، تعظیم و تکریم وے نمی آرد، و خبر او نمی ستاند

وغمِ روزگارِ او نمی خورد، عجب نمود ومجال کشود، و بعضی معاملات آں برادر چناں معلوم شد کہ ہیچ ملعونے وہیچ مردودے نکند، وکتابت برادری با جیفت کفش بطورِ دیگر رسید، و معاملہ بطور دیگر وانمود، اگر دین را درست و طالب کردگار را خدمت گاری فرزندم شیخ احمد باشد، وسر در قدم او آرد، وہمہ کار بر خود لازم گیرد، وتواضع وتکریم وخدمت گاری فرزندم کما حقہ بجا آرد، واگر چنیں نکند از ما بیزاری داند، ہرگز روئے او نہ بنیم ونام او نگیرم، بہ ہشتاد رسیدہ ایم، امروز فردا درگزریم، کار خود بہ ہشیاری کند، شیطان زندہ ست، بسیاراں را راہ زدہ ست، بلعم باعور و شیخ برصیصیا از زخم او بدوزخ رسیدہ اند، بسیار رنجہ بسیم خاطر ابتر شدہ ست، اگر چیزے کردن بتواند بکند، وبخدمت واخلاص بپش رود، واگر نہ با ما قطعیت ابدی شدہ ست، یقین داند، یقین داند، واللہ المستعان[1]۔

ایک خط میں شیخ نور بیگ کو اس واقعہ کی تفصیل لکھتے ہوئے لکھا کہ جو کچھ عبدالرحمان نے شیخ احمد کے ساتھ کیا یہ اس کی روسیاہی دوجہاں اور خسران کا سبب ہوگا پھر اسی خط میں شیخ نور بیگ کو تاکید فرمائی کہ وہ شیخ احمد کے ساتھ محبت و خلوص سے پیش آئیں، اور ایسا طریقہ کار اختیار کریں کہ ان کا کام آسانی سے نکل جائے، شیخ نور بیگ کے نام کے مکتوب کی اصل عبارت یہ ہے۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب بنام شیخ جلال تھانیسری ص ۳۵۸-۳۵۹

بعد حق و صلوٰۃ دعاء سعادت ابدی و نعمت سرمدی، خدمت اخوی نور بیگ نور اللہ تعالیٰ بنور وجہ الکریم از فقیر حقیر عبد القدوس اسماعیل الحنفی الچشتی مطالعہ فرمایند و بدانند چوں حضرت سلیمانی[1] خلد اللہ ملکہ و اعلیٰ امرہ فرزندم شیخ احمد را یاد کردند، و خبر تحقیق رسید کہ بسیار یاد می کنند، ناچار فرزندم مذکور توجہ بحضرت سلیمانی کردند، و فرزند مذکور عالم ربانی واثق سبحانی ست، چنانکہ معائنہ و مشاہدہ ست، باعتماد آں برادر توجّہ نمودہ ست، جملہ غم در ذمہ کرم اخوی خواہد بود، تحقیق ملک عبد الرحمٰن عبد الشیطان آنجا بود، بنفاق پیش آمد، قاعدہ دیگر بود و دیگر کشود، و ایں سبب خذلان و خسران و سیاہ روئی دو جہان اوست، ہر کہ ماہ را خاک اندازد، خاک در چشم وی افتد، ماہ را چہ زیاں، بلکہ در خلاف مردان زخمے کاریست، ہرگز فلاح نہ پذیرند بیت:-

بیش تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

فرزندم شیخ احمد را قلق عظیم شدہ کہ دریں بار شیخ نور در کار ما مسایلہ می نماید، و در غم ما و در محبت ما سستی می آرد، غایت عجب نمود، شاید کہ از وسوسہ شیطانی ست کہ بنفاق روئے آوردہ و سخنات شیطانی بدروغ یافتہ ست، آں برادر اہل اللہ و اہل معرفت مردان خدای را می شناسد و کار ہا دوستان خدائے می کنند، و اہل توفیق ست، اعتماد کلی ست کہ اتحاد تمام و مودت عظام

---

[1] حضرت سلیمانی سے مراد غالباً ہمایوں ہے۔

با فرزندم شیخ احمد خواہند کرد و جملہ کارہا ایشان بآسانی با تمام خواہند رسانید و شیطان را بہ لاحول دفع خواہند کرد، انشاء اللہ تعالیٰ، چناں ہمت نمایند کہ فرزندم شیخ احمد در ہیچ کاری درماندہ نشود، با حصول مقصود بعزت مراجع گردد، انشاء اللہ تعالیٰ، مراسلات مودت جاری دارند، و ایں فقیر را مترصد پندارند اعتماد برین ست، و ہم برین یقین ست، عافیت محمود باد۔[1]

مکتوبات قدوسی کے آخری خط سے جو حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ حمید کا ہے جو اُنھوں نے حضرت شیخ کے نام لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے عبدالرحمان شاہ آبادی کی جانب سے معذرت کرتے ہوئے اُن کی ندامت و شرمندگی کا یقین دلایا، اور اُن کی معافی کے لئے سفارش فرمائی، قیاس چاہتا ہے کہ صاحبزادہ شیخ حمید کی سفارش کے بعد حضرت شیخ نے عبدالرحمان شاہ آبادی کو معاف کر دیا ہوگا۔

شیخ حمید نے حضرت شیخ کو لکھا۔

حق، حق، حق

بعد حمد و صلوٰۃ و عرض عبودیات بحضرت قطب الواصلین ملاذ المسترشدین، حضرت قطبی و معاذی و شیخی و والدی نفع اللہ بطول بقائہ و برکتہ انفاسہ۔

از فقیر حقیر حمید معروض آنکہ مرید ہرچند اسیر کمند ہوا و گرفتار قید نفس ناروا ست، اما چوں سرنیاز درعتبہ مرشد کارساز دارد، ہمہ صلاح و فلاح بارآرد، آرے

---

[1] مکتوبات قدوسیہ ص ۵۹۳ مکتوب ششم بجانب شیخ نور بیگ

اورا جز ذلالت ہیچ دست گیرے نیست، کجا رود و بکہ روئی
آرد۔ مصرعہ۔ ع
چہ کند چہ حیلہ سازد چو درے دگر ندارد
عصمت حرفت ملک بعصیان عمیان بسر شد، تا بعصی آدم
ربّہ معاتب گشت، نعم چوں یاایھا الناس خطاب
بود، ناچارہ در گرفتاری فراموش کاری عذاب بود، ہر چند
در بوتہ بلا و ابتلا گداز کردہ اند اما در حمایت واقتدیہ شد
اجیبت برگزیدہ اند، تا اگر حمایت نظر رحمت نبود روئی
بہدم آرد، وہلاک گردد۔
المرام برادرم شیخ عبدالرحمن کہ یکے از قدیم مخلصان
عتبہ عالیہ ست، از بچگی باز بنظر رحمت پرورش یافتہ
ست، اگر چند روز بہر اصلاح مستوجب عتاب گشتہ،
اما الآن باز بنظر رحمت پرورش فرمایند، وبجواہر کلمات
مطیبات از زبان گہر بار مسرور گردانند کہ مرید ضعیف
کم مایہ طاقت عتاب ندارد، و ناصر از عتاب روے
بہدم آرد، وقت آن ست کہ یک نظر رحمت
بدو رسد، وبخطاب مستطاب ما ودّعک ربّک
وماقلی استظہار دہد، تا پناہ وخودش برہم نشود
وقدم مثبتش از جائے نرود
ایں خاکسار را یارائے آں کجاست کہ چنیں
عرض تواند کردن، اما گستاخی نمودہ کہ خاطر
ایشاں بسیار منہزم بود، وایشاں از تاثیر صحبت
آں حضرت از اہل سلامت اند، واخلاص تمام
دارند، وشفقت کماں فرمایند، ولطف وافر وارزانی
نمایند، ظلال رافت کامرانی بر سر طالب ربانی باد

بالنبی وآلہ الامجادؒ[1]۔

شیخ جعفر صوفی

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مخلص مرید اور خادم خاص تھے، اور حضرت شیخ کی توجہات بھی اُن پر خاص تھیں، لیکن اُن کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔

شیخ عبدالستار سہارن پوری

شیخ عبدالستار بن عبدالکریم بن خواجہ سالار انصاری سہارن پوری سہارن پور میں پیدا ہوئے اور شیخ نصیرالدین[2] بن سماءالدین دہلوی سے تعلیم حاصل کی پھر سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت ہو کر ایک طویل عرصہ تک ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہے، اور حضرت شیخ نے اُن کو خلافت سے سرفراز فرما کر قطبیت کی بشارت دی، شیخ عبدالستار نے ۹۵۰ھ میں وفات پائی[3]۔

---

[1] مکتوبات قدوسیہ، مکتوب شیخ حمید بنام حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ص ۳۶۰

[2] شیخ نصیرالدین بن سماءالدین بن فخرالدین حنفی دہلوی اکابر مشائخ میں تھے، اُنھوں نے اپنے والد سماءالدین سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور اُنہیں سے بیعت ہو کر اپنے والد کے وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے، شیخ نصیرالدین، عالم، صالح، صاحب دیانت متورع اور زاہد تھے، اُنھوں نے دہلی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۳۷۴)

[3] نزہۃ الخواطر جلد ۴ ص ۱۷۷ و ۱۷۸

بی بی اسلام خاتو

بی بی اسلام خاتو، عمر خاں شروانی کی صاحبزادی تھیں، حضرت شیخ کی مرید تھیں، نہایت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں، انھوں نے تزکیۂ باطن کے لئے اس قدر ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے کہ وہ اپنے تمام اعضا سے لفظ اللہ کی آوازیں سنتی تھیں۔

ان کے بھائی ہیبت خاں اور سعید خاں کسی وجہ سے حضرت شیخ سے کدورت رکھتے تھے، وہ اس زمانے میں سلطان سکندر کے ساتھ جون پور میں تھے، اور آپس میں کہا کرتے تھے کہ اس مرتبہ جب ہم شاہ آباد جائیں گے تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو شاہ آباد سے نکال دیں گے، جب یہ خبر حضرت شیخ کو پہنچی تو فرمایا اچھا دیکھا جائے گا، ابھی تو کئی مہینے درمیان میں ہیں، لیکن چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ شروانیوں پر سکندر لودھی کا اتنا سخت عتاب ہوا کہ انھیں جلاوطن ہو کر گجرات میں پناہ لینی پڑی، بی بی اسلام خاتو کہا کرتی تھیں کہ میرے بھائی میرے پیر کے ساتھ سوء ادب کی سزا بھگت رہے ہیں[1]۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء کے حالات پر یہ تذکرہ ختم ہو رہا ہے، خدا کا شکر ہے کہ دو سال کی مسلسل کاوش کے بعد آج گردشِ قلم پوری ہو رہی ہے، گو مجھے ماخذوں کی کمیابی، حالات کے نامساعدت اور میری ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے اس تذکرے کا صحیح حق ادا نہ ہو سکا۔ ع

دل سمجھتا ہے کہ جیسا چاہیئے ویسا نہیں

لیکن میرے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ حضرت شیخ کی سوانح حیات کی ترتیب کا فرض جو مسلسل چار سو چھتیس سال سے خاندان قدوسی پر چلا آرہا تھا، اس کی تکمیل کی سعادت و توفیق اس فقیر کا مقدر تھی۔

وما توفیقی الا باللہ ط

تمام شد

---

[1] لطائف قدوسی ص ۱۴ لطیفہ ۵۷

FOREWORD

By

Dr. Annemarie Schimmel

Prof. of Ilahiyat, Bonn University, W. Germany.

In the history of Islam, there is one field which European scholars have always neglected: that is the development of Islam in its different aspects in India. There are few books, some articles, but many of them written from the point of view of missionaries, who despised whatever they saw, and could not trace back the facts they discovered to their original meaning. And on the other hand we must confess, that in a country like India, which was opened to Islamic influences since in 711, when Sind was annexed, the sources for the history of Islam and especially of *tasavvuf* are so numerous that a single scholar, or even a team of scholars would hardly be able to collect all the material they need even for the history of the spiritual life of one province, or one place. As to the biographies of famous saints, they have been so filled with legendary events that it is most difficult to get a clear, and historically faithful, portrait of the respective personality, and so the lives of most important sufis have not yet been written. There is one book on an Islamic saint which deserves our great admiration : it is the careful study of Sorley on Shah Latif, which shows the great Sufi of Sind in his political and historical environment, tries to give him his place in the literary history—but even this most valuable work lacks one thing : *i.e.* the problem of the influences of previous mystics on Shah Latif. It seems to me completely impossible to understand a mystic—in which ever corner of India he may have lived—without finding out the currents of mysticism which came down to him through the different canals, like the 'Fusus of Ibn Arabi' or the 'Mathnawi of Maulana Rumi' to see how he has used

the symbols and sayings of his great masters, and how he has transformed them according to his own temperament and the circumstances of his time.

The same is true of the connections of a saint with his *tariqa*, and in this field, much research has to be made. Without knowing the development of the great orders which flourished in India, one cannot do justice to many poets and mystics from the 13th century down to our days. The wonderful work which was done by Hazrat Muinuddin Chishti, whose *Dargah* in Ajmir seems to me one of the most spiritual places I have ever seen, is worth deep investigations, not only in general but showing how his ideas and ideals were reflected or changed by his disciples who came after him, century after century. The work of the Suhrawardiyas and the influence of the Qadiriyas on Indian Muslim thought should be studied carefully—a single book upon those Indian Muslims who have reached Bagdad after long and often painful journeys and sat in Abdul Qadir Gilani's *Dargah*, trying to keep the holy spot clean and neat, a single book upon them proves more than any book on the still unbroken power of the Qadiriya among the Muslims of the sub-continent. And then the stern and more sober order of the Naqshbandiya which was visible in India through the Mujaddid-i-Alf-thani, and then spread over the country and had many fervent adherents especially among the scholars and poets of Thatta— all those *tariqas* have ruled in India and have given Indian Islam a special colour.

Therefore we are most grateful to Pakistani scholars who are interested in the spiritual history of their country, and have, like the writer of the present book, already contributed a valuable study on the Sufis of Sindh. In his present book Mr. Qudusi deals with one of the most attractive personalities of Indian sufism, *i.e.* Abdul Quddus Gangohi, his ancestor. Every reader of Mohammed Iqbal's

'Reconstruction of Religious Thought in Islam' knows that Iqbal has painted this famous saint as the typical exponent of mystical experience who wants to reach unity with the Almighty, and then never returns to the mundane depths, whereas the Prophet, after having had the great experience of the ascension, comes back to his worldly duties, and wants to inform his people of the experience he has had in the Divine Presence. Iqbal has, in his statement, very clearly shown the psychological difference between mystical and prophetical type, a difference which was scientifically proved by outstanding European scholars, like Soderblom and Heiler. The mystic who wants to be absorbed in the ocean of the Godhead (*uluhiyat*) can be conceived as quite different from the Prophet who wants to remain separated from God, and who does not seek union but obedience.

From this point of view it is most important that the present work will enable the reader to examine the words and deeds of Abdul Quddus Gangohi in full, and I am sure that here the basis for a most interesting psychological enquiry is available. That the author has used many unpublished and still unknown sources and has shown the historical and cultural environment of the great Sufi, makes the book valuable from the historical point of view also.

May his work help us to understand the wisdom of the great saint and to lead us again one step nearer to the goal of our researches—the history of the mystical movement in Indian Islam !

(Dr.) Annemarie Schimmel,
Bonn University,
W. Germany.

213

شیخ عبدالقدوس گنگوہی

اور

اُن کی تعلیمات

از

اعجاز الحق قدوسی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی